سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اُردو ۱۵۵

ایران بعہد ساسانیان

مصنفہ

پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، پروفیسر السنۂ شرقیۂ
جامعۂ کوپن ہاگن، ڈنمارک (بزبانِ فرانسیسی)

مترجمہ

ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

انجمن ترقیِ اُردو (ہند)، دہلی

۱۹۴۱ء

انجمن کی تازہ ترین مطبوعات

آثار جمال الدین افغانی

از

قاضی محمد عبد الغفار ایڈیٹر "پیام" حیدرآباد دکن

سید جمال الدین افغانی رح گذشتہ صدی کے اُن چار نامور اشخاص میں سے ہیں جنھوں نے دنیا میں بڑے بڑے انقلاب پیدا کیے ہیں ان کی زندگی کے حالات بہت عجیب و غریب اور عبرت آموز ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل ان کے حالات پر چند مختصر رسالے یا مضامین شایع ہوئے ہیں لیکن اب تک کوئی مکمل سوانح عمری نہیں لکھی گئی۔ یہ کتاب سالہا سال کی کوشش اور محنت کا نتیجہ ہے تقطیع ۲۲ × ۱۸/۸ صفحات پانچ سو سے زیادہ سولہ تصاویر اور اخبار عروۃ الوثقیٰ کا عکس

قیمت بلا جلد تین روپے، مجلد تین روپے آٹھ آنے،

فرہنگ اصطلاحات پیشہ وراں

اوّل، دوم، سوم

یہ بہت ہی قابل قدر کتاب ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ہماری زبان میں کیا کچھ خزانہ بھرا پڑا ہے جو ہماری غفلت سے ناکارہ اور زنگ آلود ہوگیا ہے پہلے حصے میں تیاری مکانات اور تہذیب و آرایش عمارات کے ذیل میں بیس پیشوں کی اصطلاحات ہیں، دوسرے حصے میں تیاری لباس و تزئین لباس کے ذیل میں پچیس پیشوں کی اصطلاحیں بیان کی گئی ہیں۔ تیسرے حصے میں لوازم دنیاوی خوراک کی اصطلاحات دی گئی ہیں۔ ہر اصطلاح کی مناسب تشریح کی گئی ہے اور حسب ضرورت ذہن نشین کرنے کے لیے تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ باقی حصے زیر طبع ہیں۔ مولوی ظفر الرحمٰن صاحب نے سالہا سال کی محنت سے مرتب کی ہے۔ ہر ادیب کی میز پر اور کتبخانے کی الماری میں رکھنے کے قابل ہے،

ہر حصے کی قیمت بلا جلد عہ/ ۱۲ آنے مجلد للعہ/

اضافیت

(آئن شٹاین کا نظریہ اُردو میں)

یہ کتاب ڈاکٹر محمد رضی الدین صدیقی پروفیسر ریاضیات جامعہ عثمانیہ کی تصنیف ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے نظریہ اضافیت کو عام فہم زبان میں بیان کیا ہے جس نظریہ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے سمجھنے والے دنیا میں صرف دو چار ہیں اس کی تشریح ایسی سلیس زبان میں کی گئی ہے کہ معمولی ریاضی جاننے والا آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ تصنیف اردو ادب میں بیش بہا اضافہ ہے۔ قیمت بلا جلد بارہ آنے مجلد ایک روپیہ چار

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو ۱۵۵

ایران بعہدِ ساسانیان

مصنّفہ

پروفیسر آرتھر کرسٹن سین، پروفیسر السنۂ شرقیہ
جامعۂ کوپن ہاگن، ڈنمارک (بزبان فرانسیسی)

مترجمہ

ڈاکٹر محمدؐ اقبال پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

۱۹۴۱ء

گیلانی پریس لاہور میں باہتمام ضمیر احمد خان غوری پرنٹر چھپی
اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی نے شائع کی

دیباچۂ مترجم

ڈاکٹر آرتھر کرسٹن سین کی فرانسیسی تصنیف[1] جس کا ترجمہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے سنہ ۱۹۳۶ء میں کوپن ہاگن (ڈنمارک) سے شائع ہوئی تھی۔ مصنّف نے اس کے لکھنے میں کتنی محنت کی ہے اور کس جانفشانی اور استقلال کے ساتھ اس کے لیے مواد جمع کیا ہے اس کا اندازہ ناظرین کو خود اس کے مطالعہ سے ہو جائیگا۔

ڈاکٹر کرسٹن سین سنہ ۱۹۱۹ء سے کوپن ہاگن یونیورسٹی میں السنۂ ایرانی کے پروفیسر ہیں۔ اُن کی پیدائش سنہ ۱۸۷۵ء کی ہے اور اصلاً ڈنمارک کے رہنے والے ہیں۔ اُنھوں نے پہلے کوپن ہاگن اور پھر گوٹنگن یونیورسٹی میں تعلیم پائی جہاں سنہ ۱۹۰۳ء میں اُنھوں نے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی۔ اُس وقت سے برابر آج تک وہ تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں اور بیشمار کتابیں لکھ چکے ہیں۔ ایران و ایرانیات میں ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں فردوسی کی ہزار سالہ برسی کے موقع پر وہ ڈنمارک کی طرف سے نمایندہ بن کر ایران گئے تھے۔

ڈاکٹر کرسٹن سین کی تصانیف بیشتر ڈنمارکی اور فرانسیسی زبانوں میں

[1] L'IRAN SOUS LES SASSANIDES.

ہیں لیکن رباعیات خیام کے موضوع پر ایک کتاب اُنھوں نے انگریزی میں بھی لکھی ہے۔ ذیل میں ہم اُن کی بعض اہم کتابوں کا ذکر کرتے ہیں :-

۱- رباعیاتِ عمرِ خیام پر تحقیقات (بزبان فرانسیسی)، ۱۹۰۵ء

۲- شاہنشاہیٔ ساسانیان (فرانسیسی)، ۱۹۰۷ء

۳- اساطیرِ ایران میں اوّلین انسان اور اوّلین بادشاہ (فرانسیسی)، دو جلد، ۱۹۱۷ء و ۱۹۳۴ء،

۴- عہد شاہ کواذ اور اشتمالیتِ مزدکی (فرانسیسی)، ۱۹۲۵ء

۵- رباعیات عمر خیام کا تنقیدی مطالعہ (انگریزی)، ۱۹۲۷ء،

۶- کیانیان (فرانسیسی)، ۱۹۳۱ء

۷- ایران بہ عہد ساسانیان (کتاب حاضر)، ۱۹۳۶ء،

ان کتابوں کے علاوہ اُن کے بیشمار مضامین ہیں جو یورپ کے مختلف علمی رسالوں میں شایع ہوتے رہے ہیں لیکن یہاں ان کو شمار کرنا ممکن نہیں،

ساسانی خاندان جس کے تمدن کی یہ تاریخ ہے دنیا کے شاہی خاندانوں میں مشہور و معروف ہے، ۲۲۶ء میں اردشیر اوّل نے اس کی بنا ڈالی اور ۶۴۲ء میں عربوں کی تلوار نے اس کا خاتمہ کیا، دُنیا کی تاریخ میں ساسانیوں کی بہت بڑی اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے مسلسل چار سَو سال تک اپنی طاقت و جبروت سے رومیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکے رکھا ورنہ سارا مغربی ایشیا اور شاید ہندوستان بھی اب سے سترّہ سَو سال پہلے یورپ کا محکوم ہو چکا ہوتا، عرب ان کے وارث و جانشین بنے اور باوجود



پروفیسر آرتھر ارنسٹ سمپسن

مصنف کتاب

اس کے کہ مذہب اور نسل اور زبان کا تفاوت درمیان میں تھا ساسانی تمدن نے عربوں پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ حضرت عمرؓ ہی کے زمانے سے حکومت کے محکمے ایرانی نمونے پر ڈھلنے شروع ہو گئے اور عباسیوں نے تو سر سے پاؤں تک ساسانی شعار کو اختیار کر لیا۔ وہی آئینِ دربار، وہی عہدے، وہی طرزِ حکومت، وہی رسم و رواج، وہی روایات، حتیٰ کہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ساسانی خاندان دوبارہ زندہ ہو کر عباسی خاندان کہلایا چونکہ دربارِ خلافت دوسرے مسلمان بادشاہوں کے لیے ہر لحاظ سے ایک قابلِ تقلید نمونہ تھا اس لیے وہی روایات بغداد سے نکل کر تمام عالمِ اسلام میں سرایت کر گئیں۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ اکبر اور شاہجہان کا دربار انوشیروان اور خسرو پرویز کا دربار تھا،

یہی وجہ ہے کہ دورِ عباسی میں ساسانیوں کے تمدن پر کثرت سے عربی زبان میں کتابیں لکھی گئیں اور پھر وہ عربی سے منتقل ہو کر فارسی میں آئیں عہدِ اسلام کے فارسی شاعروں نے ساسانی بادشاہوں کے کارناموں کو نظم میں بیان کر کے اُن کو اس قدر مشہورِ عالم کیا کہ آج بھی باوجودیکہ فارسی ادب تقویم پارینہ کا حکم رکھتا ہے اردشیر اور شاپور اور بہرام گور اور انوشیروان عادل اور خسرو پرویز کا نام بچے بچے کی زبان پر ہے،

کتاب حاضر عہد ساسانی کے تمدن کی تاریخ ہے۔ جنگوں کے واقعات اس میں بہت کم لکھے گئے ہیں، جس چیز کو زیادہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ اُس عہد کے اجتماعی اور سیاسی حالات ہیں، اسی بات نے

کتاب کو زیادہ دلچسپ اور پُر از معلومات بنایا ہے، اردو میں تو جہاں تک مجھے علم ہے اس موضوع پر کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔ انگریزی میں بھی صرف ایک دقیانوسی کتاب رالنسن کی "تاریخ ساسانیان" ہے جو آج سے ستّر برس پہلے لکھی گئی تھی اور اس میں بھی صرف لڑائیوں کے حالات ہیں۔ اس بنا پر میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی مصنّف سے ترجمہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ ہندوستان میں رہ کر اس قسم کی کتاب خود لکھ سکنا ناممکن ہے۔ ناظرین خود ملاحظہ فرمائینگے کہ فاضل مصنّف نے جو مواد جمع کیا ہے وہ دنیا بھر کی مردہ اور زندہ زبانوں سے لیا گیا ہے جن کا نہ ہندوستان میں کوئی سمجھنے والا ہے اور نہ یہاں کے کتب خانوں میں اُن کتابوں اور رسالوں کا کوئی نام و نشان ہے جن سے مصنّف نے استفادہ کیا ہے۔ ایسی صورت میں سوائے ترجمہ کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ اور عموماً ہؤا بھی یہی کرتا ہے کہ ایک زبان کی ترقّی کے ابتدائی مدارج میں علمی کتابوں کے ترجمے ہوتے ہیں پھر رفتہ رفتہ قوم میں اجتہاد و تحقیق کا مذاق پیدا ہوتا ہے،

ترجمے میں مَیں نے شخصوں اور جگہوں کے ناموں کو فرانسیسی شکل کی بجائے انگریزی شکل میں لکھا ہے تاکہ وہ زیادہ مانوس معلوم ہوں مثلاً زینوبیا (ملکہ) کا نام فرانسیسی میں زینوبی ہے۔ سلوکیہ (شہر) کو فرانسیسی میں سیلوسی اور آرمینیہ کو آرمے نی کہتے ہیں۔ ایرانی نام اصل کتاب میں قدیم پہلوی شکل میں لکھے گئے ہیں، میں نے ان میں سے ایسے ناموں کو جن کی فارسی شکلیں

زیادہ معروف و مانوس ہیں پہلوی سے بدل کر فارسی شکل میں لکھا ہے مثلاً
شاہ پُہر کی بجائے شاپور، وہرام کی بجائے بہرام، نرسہ کی بجائے نرسی،
لیکن وہ نام جن کی پرانی اور نئی شکلیں یکساں معروف ہیں پُرانی شکل ہیں رہنے
دیے ہیں، مثلاً پیروز کی بجائے میں نے فیروز لکھنا مناسب نہیں سمجھا،

فحش مقامات کو میں نے حذف کر دیا ہے تاکہ کتاب طالب علموں
کے لیے بھی قابلِ مطالعہ اور مفید ہو سکے۔ ایسے مقامات دو چار سے زیادہ
نہیں ہیں،

میں جناب مصنّف کا ممنون ہوں کہ اُنھوں نے نہایت عالی حوصلگی
سے مجھے اس کتاب کا ترجمہ کرنے کی اجازت دی اور میری درخواست پر
اپنی تازہ تصویر بھی ارسال فرمائی جو کتاب کے شروع میں زینت افروز ہے،

مجھے اپنے مخدوم جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن
ترقیٔ اردو کا بھی دلی شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اُنھوں نے کتاب کو انجمن کے
سلسلۂ مطبوعات میں شامل کر لیا ورنہ شاید میرے لیے اس کا شایع کرانا
ممکن نہ ہوتا، اہلِ ذوق جانتے ہیں کہ اس قسم کی علمی کتابوں کی اشاعت جن کا
کوئی گاہک نہیں کس قدر دشوار ہے،

لاہور۔ یکم جون سنہ ۱۹۴۱ء　　　　محمد اقبال

فہرست مضامین

مقدّمہ

ہماری کتاب موسوم بہ "شاہنشاہی ساسانیان"[1] کو شائع ہوئے اب تقریباً بیس برس ہو چکے۔ اس عرصے میں بہت سا نیا تاریخی مواد فراہم ہوا ہے جو نہ صرف عہد ساسانی کے تمدّن کی تاریخ کے مطالعہ کے لیے کار آمد ہے (جو ہماری پہلی تصنیف کا موضوع تھا) بلکہ بہت سے اور مسائل مثلاً اس عہد کے فنون و مذاہب پر بھی روشنی ڈالتا ہے، لہذا بجائے اس کے کہ ہم اپنی پرانی کتاب کی ایک نئی اڈیشن ترمیم و اضافہ کے ساتھ شائع کرنے پر قناعت کریں ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ تمدّنِ عہدِ ساسانی کا ہر پہلو سے از سرِ نو مطالعہ کریں اور اس کی ہر ممکن جہت کو اور ہر مختلف شکل کو بہ ترتیبِ زمان دکھلانے کی کوشش کریں، ہماری اس تجویز کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہم کو ساسانی ایران کی ایک عام تاریخ لکھنی پڑی ہے جس میں سیاسی تاریخ بمنزلہ ایک چوکھٹے کے ہے جس کے اندر مادّی اور روحانی زندگی، حالاتِ معاشرت، مذہبی اور فلسفیانہ عقاید اور فنون و صنایع کی تصویریں دکھلائی گئی ہیں،

ساسانیوں کے نظامِ حکومت کی کیفیّت کو ہم نے طبعی طور سے اس خاندان کی ابتدائی تاریخ کے ساتھ لکھا ہے اور اُن تبدیلیوں کو جو اُن کے دورانِ حکومت میں بمرورِ زمان

[1] "L'empire des Sassanides." 1907

پیدا ہوتی رہیں بہ ترتیب دقت دکھایا ہے، علاوہ اس کے ہم نے اپنی کتاب کو زیادہ دلپسند بنانے کے لیے یہ کیا ہے کہ تمدّنی معلومات پر علیحدہ مبحث قائم کرنے کی بجائے ان کو جابجا ابواب کے اندر ایسی مناسب جگہوں پر رکھ دیا ہے جہاں وہ سیاسی واقعات یا حالاتِ عمومی کی شرح کا کام دیں جو ان ابواب میں بیان کیے گئے ہوں، مثلاً ساسانیوں کے دورِ اوّل کے فوجی نظام کے متعلّق جملہ معلومات کو ہم نے باب پنجم میں جنگہای ایران و روم کو بیان کرنے سے پہلے لکھ دیا ہے، اسی طرح محکمۂ عدالت اور قانون فوجداری کی کیفیت باب ششم میں ملے گی جہاں ایران میں عیسائیوں کی حالت بیان کی گئی ہے جن کے خلاف قانونی کارروائیاں کرکے ان کو موردِ ایذا بنایا جاتا تھا، علیٰ ہذا القیاس خانوادہ اور جائداد کے مضمون پر ہم نے تمہید کے طور پر باب ہفتم میں بحث کی ہے جس کا موضوع مزدک اور اصولِ اشتمالیت[1] پر اس کی خفیہ تعلیم ہے، اسی طرح پایہ تخت ایران کا مختصر وصف باب ہشتم میں لکھا گیا ہے جس میں خسرو اوّل (انوشیروان) کے عہد کا حال ہے کیونکہ حقیقت میں یہ خسرو ہی تھا جس نے طیسفون وسلوکیہ[2] کے نواح میں شہر انطاکیہ نو[3]

---

[1] Communism.

[2] - Ctesiphon-Seleucia ، شہر طیسفون عراق میں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر (بغداد سے تقریباً بیس میل جنوب کی طرف) آباد تھا، پہلی صدی قبل مسیح میں وہ سلطنت پارتھیا کا پایہ تخت بنا، اسی کے بالمقابل دریا کے مغربی کنارے پر شہر سلوکیہ تھا جس کو سکندر کے نامور سپہ سالار سلوکس نے آباد کیا تھا۔ ساسانیوں نے ان دونوں شہروں کو ملا کر ایک کر دیا اور اس کو دار السلطنت قرار دیا، عربی تاریخوں میں وہ مدائن کے نام سے موسوم ہے۔ اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے، انوشیروان کے سر بفلک محل کی چند ٹوٹی پھوٹی دیواریں باقی رہ گئی ہیں جن میں ایک بہت بلند محراب بھی ہے، کتابوں میں اسی کو ایوانِ مدائن یا طاقِ کسریٰ کہا گیا ہے۔ (مترجم)

[3] انوشیروان نے ۵۴۰ء میں شہر انطاکیہ (پایہ تخت شام) کو فتح کرکے خوب لوٹا، اس کو اس شہر کی ساخت اس قدر پسند آئی کہ اس نے واپس آکر لوٹ کے مال سے طیسفون کے نواح میں بالکل اسی نمونے پر نیا انطاکیہ آباد کیا، فردوسی نے شاہنامہ میں اس شہر کے آباد ہونے کی کیفیت بیان کی ہے لیکن اس کا نام اس نے زیب خسرو لکھا ہے، (مترجم)

کی بنیاد رکھ کر پایہ تخت ایران کو پوری وسعت دی ، اسی باب کے اندر ہم نے آدابِ دربار پر بھی بحث کی ہے کیونکہ اس بارے میں عربی اور فارسی مصنّفین کے بیانات میں عہدِ ساسانی کے اسی آخری دور کا پرتو نظر آتا ہے جس کا آغاز مزدکیّت کی فنا کے بعد خسرو اوّل کے زمانے سے ہوتا ہے ۔ برعکس اس کے وہ حصّہ جس میں دربارِ ساسانی کی شان و شوکت کا ذکر ہے اُس باب میں شامل کر دیا گیا ہے جس میں خسرو ثانی (پرویز) کے عہدِ سلطنت کا حال ہے کیونکہ ہمارے نزدیک جہاں تک شاہانہ جاہ و جلال اور عیش و عشرت کے ساز و سامان کا تعلق ہے کوئی ساسانی بادشاہ خسرو پرویز سے سبقت نہیں لے جا سکا ،

ایران کی سیاستِ خارجہ کو بیان کرنے میں ہم نے نہایت اختصار سے کام لیا ہے ، واقعاتِ جنگ کا ذکر بالعموم ہم نے وہیں کیا ہے جہاں ضرورت نے ہم کو سختی کے ساتھ مجبور کیا ، اس بارے میں اگر ہم نے شاپور دوم اور دولتِ روم کے مابین جنگ کا حال مستثنیٰ طور پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے تو اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس جنگ کی غیر معمولی کیفیت ایک لاثانی مؤرّخ امّیانوس مارسیلینوس[1] نے اپنی تصنیف میں بیان کی ہے جس نے اپنے سحرِ بیان سے ایران کے اس عظیم الشّان بادشاہ اور اُس کی فوجوں کو زندہ کر کے ہماری آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے اور اُن واقعات کی متحرّک تصویریں ہمیں دکھلائی ہیں جن کو اُس نے بچشم خود دیکھا تھا ،

اس کتاب میں کہیں کہیں ہماری سابقہ تصنیف شاہنشاہیِ ساسانیان کی عبارات

---

[1] Ammianus Marcellinus. ، انطاکیہ کا رہنے والا تھا اور فوج میں ملازم تھا ، ۳۶۳ء میں جولین قیصر روم نے جب ایران پر چڑھائی کی تو امّیانوس اس کی فوج میں شریک تھا ، اس حملے کی چشم دید کیفیت اس نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے ۔ شاپور دوم اس وقت ایران کا بادشاہ تھا ، جولین کو اس حملے میں ناکامی ہوئی بلکہ وہ خود بھی ایرانیوں کے خلاف لڑائی میں مارا گیا ،

(مترجم)

دیکھنے میں آئینگی جن کو ہم نے بعض جگہ لفظ بہ لفظ نقل کیا ہے اور بعض جگہ ان میں حسب ضرورت ترمیم و اضافہ کر دیا ہے، جہاں کہیں ہماری سابقہ رائے میں کوئی نمایاں تغیّر واقع ہوا ہے اس کو ہم نے یا تو متن میں یا حاشیے میں جتا دیا ہے، مثلاً مرزبانوں، پاذگوسپانوں اور سپاہبذوں[1] کے مرتبے اور باہمی نسبت کے بارے میں پہلے ہمارا عقیدہ کچھ اور تھا اور اب وہ بالکل بدل گیا ہے یہ تبدیلی بیشتر مسٹر ای- شٹاین کے ایک مضمون کے شائع ہونے پر پیدا ہوئی جس کا ذکر کتاب کے آخر میں ضمیمہ ۲ میں کیا جائیگا- لیکن ہم اعتراف کرتے ہیں کہ یہ مسائل ابھی واضح طور پر سمجھ میں نہیں آئے ہیں، کواذ اوّل[2] اور مزدکیّت کے بارے میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ اس موضوع پر ہماری پہلی تصنیف کے حصّۂ دوم کی نقل ہے جس کا نام "عہد کواذ اوّل اور اشتمالیّتِ مزدکی[3]" ہے، لیکن اس کے ساتھ کتاب کے حصّۂ اوّل میں سے بہت سی باتیں لے کر اضافہ کر دی گئی ہیں،

اس کتاب کا مسوّدہ تین سال سے تیار پڑا تھا لیکن اس کی اشاعت بعض ایسے اسباب سے ملتوی ہوتی رہی جو میرے بس کے نہ تھے، اس تاخیر کی وجہ سے ہمیں باب چہارم پر جس میں مانویّت پر بحث ہے بار بار نظر ثانی کرنی پڑی اس لیے کہ اسی عرصے میں اس مضمون پر نہایت اہم کتابوں کا ایک سلسلہ شائع ہؤا، مانویّت پر قبطی کتابیں جو حال ہی میں دریافت

---

[1] آگے چل کر ان عہدوں کی مفصّل کیفیت معلوم ہوگی، یہاں صرف اسی قدر جان لینا کافی ہے کہ مرزبان، پاذگوسپان اور سپہبذ ساسانی گورنمنٹ میں اونچے رتبے کے افسر یا حاکم تھے، (مترجم)

[2] انوشیروان کا باپ تھا، مزدک اسی کے عہد میں گزرا ہے (عہد سلطنت سنہ ۴۸۷ء تا ۵۳۱ء)، (مترجم)

[3] "Le regne du roi Kawadh et le Communisme mazdakite"

ہوئی ہیں اور جن کا فقط ایک حصّہ (طبع ہو کر) ہمارے ہاتھوں میں آیا ہے ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ اس مذہبی تحریک کے متعلّق ہماری معلومات میں ان سے نمایاں اضافہ ہوگا،[1]

آرتھر کرسٹن سین

[1] اس کے بعد مصنّف نے چند باتیں طریق ہجا پر تحریر کی ہیں جو انھوں نے پہلوی یا عربی ناموں کے لکھنے میں اختیار کیا ہے، نیز کتابوں اور رسالوں کا حوالہ دینے کا جو اصول انھوں نے برتا ہے اس کو واضح کیا ہے اور اپنے احباب کا شکریہ ادا کیا ہے جنھوں نے ان کو کسی طرح کی مدد دی ہے، ان سب باتوں کو میں نے ترجمے میں غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے،

(مترجم)

M. Shafi

تمہید

فصل اوّل

ساسانیوں کے آنے سے پہلے تمدّن ایران کی مختصر کیفیت

ا۔ سلطنت اشکانی[1] کی سیاسی اور اجتماعی ساخت

اہل ایران نے نہایت قدیم زمانے سے اپنی معاشرت کو ایک نظامِ خانوادگی[2] کی شکل میں ترتیب دیا جو بلحاظ تقسیماتِ ارضی چار حصّوں پر مبنی تھا یعنی (۱) گھر (نمانَ)، (۲) گاؤں (وِیس)، (۳) قبیلہ (زَنتُو)، (۴) ولایت (دہیُو)[3]، لوگ اپنے تئیں

---

[1] سلطنت اشکانی (Arsacid) کا بانی ایک شخص مسمّی اُشک یا ارُشک (Arsaces) تھا، وہ قبیلہ پرنو؟ کا سردار تھا جس کا مسکن بحرِ خزر کا جنوب مشرقی علاقہ تھا جو بعد میں خراسان کہلایا، لیکن اس علاقہ کا قدیم نام اسی قبیلے کے نام پر پارتھیا تھا، اشک نے ۲۵۰ سنہ قبل مسیح میں اسی علاقے میں اپنی آزاد حکومت قائم کی جو رفتہ رفتہ بہت بڑی سلطنت بن گئی جس کی وسعت دریائے فرات سے دریائے سندھ تک تھی اور تقریباً پانچ سو سال تک قائم رہی، سنہ ۲۲۶ء میں اردشیر بابکان (بانیٔ خاندانِ ساسانی) نے اس کا خاتمہ کیا، سلطنت اشکانی اور سلطنت پارتھیا سے ایک ہی سلطنت مراد ہے، (مترجم)

[2] patriarchal.

[3] اوستا کے باب گاتھا میں ان چار تقسیموں کے نام یوں دئے ہیں: (۱) ڈمانَ (۲) وِیس (۳) زَنتو (۴) دہیو، دیکھو موسیو مے یے (A.Meillet) کی کتاب موسومہ "اوستا کے باب گاتھا پر تین لیکچر" (طبع پیرس سنہ ۱۹۲۵ء) ص ۲۳ (مصنف)، لفظ وِیس اور زنتو کا اب کوئی نشان فارسی میں باقی نہیں لیکن "دمانَ" وہی لفظ ہے جو اب خان ومان یا خانماں میں موجود ہے، "دہیُو" کی موجودہ شکل دیہ (گاؤں) ہے، (مترجم)

آریا کہتے تھے جس میں سے نسلی اور جغرافیائی نام ایران (بیاء مجہول) نکالا گیا جس کو اب ایران (بیاء معروف) پکارا جاتا ہے،

مغربی ایران میں معاشرت کا یہ خانوادگی اصول کسی قدر تمدّنِ بابلی کے رنگ میں چھپ گیا تھا چنانچہ دولتِ ہخامنشی[1] کے متعلّق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آسوری[2]، بابلی اور عیلامی[3] سلطنتوں کے سلسلے کی آخری کڑی تھی، ہخامنشیوں کا سیاسی نظام وہی تھا جو بابل اور میڈیا[4] کے بادشاہوں کا تھا البتہ اس کو کوروش اور داریوش اوّل[5] جیسے باتدبیر بادشاہوں نے اپنی ذہانت سے زیادہ کامل بنا دیا تھا، بااین ہمہ وہ ابتدائی نظامِ خانوادگی برابر باقی رہا اور میڈیا اور فارس میں ہمیں وہ زندہ نظر آرہا ہے مثلاً نقشِ رستم[6] میں داریوش کے مقبرے کے کتبے میں اُس کو "پسرِ وِشتاسپ، ہخامنشی، پارسی، آریائی" لکھا ہے جس کا مقصد

[1] دولتِ ہخامنشی (Achæmenian) کا بانی شاہ کوروش بزرگ (Cyrus the Great) تھا جس نے ۵۵۰ سنہ قبل مسیح میں سلطنت میڈیا کو فتح کر کے خاندان ہخامنشی کی حکومت قائم کی، ہخامنش اس خاندان کا مورثِ اعلیٰ تھا، ۳۳۰ سنہ قبل مسیح میں سکندر نے اس خاندان کے آخری بادشاہ داریوش سوم (دارا) کو شکست دے کر دولت ہخامنشی کا خاتمہ کر دیا، (مترجم) [2] سلطنت آسوری (Assyrian) ایک وسیع مملکت تھی جس کا طویل زمانہ ۱۴۰۰ سنہ قبل مسیح سے ۶۰۰ سنہ قبل مسیح تک تھا، اس کا پایہ تخت دریائے دجلہ کے کنارے پر مشہور شہر نینوا تھا، ۶۰۷ سنہ قبل مسیح میں میڈیا والوں نے اس کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں ملا لیا، سلطنت بابلی کا آغاز ۲۲۰۰ سنہ (قبل مسیح) میں ہوا، شہر بابل جو اس کا پایہ تخت تھا دریائے فرات کے کنارے پر (بغداد سے تقریباً ساٹھ میل جنوب کی طرف) آباد تھا۔ اس کے کھنڈرات اب زمین میں سے کھود کر نکالے گئے ہیں، ۵۳۹ سنہ قبل مسیح میں کوروشِ بزرگ (شاہِ فارس) نے سلطنت بابل کو فتح کر لیا، سلطنت عیلام (Elam) کا زمانہ بھی تقریباً وہی ہے جو بابل کا ہے، عیلام کا پایہ تخت شوش (Susa) تھا جس کے کھنڈرات اب اہل فرانس نے برآمد کئے ہیں، اس شہر کے نام پر اس سلطنت کو (Susiana) (خوزستان بھی کہتے ہیں، شہر شوش کو ۶۴۵ سنہ قبل مسیح میں آسور بانیپال (بادشاہ آسور) نے فتح کر کے سلطنت عیلامی کا خاتمہ کر دیا (مترجم) [4] میڈیا (Media) کی سلطنت مغربی ایران میں ۷۰۰ سنہ قبل مسیح میں وجود میں آئی، اس کا پایہ تخت شہر اکبتانا تھا جس کو اب ہمدان کہتے ہیں، ۵۵۰ سنہ قبل مسیح میں کوروشِ بزرگ نے میڈیا کو فتح کر لیا؛ (مترجم) [5] شاہ کوروش بزرگ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، وہ دولتِ ہخامنشی کا بانی ہے، اس کا عہد سلطنت ۵۵۰ سنہ ق م سے ۵۲۹ سنہ ق۔م تک رہا، داریوش اوّل جس کو داریوش بزرگ بھی کہتے ہیں خاندان ہخامنشی کا تیسرا تاجدار ہے اس کا عہد حکومت ۵۲۱ سنہ ق م سے ۴۸۵ سنہ ق م تک تھا، (مترجم) [6] سلطنت ہخامنشی کا پایہ تخت صوبۂ فارس میں شہر پرسی پولس (تخت جمشید) تھا جس کے کھنڈرات شیراز سے تقریباً چالیس میل شمال کی جانب واقع ہیں، نقشِ رستم انھی کھنڈرات کے قریب ہے، (مترجم)،

گھر، خاندان، قبیلہ اور قوم کو نمایاں کرنا ہے[۱]،

عہد ہخامنشی میں فارس میں سات ممتاز خاندان تھے جن کے خاص حقوق تھے، ان میں سے ایک شاہی خاندان تھا، مؤرّخ ہیروڈوٹس[۲] نے غلط سمجھا ہے کہ یہ امتیازی حقوق ان کو اس بات کے معاوضے میں دئیے گئے تھے کہ وہ نقلی بردیا یعنی گوماتا[۳] کے قتل کرنے میں شریک ہوئے تھے،

نجبا کے ان خاندانوں کے علاوہ (جن کی بزرگی نسبی تھی) سلطنت ہخامنشی میں ماتحت حکمرانوں کا ایک سلسلہ موجود تھا، مثلاً ایشیائے کوچک میں فرمانرواؤں کے بعض قدیم خاندان حکومت کرتے تھے جو شہنشاہ کے ماتحت تھے اور جن پر مؤثّر طریقے سے نگرانی کا کام گورنروں کے سپرد تھا، لیکن ان کے علاوہ شہنشاہ اس طرح کے نئے حکمران بھی پیدا کرتا رہتا تھا، وہ یوں کہ بعض لوگوں کو وہ سلطنت کے خاص علاقے موروثی جاگیر کے طور پر عطا کر دیتا تھا جس کی وجہ سے ان کو امتیازی حقوق حاصل ہو جاتے تھے، ان بڑے خاندانوں کا اقتدار اپنے اصلی وطن یعنی فارس[۴]

---

[۱] دیکھو مقالۂ آنڈریاس (Andreas) در روئداد اجلاس سیزدہم کانفرنس مستشرقین بین المللی (ص ۹۶)،

[۲] (Herodotus)، مشہور یونانی مؤرّخ ہے (سنہ ۴۸۴ - ۴۲۴ ق م)، اس کی تاریخ میں (جس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے) بیشتر ایرانیوں اور یونانیوں کی لڑائیوں کا حال ہے، (مترجم)،

[۳] بردیا اصل میں شاہ کُورُش بزرگ کے بیٹے کا نام تھا لیکن سنہ ۵۲۹ ق م میں کُورُش کے مرنے کے بعد اس کا دوسرا بیٹا کمبوجیہ تخت پر بیٹھا، اس نے اپنے بھائی بردیا کو اس خوف سے کہ کہیں وہ سلطنت کا دعوی نہ کرے خفیہ طور پر مروا دیا، سنہ ۵۲۶ ق م میں کمبوجیہ مصر کی مہم پر چلا گیا اور چار پانچ برس اپنے پایۂ تخت سے غیر حاضر رہا، اس اثنا میں ایک شخص مسمّی گوماتا نے جو محلّات شاہی کا داروغہ تھا اور شکل و صورت میں بردیا سے مشابہت رکھتا تھا اس بات کا دعوی کیا کہ میں بردیا ہوں اور تخت سلطنت کا وارث ہوں، چونکہ لوگوں کو بردیا کے مارے جانے کا حال معلوم نہ تھا اس لئے سب نے اُس کو بادشاہ تسلیم کر لیا، کمبوجیہ کو مصر میں جب اس بغاوت کی اطلاع ملی تو وہ فوراً وہاں سے چل پڑا لیکن شام میں پہنچ کر مر گیا، اس کے بعد داریوش اوّل کو وہیں (شام میں) کمبوجیہ کا جانشین تسلیم کیا گیا، اس نے پایۂ تخت واپس پہنچ کر چھ امیروں کی مدد سے جن پر گوماتا یا نقلی بردیا کا راز فاش ہو گیا تھا اس کو قتل کیا اور خود بادشاہ بنا، (مترجم)،

[۴] فارس ایران کے جنوب میں مشہور صوبہ ہے، یہاں فارس کو اصلی وطن اس لئے کہا گیا ہے کہ شاہانِ ہخامنشی اپنے عروج سے پہلے یہیں کے رہنے والے تھے اور صوبۂ فارس ان کی ریاست میں تھا، (مترجم)

کے محض کسی چھوٹے سے گاؤں (وِیس) کی ملکیت کی وجہ سے نہیں ہوتا تھا بلکہ سلطنت کے دوسرے حصّوں میں بھی ان کی بڑی بڑی جاگیریں ہوتی تھیں، وہ لوگ بھی جو ان بڑے خاندانوں میں سے کسی سے تعلق نہیں رکھتے تھے خواہ وہ فارس کے ہوں یا میڈیا کے یا بالکل اجنبی ہوں (جیسا کہ یونان کے جلاوطن جو ایران میں آنکلتے تھے) شہنشاہ کے دستِ کرم سے جاگیریں حاصل کرنے کے اہل سمجھے جاتے تھے، گورنروں کے ساتھ ان حکمرانوں کے روابط واضح نہیں ہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ امتیازی حقوق جو انھیں حاصل ہوتے تھے وہ خاصے معقول ہوتے تھے، بعض وقت غالباً انھیں ٹیکس کی معافی بھی مل جاتی تھی یعنی یہ کہ جو لگان وہ رعایا سے وصول کریں اس کو (شاہی خزانے میں بھجوانے کی بجائے) اپنی جیب میں ڈال لیں[1]،

یہ تھی ایران میں نظامِ منصب اراضی[2] کی ابتدا، لیکن ہخامنشیوں کے زمانے میں ابھی اس کو چنداں ترقی نہیں دی گئی تھی، سکندر اور (اس کے بعد) سلوکیوں[3] نے جو شاہانِ ہخامنشی کی سیاست کے وارث تھے داریوشِ بزرگ کے قوانین کی اصولی باتوں کو برقرار رکھا،

عہد ہخامنشی کی سیاسی روایات سلوکیوں کے بعد بھی قائم رہیں جبکہ اشکانیوں نے قبیلہ داہہ[4] کی اعانت سے جو خود ان کی طرح شمالی ایران کے باشندے تھے یہ

---

[1] دیکھو اڈورڈ مائر (Ed. Meyer) کی کتاب "تاریخ عہد قدیم" ج ۳ ص ۶۱-۶۲ نیز کرسٹن سین کا مقالہ بعنوان "ایرانیان" در کتاب (Handbuch der Altertumswissenschaft, III.I.3 ص ۲۶۸ بعد؛

[2] feudalism.

[3] Seleucids: اس خاندان کا بانی سلوکس (سکندر کا جرنیل) تھا جس نے سکندر کے بعد اس کی سلطنت کے بڑے حصّے پر قبضہ کر لیا جس میں ایران اور سارا مغربی ایشیا شامل تھا، سلوکی خاندان ۳۱۲ ق.م سے ۱۷۵ ق.م تک ایران پر حکومت کرتا رہا، (مترجم)

[4] قبیلہ داہہ (Daha) ایک خانہ بدوش وحشی قبیلہ تھا جس کا مسکن بحرِ خزر کے مشرق کی طرف تھا، لفظ داہہ کے معنی "راہزن" کے ہیں، (مترجم)،

پارتھیا[1] پر قبضہ جمایا اور اپنی اس فتح سے ایک نئی ایرانی سلطنت پیدا کی، اشکانیوں نے خاندان ہخامنشی کے اصولِ مملکت داری کو ترک نہیں کیا لیکن با ایں ہمہ اس پارتھی سلطنت سے ایک خاص بات یہ پیدا ہوگئی کہ سیاسی اقتدار ایران کے مغرب سے شمال کی جانب کو منتقل ہوگیا جہاں ایرانی صفات زیادہ خالص حالت میں محفوظ رہ سکیں، بنا بریں دولت اشکانی باوجود اس کے کہ اس پر یونانی رنگ چڑھ گیا تھا اپنی ایرانیت میں دولتِ ہخامنشی سے زیادہ خالص تھی، تقریباً دو سو سال تک اشکانیوں نے صوبۂ پارتھیا میں شہر ہکاٹوم پیلوس[2] کو اپنا پایہ تخت رکھا لیکن ارتقاء تاریخی نے ان کو بعد میں دجلہ کے کنارے شہر طیسفون[3] میں منتقل ہونے پر مجبور کیا،

شمالی ایرانیوں کے غلبہ پا جانے کی وجہ سے قدیم خانوادگی طرز کی حکومت کو پھر فروغ ہؤا۔ نظامِ اجتماعی میں سلسلۂ نسب کی محافظت کا خیال زرتشتی جماعت کے لوگوں میں صدہا سال تک حتّٰی کہ ساسانی سلطنت کے مٹ جانے کے بعد بھی قائم رہا۔ پہلوی کتابوں میں[4] حکّامِ چہارگانہ کا ذکر اکثر ملتا ہے یعنی (۱) حاکمِ خانہ (۲) حاکمِ دیہ (۳) حاکمِ قبیلہ (۴) حاکمِ ولایت، مانوی کتابوں کے جو اجزا ترفان[5] میں دستیاب ہوئے ہیں ان میں بھی

---

[1] یہ صوبہ بحرِ خزر کا جنوب مشرقی علاقہ تھا، دیکھو اوپر ص ۶ ح [1]، (مترجم)،

[2] Hecatompylos. جس کے معنی یونانی زبان میں "شہر صد در" کے ہیں، یہ شہر صوبہ پارتھیا کے عین وسط میں واقع تھا اور کہا جاتا ہے کہ سکندر نے آباد کیا تھا، بعد میں سلوکس نے اس کی توسیع کی، (مترجم)

[3] دیکھو اوپر ص ۲ ح [2]؛ [4] پہلوی زبان ساسانیوں کے زمانے میں ایران کی مروّجہ زبان تھی، (مترجم)،

[5] مذہبِ مانوی کا پیغمبر مانی تھا جو فارسی ادبیات میں مصوّر کی حیثیت سے مشہور ہے، وہ سنہ ۲۱۶ء میں پیدا ہؤا اور سنہ ۲۷۳ء میں شاہ بہرام اوّل ساسانی کے حکم سے قتل کیا گیا، شاپور اوّل (سنہ ۲۴۱ء تا ۲۷۱ء) نے اس کو ایران سے جلا وطن کر دیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ برسوں چین اور ہندوستان کی سیاحت کرتا رہا اور شاپور کے مرنے کے بعد ایران واپس آیا۔ چینی ترکستان میں تُرفان ایک شہر ہے جہاں اب سے چند سال پہلے مانوی مذہب کی کتابوں کے بہت سے پراگندہ اوراق دستیاب ہوئے تھے، یہ اوراق سریانی زبان کے خاص اُس رسم الخط میں لکھے ہوئے ہیں جس کا موجد خود مانی تھا، چونکہ یہ رسم الخط نہایت خوبصورت اور نظر فریب تھا لہذا مانی کی شہرت بحیثیت ایک نقّاش یا مصوّر کے قائم ہوگئی، (مترجم)،

یہی قدیم طبقہ بندی دیکھنے میں آتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہاں وہ عالم ملکوت کے بارے میں بیان ہوئی ہے، لیکن حقیقت میں ان حکاّم چہارگانہ میں سے دو آخری اور برترین حاکم (یعنی حاکمِ قبیلہ اور حاکمِ ولایت) بہت مدّت ہوئی کہ ناپید ہو گئے اور ان کے فرائض کو حکومتِ ملکی نے اپنے ذمّے لے لیا، نہایت قدیم زمانے سے حاکمِ قبیلہ اور حاکمِ ولایت نظامِ حکومت کے ضروری عنصر تھے لیکن ان کے اختیارات غیر معیّن اور تغیّر پذیر تھے اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ ان کا زور مقامی حکومت کے مقابلے میں چل سکے جو رؤسائے طوائف[1] کے ہاتھوں میں ہوتی تھی، سلطنت کے وجود میں آنے پر حاکم ولایت کی جگہ تو خود شہنشاہ نے لے لی چنانچہ شاہانِ ہخامنشی کتبوں میں اپنے آپ کو "کھشایَتِیّا دَہْیُو نام" (یعنی شاہِ ولایات) لکھتے ہیں اور سردارانِ قبائل کے جانشین بادشاہ کے نائب یعنی گورنر ہو گئے، بعینہٖ یہی صورتِ حالات اشکانیوں کے زمانے میں بھی قائم رہی کیونکہ شاہانِ ہخامنشی کا نظامِ حکومت اس بارے میں اس درجہ مستحکم تھا کہ کوئی انقلاب اس کو متزلزل نہیں کر سکتا تھا، لیکن برخلاف اس کے نظامِ خانوادگی کے دو ادنےٰ مراتب یعنی حاکمِ خانہ (مان بَد) اور حاکمِ دیہ (وِیس بَد) زیادہ محکم ہونے کی وجہ سے اپنی جگہ پر برقرار رہے، خود شاہانِ اشکانی اور وہ لوگ جو شروع سے ان کی رفاقت میں تھے اور جو آگے چل کر سلطنت پارتھیا کے چشم و چراغ بنے ابتدا میں رؤسائے طوائف ہی تھے جیسا کہ اس سے پیشتر دارئیوش اور اس کے رفقا تھے، ہم اس بات کو پھر دہراتے ہیں کہ رؤسائے طوائف اس نظامِ امارت کی برترین جماعت تھی جن کے اقتدار کی بنیاد موروثی جاگیروں پر تھی، اس بنا پر جونہی کہ سلطنتِ پارتھیا وجود میں آئی جاگیرداری (یا منصبداری) کا دستور بڑے شدّ و مد کے ساتھ جاری ہوا،

[1] clans.

اس عہد میں جو گھرانے برترین رتبے کے تھے (غالباً عہدِ ہخامنشی کی روایت کے اثر میں) تعداد میں سات تھے[۱] جن میں سے دو (شاہی گھرانے کو چھوڑ کر) بہت بااقتدار تھے، ایک تو سُورین کا خاندان جسے بادشاہ کو تاج پہنانے کا موروثی حق حاصل تھا اور دوسرے قارین[۲] کا خاندان، ان گھرانوں میں جو لوگ حکّام دیہ (ویس بذ) تھے وہی حکومت کا مرکزِ ثقل تھے اور انہی میں وہ بڑے بڑے باجگزار حاکم تھے جو اپنی رعایا میں سے بغرضِ جنگ سپاہی بھرتی کرتے تھے خواہ وہ جنگ بادشاہ کی حمایت میں ہوتی تھی (جو اُن کا حاکمِ اعلیٰ تھا) یا اُس کے خلاف، کراسوس[۳] کے مقابلے پر سورین جو دس ہزار فوج لے کر نکلا تھا وہ (بقول پلوٹارک) سب اس کے "غلام" تھے[۴]، اس سے بلاشبہ یہ پایا جاتا ہے کہ رعایا یا کسان جن کے ذمّے فوجی خدمت ہوتی تھی وہ ان طاقتور سرداروں کے قبضے میں ایک طرح کی غلامی میں آن گرے تھے، لیکن ان باجگزار حاکموں اور کسانوں کے بین بین ایک اور جماعت تھی جس کے افراد چھوٹی چھوٹی جاگیروں کے مالک تھے یعنی کمتر درجے کے منصبدار یا نائٹ[۵]، اور غالباً یہی جماعت تھی جو "مان بذ" کہلاتے تھے، اس صورتِ حالات میں اور یورپ کے ازمنۂ متوسطہ کی فیوڈل[۶] حکومت میں ایک ایسی مشابہت ہے

---

[۱] بقول مؤرّخ یونیپیوس (Eunapius) اشک (بانیٔ سلسلۂ اشکانیان) کو سات آدمیوں نے تخت پر بٹھایا تھا (ص ۲۲۲) [۲] جس سورین نے کراسوس (رومی سپہ سالار) کو شکست دی تھی وہ تاریخ میں بہت مشہور ہے (یہ واقعہ ۵۳ق-م کا ہے، مترجم)، اسی نام کے ایک اور بڑے سردار کا ذکر مؤرّخ ٹاسیٹوس (Tacitus) نے ۳۲ء کے واقعات میں کیا ہے (تاریخ ج ۶ ص ۴۲) ایک قارین کا ذکر اسی مؤرّخ نے ۴۹ء کے واقعات میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ گودرز اور مہرداد کے درمیان لڑائیوں میں اس کی شخصیت بہت اہم تھی (تاریخ، ج ۱۲، ص ۱۲ و بعدہٗ) [۳] Crassus مشہور رومی سپہ سالار ہے، ۵۳ق-م میں اس نے سکندر کی تقلید میں ایران کو فتح کرنا چاہا لیکن ایرانی سپہ سالار سورین نے اس کو حرّان کے مقام پر شکست فاش دی اور وہ مارا گیا (مترجم)، [۴] پلوٹارک، احوال کراسوس۔ [۵] مؤرّخ جسٹن (Justin) لکھتا ہے کہ رومی سپہ سالار انٹونی (Antony) کے مقابلے کے لیے پارتھیوں نے پندرہ ہزار کا لشکر جمع کیا تھا جس میں سے صرف چار سو آدمی آزاد تھے (باقی غلام) (تاریخ جسٹن، کتاب ۴۱، ص ۲) - مصنّف، یہ وہی انٹونی ہے جو شکسپیر کے مشہور ڈرامے (Antony and Cleopatra) کا ہیرو ہے، ۳۶ق-م میں اس نے پارتھیا پر چڑھائی کی لیکن لاتعداد لشکر اور سخت کوششوں کے باوجود اس کو بہت نقصان اٹھا کر واپس ہونا پڑا، (مترجم)، [۶] feudal.

جس نے مؤرّخین کی توجّہ کو اپنی طرف کھینچا ہے ،

یورپین فیوڈلزم[1] کی طرح پارتھیوں کے ہاں بھی یہ بات پائی جاتی تھی کہ باجگزار حاکموں اور ان کی رعایا کے درمیان رشتہ زیادہ محکم تھا بہ نسبت اُس رشتے کے جو باجگزار حاکموں اور بادشاہ کے درمیان تھا جو ان کا برترین حاکم تھا ، عہدۂ شاہی کُلّی طور پر کبھی نظامِ جاگیرداری کے تابع نہیں ہُوا ، وہ ہمیشہ خاندان اشکانی کے ساتھ وابستہ رہا لیکن اس طرح پر کہ یہ ضرور نہ تھا کہ باپ کے بعد بیٹا جانشین ہو ، اکابر اس بات کا فیصلہ کرتے تھے کہ کس کو بادشاہ ہونا چاہیے اور اگر وہ باہم متّفق نہ ہوں تو مختلف پارٹیاں اشکانی شہزادوں میں سے اپنا اپنا آدمی منتخب کر کے اس کو بادشاہ بنانے کے لیے باہم جنگ کرتی تھیں ،

ہمیں یہ ٹھیک طور سے معلوم نہیں کہ کسی صوبے کی شاہی حکومت اور وہاں کی جاگیرداروں کے درمیان کس قسم کا رابطہ ہوتا تھا ، صرف یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ حکّام باجگزار اکثر انھی صوبوں کے گورنر مقرّر کیے جاتے تھے جہاں اُن کی جاگیر کا بیشتر حصّہ واقع ہوتا تھا[2] ، بہرحال صوبوں کی گورنریاں خاندانِ شاہی اور باقی چھ ممتاز خاندانوں کے ممبروں کے لیے مخصوص ہوتی تھیں ، عہدِ اشکانی میں اکثر صوبہ داریاں اپنی وسعتِ قلمرو کے لحاظ سے قدیم (ہخامنشی) صوبوں سے کمتر ہوتی تھیں لیکن یہ صوبہ دار اپنے اختیارات میں اُن قدیم گورنروں سے زیادہ آزاد تھے ، شاہی خاندان کے جو ممبر گورنر مقرّر ہوتے تھے وہ "شاہ" کا لقب اختیار کرتے تھے اور ایران میں ہمیشہ سے یہی قاعدہ رہا ہے ، لیکن ایسا معلوم

---

[1] feudalism [2] غالباً یہ محض اتفاقی امر نہیں تھا کہ وہ صوبہ جو اشکانیوں کی قوت کا اوّلین مرکز تھا (یعنی صوبۂ پارتھیا) ان کے زمانے میں بہ نسبت سلطنت کے کسی اور علاقے کے زیادہ حصّوں میں منقسم تھا ، بقول مؤرّخ ایسی ڈور (Isidore) وہ چھ حکومتوں میں منقسم تھا جن میں سے ایک ہرکانیا (گرگان) تھی جو غالباً گیو کی موروثی ریاست تھی ، اس کی اولاد میں ایک شخص گودرز کی تخت نشینی کا ذکر کیا گیا ہے ، یہ گیو یقیناً سلطنت کے اوّلین خاندانوں میں سے کسی خاندان کا ممبر تھا ،

ہوتا ہے کہ اشکانیوں کے وقت میں اٹھارہ صوبوں کی گورنریاں سب کی سب "بادشاہیاں" کہلاتی تھیں[1]، لہذا سکندر اور ساسانیوں کے درمیانی زمانے کو جو عرب مؤرخ "ملوک الطوائف" کا زمانہ کہتے ہیں اس کو ہم بالکل غلط نہیں کہہ سکتے، یہ اصطلاح پہلوی "کذَگ خوَذای[2]" کا ترجمہ ہے جس کے معنی "رئیس خانہ" یا "والی" کے ہیں،

سیاسی اقتدار جو حکّامِ باجگزار کو حاصل تھا اس کا اظہار وہ مجلسِ امرا کی کونسل میں کرتے تھے جس نے بادشاہ کی قوّت کو محدود کر دیا تھا، مؤرّخ جسٹن[3] اس مجلس کو سینیٹ[4] کے نام سے یاد کرتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ سردارانِ سپاہ اور گورنر اس کے ممبروں میں سے منتخب کئے جاتے تھے[5] جس سے پتہ چلتا ہے کہ گورنریاں موروثی نہیں ہوتی تھیں؛ سینیٹ کے ممبر اپنے تئیں شہنشاہ کے رشتہ دار کہتے تھے، یہ مجلسِ شوریٰ شاہی گھرانے کے شہزادوں اور باقی چھ ممتاز خاندانوں کے رؤسا پر مشتمل تھی کیونکہ پارتھی زمانے کے سردارانِ سپاہ میں سے اکثر کو ہم سورین یا قارِن کے نام سے موسوم پاتے ہیں، ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ دو خاندان نسب کے لحاظ سے اپنے آپ کو شاہی گھرانے کے ہمدوش خیال کرتے تھے، سینیٹ کے علاوہ ہم کو ایک اور مجلسِ شوریٰ کا ذکر بھی بعض جگہ ملتا ہے[6] جو سلطنت کے انتظام میں حصّہ لیتی تھی، وہ مجلسِ "دانشمندان و مُغاں" تھی جس سے شاہانِ اشکانی حکومت کے کاموں میں مشورہ لیتے تھے اور جو بعض اہم امور میں شرعی فتویٰ دینے کا اختیار رکھتی تھی[7]،

---

[1] پلینی (Pliny) "تاریخ طبیعی" (کتاب ۶، صفحہ ۲۶)،

[2] یہ الفاظ "ایرانی بُندہِشن" (طبع انکلساریا، ص ۲۱۴، س ۱۳) اور "کارنامگ" میں ملتے ہیں، دیکھو بارتھولمی "محاورات پہلوی" ج ۳، ص ۳۵، [3] کتاب ۴۲: ۴، ۱، [4] Senate

[5] سٹریبو (Strabo) کتاب ۱۱، فصل ۹، جسٹن، کتاب ۴۱: ۲، ۲، [6] سٹریبو مقام مذکور،

[7] سٹریبو لکھتا ہے کہ بادشاہ کا انتخاب ہمیشہ ان دونو مجلسوں میں عمل میں آتا تھا، ہمارے خیال میں اس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت انتخاب سینیٹ میں ہوتا تھا اور بعد میں "مجلسِ دانشمندان و مغاں" میں اس کی باضابطہ تائید ہوتی تھی،

لیکن بظاہر اس مجلس کا اثر کچھ ایسا زیادہ نہ تھا اور کہیں ہمارے سُننے میں نہیں آیا کہ مجلسِ "دانشمندان و مغاں" کو سلطنت پارتھیا کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں کبھی دخل ہُوا ہو، اس جماعت کو بجز مشورہ دینے کے اور کوئی اختیار نہ تھا، برخلاف اس کے سینیٹ انتظامِ سلطنت میں ایک حقیقی طاقت تھی،

رؤسا کی اس قلیل تعداد نے جس کا مرکز سینیٹ تھا بڑے بڑے عہدے پانے کا حق اپنے لیے خاص کر رکھا تھا جن سے ہماری مراد دربار کے باعزّت منصب اور انتظامِ امورِ عامّہ کے ممتاز مشاغل ہیں، اس طرح پر رؤسائے جاگیردار ساتھ ہی ساتھ رؤسائے دربار بھی اور رؤسائے نظمِ امور بھی تھے، سلطنت پارتھی کے سیاسی اداروں کے متعلّق جو قلیل اطلّاعات ہم کو یونانی اور لاطینی مؤرّخوں نے دی ہیں ان کی کمی کو ارمنی تاریخ نویسوں اور وقائع نگاروں کے اُن بیانات نے پُورا کیا ہے جو اُنھوں نے خود اپنے ملک کے نظامِ حکومت کے متعلّق دیے ہیں، چونکہ ۶۶ء سے آرمینیہ پر خاندان اشکانی کی ایک شاخ متسلّط ہو گئی تھی لہذا نئے سرے سے اس کی حکومت کی تشکیل پارتھی نمونے پر کی گئی، موسٰی خورینی[1] نے اس تغیر ہیئت کا دلچسپ بیان لکھا ہے جو آرمینیہ کے سب سے پہلے اشکانی بادشاہ وال ارشک[2] کے ہاتھوں عمل میں آئی، اس بادشاہ نے سب سے پہلے شاہی گھرانے کی تنظیم کی، خاندان بگراتونی کے رئیس کو جو از روئے روایت یہودی الاصل

---

[1] نویں صدی عیسوی کا ارمنی مؤرّخ ہے اور "تاریخ آرمینیہ" کا مصنّف ہے، دیکھو آگے باب اوّل (مترجم)

[2] وال ارشک "وولاگاسس" (Volagases) کی ارمنی شکل ہے جس کے آخر میں ک بطور لاحقہ بڑھایا گیا ہے، دراصل آرمینیہ میں اشکانی خاندان کا بانی تیرداد تھا جو پارتھی بادشاہ وولاگاسس اوّل کا بھائی تھا اس کو قیصر روم نیرو (Nero) نے ۶۶ء میں بادشاہ تسلیم کیا تھا (دیکھو مارکوارٹ Z. D. M. G.، ج ۴۹ ص ۶۳۹)، موسی خورینی کی تاریخ کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں موسیو لانگلوا (Langlois) نے کیا ہے ("سلسلۂ مؤرّخین ارمنی" ج ۲، ص ۸۲ بعد)،

تھا خانوادۂ شاہی کی ریاست کا اعزاز بخشنا جس کے ساتھ بادشاہ کو تاج پہنانے کا موروثی حق شامل تھا[1]، اس کے علاوہ ایک اور عہدہ کہ وہ بھی موروثی تھا اس کو عطا ہوا یعنی رسالہ فوج کی سپہ سالاری جس کے فرائض منصبی میں یہ بھی تھا کہ دربار عام یا خلوت گاہ شاہی میں بادشاہ کا تاج اس کی تحویل میں رہے، یہ تاج ایک خاص وضع کا ہوتا تھا جس میں سونا یا جواہرات نہیں ہوتے تھے بلکہ صرف موتیوں کی تین لڑیوں کا بنا ہوتا تھا، اسی طرح ایک اور خاندان کے سردار نے بادشاہ کو جواہرات پہنانے کا عہدہ حاصل کیا، بادشاہ کا باڈی گارڈ بھی اسی طرح ایک خاص ممتاز قبیلے کے افراد پر مشتمل تھا، باقی عہدوں میں مختلف خاندان شریک تھے مثلاً میرِ شکار کا عہدہ، غلّے کے انباروں کا داروغہ، بازدار، داروغۂ محلاتِ ییلاقی، خوانسالار، حاجب، شرابدار، قربانیوں کا داروغہ اور میدانِ جنگ میں بادشاہ کے جلو میں عقاب لے کر چلنے کا عہدہ وغیرہ، غالباً ان میں سے ہر خاندان اس عہد سے پہلے برترین رتبے کا نہ تھا کیونکہ موسیٰ خورینی واضح طور پر کہتا ہے کہ جس خاندان کو شرابداری کا عہدہ ملا اس کو ترقی دے کر مقام گورنری (نخزار)[2] تک پہنچایا گیا اور جو محلاتِ ییلاقی شاہی کا محافظ تھا اس کو سلسلۂ نجبار میں منسلک کر کے افرادِ خانوادۂ شاہی کے ہم رتبہ بنایا گیا،

غرض اس طرح اپنے دربار کو ترتیب دینے کے بعد وال ارشاک نے اپنے امرا کو جاگیریں اور صوبہ داریاں عطا کیں، موسیٰ اور دوسرے ارمنی مؤرخوں کے ہاں لفظ "جاگیر" اور

---

[1] سلطنت پارتھیا میں یہ حق خاندانِ سورین کو حاصل تھا،

[2] یہ ایک ایرانی عہدے کی ارمنی شکل ہے جو ہم کو ایران میں دوبارہ بعہد ساسانی لفظ "نخوذار" میں ملتی ہے، ایک اور لقب جو اسی مادّے سے مشتق ہے بزبان شمال مغربی نخوارگ (یا نخویر) اور بزبان جنوب مغربی نخویرگ ہے، یونانی مؤرخوں کے ہاں اس کی مختلف شکلیں ہیں (دیکھو بین ونشت (Benveniste) در تبصرۂ مطالعات ارمنی" ج ۹، ص ۶-۷)،

"صوبہ داری" کے استعمال میں نمایاں اشتباہ ہے، مثلاً موسیٰ نے بیان کیا ہے کہ وال ارشک نے ایک امیر مسمّیٰ جبل (داروغۂ انبار ہائے غلّہ) اور ایک اور امیر مسمّیٰ ہابیل کو گاؤں عطا کئے جو انھی کے نام پر موسوم تھے اور پھر کہتا ہے کہ ان گاؤں میں جبلیوں اور ہابیلیوں کی "حکومت" (نخزاروتیون) ہے[1]، بلاشبہ یہاں لفظ "حکومت" کو جاگیر کے معنوں میں لینا چاہیئے، اُن جاگیروں کو شمار کرتے ہوئے جو وال ارشک نے امرا میں تقسیم کیں موسیٰ لکھتا ہے کہ گوچر خاندان کے لوگ شمالی ضلع کے حاکم (بدشخ) بنائے گئے لیکن یہاں وہ اس حکومت کو جاگیر (نہاپتوتیون)[2] کے لفظ سے تعبیر کر رہا ہے۔ اِس قسم کے اشتباہات کی اور مثالیں بآسانی دی جاسکتی ہیں جس کی توجیہہ صرف یوں کی جاسکتی ہے کہ آرمینیہ میں (کم از کم بعض حالتوں میں) گورنریاں موروثی تھیں اور لہٰذا وہ بمنزلہ ریاستوں یا جاگیروں کے بن گئیں، اس لحاظ سے ایران کی نسبت آرمینیہ اپنے منازلِ ارتقا میں زیادہ آگے بڑھ چکا تھا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدشخ (حاکم ضلع یا مرزبان) اُن حکّامِ چہارگانہ کو کہتے تھے جو جہاتِ اربعہ (شمال، مغرب، جنوب، مشرق) میں محافظ سرحد تھے[3]، اس فرض منصبی کے ساتھ وہ بڑی بڑی جاگیریں بھی ان کو دے دی جاتی تھیں جو ان کے علاقے میں ہوتی تھیں، مثلاً موسیٰ کے بیان کے مطابق ثرشن جو خاندان سنسر سے تھا اور جنوب مغربی سرحد کا "بدشخ" تھا جاگیر کے طور پر ضلع ارزن اور اس کے مضافات، کوہستان توروس اور

[1] لانگلوا، ج ۲، ص ۸۳، [2] نہاپت اور نخزار دو مختلف عہدے تھے (ایضاً، ص ۸۴) بمن ونشت مقام مذکور، ص ۷، [3] آرمینیہ کے بدشخوں کے متعلق دیکھو مارکوارٹ: "ایرانشہر" ج ۱، ص ۱۶۵ببعد۔ مارکوارٹ کی رائے ہے کہ جہاتِ اربعہ کے بدشخوں کا عہدہ آرمینیہ میں سب سے پہلے تیگرانِ بزرگ نے قائم کیا، (تیگران کا عہد سلطنت سنہ ۹۶ ق. م سے سنہ ۵۶ ق. م تک تھا ۔ مترجم)

کوئلی سیریا[1] کا سارا علاقہ اپنے قبضے میں رکھتا تھا، اس بات کا ثبوت کہ بذخش کا عہدہ آرمینیہ والوں نے پارتھیا سے لیا یہ ہے کہ ساسانیوں کے زمانے میں وہ بشکل "بِذَخش" موجود ہے[2]، اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ اصل میں ایرانی عہدہ تھا، اس کے علاوہ ایران میں سرحد کے علاقوں کو چار مرزبانوں میں تقسیم کرنے کا ہمیشہ دستور رہا ہے[3]،

امور سلطنت اور دربار کے متعلق بہت سے اور انتظامات بھی وال ارشک کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، سرحدوں کی حفاظت کے لیے جو فوج تھی اُس کو اُس نے مختلف دستوں میں تقسیم کیا، (بڑی بڑی لڑائیوں کے لیے جو فوج جاتی تھی اس کے لیے سپاہی منصبداروں کے ہاں بھرتی ہوتے تھے)، اس کے علاوہ اس نے حاضری دربار، مشاورت اور تفریح کے لیے اوقات معیّن کر دیے اور دو مشیر مقرر کیے جن میں سے ایک کا فرض یہ تھا کہ بادشاہ کو بذریعہ تحریر کارِ خیر کی تاکید کرتا رہے اور دوسرا سزا و انتقام کی یاددہانی کرے، پہلے کو یہ بھی حکم تھا کہ وہ بادشاہ کو بحالتِ غضب کوئی ناواجب حکم صادر کرنے سے روکے اور اس کو انصاف اور رفاہ عام کے کاموں کی ترغیب دلاتا رہے[4]، اُس نے شہروں اور دیہاتوں میں حُکّامِ عدالت مقرر کیے، اہلِ شہر کو اس نے رتبے کے لحاظ سے دیہاتیوں پر فائق رکھا اور دیہاتیوں کو تاکید کی کہ اہلِ شہر کو برتر سمجھ کر ان کی تعظیم کریں، لیکن ساتھ ہی شہریوں کو حکم تھا کہ وہ دیہاتیوں سے تکبّر کے ساتھ پیش نہ آئیں وغیرہ وغیرہ، یقیناً ان سب باتوں میں ایرانی قوانین کا پرتو نظر آرہا ہے،

---

[1] کوہستان توروس (Taurus) ایشیائے کوچک کے جنوبی حصّے میں واقع ہے، کوئلی سیریا (Coele-Syria) شام کا وہ علاقہ ہے جو نشیب میں واقع ہے اور دمشق کے شمال میں ہے (مترجم)، [2] کتبۂ پای کُلی (طبع ہرتسفلڈ) ص ۱۵۵-۱۵۶، [3] دیکھو آگے باب دوم، [4] مقابلہ کرو نہایت الارب (براؤن، رسالہ انجمن آسیائی J. R. A. S. سنہ ۱۹۰۰ء، ص ۲۳۲) جہاں یہ کہا گیا ہے کہ شاہ ساسانی خسرو اول (انوشیروان) نے اپنے وزیروں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ جب کبھی وہ کوئی نامنصفانہ فیصلہ صادر کرے تو مداخلت کر کے اس کو روک دیں،

مؤرخ فاؤسٹوس[1] (بازنطینی) نے کیفیت بیان کی ہے کہ کس طرح شاہ ارشک (والی آرمینیہ) نے چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں بدامنی کا ایک عرصہ گزرنے کے بعد اپنی مملکت کو دوبارہ منظم کیا، وہ بعض حکامِ سرحد کے نام بتلاتا ہے اور لکھتا ہے کہ خاندان گنونی[2] کو (جس کو وال ارشک نے شرابداری کے ساتھ حکامِ ولایات کے عہدوں تک ترقیاں دیں) اب انتظامِ امورِ سلطنت میں برترین اختیارات کا حامل بنایا گیا ہے اور محکمۂ فوج اور اس کے تمام متعلقات کو خاندان مامیکون[3] کے سپرد کیا گیا ہے، ان دو خاندانوں کے ممبر نیز وہ امرا جن کے خاندان رتبے میں ان کے بعد تھے حکام ولایات (گورنر) کے القاب سے سرفراز ہو کر اس بات کا حق حاصل کر لیتے تھے کہ بادشاہ کے حضور میں تکیے لگا کر بیٹھیں اور اپنی سرفرازی کا نشان اپنے سر پر لگائیں، ان کے علاوہ ممتاز گھرانوں کے رؤسا ایسے بھی تھے جن کو (حکام ولایات ہونے کی حیثیت سے) محلِ شاہی میں بھی بار مل سکتا تھا اور بادشاہ کے ساتھ کھانے میں بھی شریک ہوتے تھے، دسترخوانِ شاہی کے مہمانوں میں سے نو سو ۹۰۰ کرسیوں پر فقط یہ امرا جلوہ گر ہوتے تھے

(ان تمام معلومات کو اور اسی نوعیت کی اور اطلاعات[4] کو جانچنے سے ہم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عہدہ اور منصب ہمیشہ ایک ہی خاندان کے ساتھ ایسے مستحکم طور پر وابستہ نہیں ہوتے تھے جیسا کہ جاگیر، اور یہ کہ جس بادشاہ کو قدرت کی طرف سے زبردست شخصیت عطا ہوتی تھی وہ طبقۂ امرا کو پورے طور سے اپنے قابو میں رکھ سکتا تھا، برعکس اس کے ایسی

---

[1] طبع لانگلوا، ج ۱، ص ۲۳۶، Faustus مشہور مؤرخ ہے اور چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں گزرا ہے، اس نے یونانی زبان میں آرمینیہ کی تاریخ لکھی ہے، (مترجم)، [2] Gnuni [3] Mamikon

[4] منجملہ اور مآخذ کے کچھ فہرستیں ہیں (جو بعد کے زمانے کی مرتب کی ہوئی ہیں)، ان میں ان امرا کے نام ترتیب وار لکھے گئے ہیں جو بادشاہ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھتے تھے، (حیات سینٹ نرسہ St. Nersch، لانگلوا، ج ۲، ص ۲۵)،

مثالیں بھی موجود ہیں کہ ایک صاحب منصب نے بستر مرگ پر خود اپنی مرضی سے اپنے تمام حقوق اور فرائض منصبی اپنے بیٹے کو سپرد کر دیے ہیں[1]، شاہزادوں اور گورنروں کی بغاوتیں آئے دن ہوتی رہتی تھیں لیکن کوئی شخص جو خود خاندان شاہی سے تعلّق نہ رکھتا ہو بادشاہ بن بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا[2]، بعض اوقات یہاں تک بھی نوبت آجاتی تھی کہ جب کوئی بادشاہ بہت زیادہ طاقتور ہوتا تھا تو وہ اُن امرا کے خاندانوں کی جو اس کی نگاہ میں خطرناک ہوتے تھے تکلیتہً بیخ کنی کر دیتا تھا[3] اور ممکن ہوتا تو ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھا کر اُن کی جاگیریں ضبط کر لیتا اور اُن کو جاگیر خالصہ میں شامل کر لیتا تھا[4]، امرا میں باہمی لڑائیاں بھی اکثر ہوتی رہتی تھیں، خواجہ سراؤں کے رئیس کو بعض وقت اتنا اقتدار حاصل ہو جاتا تھا کہ وہ اپنے ظلم و تعدّی سے حکّام ولایات اور امرا کے خاندانوں کو عاجز کر دیتا تھا[5]،

فاؤسٹوس بازنطینی[6] کی کتاب میں ایک مقام ایسا ہے جس سے اس تمام صورت حالات یعنی امرا کی پوزیشن پر روشنی پڑتی ہے جو ایک حیثیت سے متخدمین شاہی تھے اور ایک حیثیت سے کم و بیش حکّام خود مختار، اسی مقام سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کی طاقت کی بنیاد فوج پر تھی جس کا نظام اصولِ منصبداری پر مبنی تھا،

خسرو دوم شاہ آرمینیہ کو جب چوتھی صدی عیسوی کے وسط میں ایرانیوں کے خلاف شدید جنگ پیش آئی[7] تو اس نے امرا کے غدر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے

---

[1] جیسا کہ مانویل سپہ سالار نے کیا (فاؤسٹوس، طبع لانگلوا، ص ۳۰۵)

[2] سنتروک (Sanatruk) نے جو خاندان اشکانی سے تھا باغی ہو کر بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا لیکن اسی کے ساتھ جب بدرِشخ بزرگ موسوم بہ باکور باغی ہوا تو اس کو بادشاہ بن بیٹھنے کی جرأت نہیں ہوئی کیونکہ وہ شاہی خاندان سے نہ تھا، (موسٰی خورینی، طبع لانگلوا، ص ۱۳۵)، [3] ایضاً، ص ۱۴۸،

[4] فاؤسٹوس، ص ۲۱۷ (طبع لانگلوا)؛ [5] ایضاً، ص ۲۵۰، [6] ایضاً، ص ۲۱۷،

[7] یہ وال ارشک کی اصلاحات سے پہلے کا واقعہ ہے،

لیے (جس کا ایسی حالت میں ہو جانا کچھ بعید نہ تھا) ذیل کا فرمان نافذ کیا :- "آگاہ کیا جاتا ہے کہ اب سے آیندہ تمام امرا، حکّامِ ولایات، جاگیرداران و والیانِ صوبجات جن کے ماتحت ایک ہزار سے دس ہزار تک فوج ہو حکماً مجبور ہونگے کہ موکب شاہی میں شخصاً برابر حاضر رہیں، ان میں سے کسی کو اجازت نہیں کہ وہ لشکر شاہی میں رہے" اس تدبیر سے خسرو نے قدیم خاندانوں کے تمام رؤسا کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو شاہی لشکر میں لاکر شامل کر دیں، اس طریقے سے جو فوج جمع ہوئی اس کی کمان اس نے دو آزمودہ سپہ سالاروں کے ہاتھ میں دی کہ سر برآوردہ امرا میں سے انھی دو پر اس کو پورا بھروسہ تھا، خسرو کی کوشش دراصل یہ تھی کہ ایک ہی وار میں آرمینیہ میں نظامِ منصبداری کا خاتمہ کر دے لیکن جہاں تک پتہ چلتا ہے یہ فرمان بے نتیجہ رہا کیونکہ اس کی وفات سے پیشتر ہی واچہ نے (جو سالارِ کُل تھا اور اُن دو امیروں میں سے ایک تھا جن پر بادشاہ کو اعتماد تھا) تمام حکّام ولایات کو مع اُن کے لشکروں کے پھر یکجا کیا تاکہ اُن کو ساتھ لے کر ایرانیوں پر چڑھائی کرے[1]۔

اب ہم پھر سلطنت پارتھیا کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس کی جو تصویر لاطینی مؤرّخوں نے ہمارے روبرو کھینچی ہے وہ دولت آرمینیہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، اس کے نمایاں خط و خال میں ہم جس چیز کو دیکھتے ہیں وہ وہ کشمکش ہے جو بادشاہ کی قدرت اور امرا منصبدار کی طاقت کے درمیان (جو ساتھ ہی عمّالِ دولت بھی تھے) جاری رہتی تھی، عہد پارتھی کے ایک امیر کبیر کا کامل نمونہ سورین ہے جو کراسوس کا

---

[1] فاؤسٹوس، ص ۲۲۰،

حریف تھا[1]، پلوٹارک[2] ہمارے سامنے اس کی تصویر بدیں الفاظ کھینچتا ہے:-

"تموّل، نجابت اور شان و شوکت میں بادشاہ کے بعد اس کا اوّلین درجہ تھا، شجاعت اور لیاقت کے اعتبار سے وہ پارتھیوں میں برترین تھا، قامت اور جسمانی خوبصورتی میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا، جب وہ کسی مہم پر جاتا تھا تو اس کے ہمراہ ایک ہزار اونٹ ہوتے تھے جن پر اس کا اسباب لادا جاتا تھا؛ دو سو رتھوں میں اس کی خواصیں سوار ہوتی تھیں، ہزار زرہ پوش سوار اور اس سے کہیں زیادہ سپاہی ہلکے ہتھیاروں کے ساتھ (باڈی گارڈ کے طور پر) اس کے ہمرکاب ہوتے تھے، ان دس ہزار سواروں میں سے کچھ تو اس کی رعایا تھے اور کچھ اس کے غلام تھے، لڑائی کے دن وہ اپنی فوج کو ساتھ لئے بن سنور کر میدان میں نکلتا تھا، اس کی بہادری کی شہرت کو اس کے زنانہ بناؤ سنگار کے ساتھ کچھ موافقت نہ تھی کیونکہ اہل میڈیا کی وضع کے مطابق وہ چہرے پر غازہ ملتا تھا اور بالوں میں مانگ نکالتا تھا حالانکہ باقی تمام پارتھی سکیتھین[3] فیشن کے مطابق اپنے بال لمبے اور اُلجھے ہوئے رکھتے تھے تاکہ ان کی شکل مہیب نظر آئے[4]"، وہ اپنے حرم کو اپنے ساتھ رکھتا تھا اور میدان جنگ میں بھی عیش و عشرت کی راتیں بسر کرتا تھا جن میں میگساری، راگ رنگ اور عشق و محبّت کے مشغلوں سے اپنا جی بہلاتا تھا[5]،

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۲ ؛ [2] Plutarch مشہور یونانی تذکرہ نگار ہے جس کی کتاب (Plutarch's Lives) بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے (۴۸ سنہ ۶ - ۱۲۲ سنہ ۶) (مترجم)؛
[3] Scythian قبائل سکیتھین اصل میں شمالی ایشیا کے باشندے تھے لیکن ساتویں صدی قبل مسیح میں وہ بحر اسود کے نواح میں آ کر آباد ہو گئے تھے چنانچہ اس علاقے کا نام Scythia پڑ گیا؛ (مترجم)
[4] دیکھو پلوٹارک: کتاب مذکور، تذکرہ کراسوس (فصل ۲۱ تا ۲۴)، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل میڈیا کی نفاست پارتھیوں کے تمام طبقۂ اشراف میں رائج تھی؛ مثھردات (مہرداد) اوّل کے زمانے سے لے کر شاہان پارتھی کے سکوں پر بادشاہ کی تصویر میں سر اور ڈاڑھی کے بال چھلّے دار دکھائے گئے ہیں، اہل پارتھیا کے طرز زندگی کے متعلق دیکھو مؤرخ پلینی Pliny کتاب ۱۰ ص ۵۰، کتاب ۱۱، ص ۲۶، ۲۹، ۵۳، کتاب ۱۲ ص ۳، ۱۷، کتاب ۱۴، ص ۳، ۲۲، جسٹن، کتاب ۴۱، ص ۳، [5] پلوٹارک: تذکرہ کراسوس (کتاب ۳۲)؛

باوجود اس تمام طاقت وجبروت کے سورین بالآخر بادشاہ کے حسد کا شکار ہوگیا[1]،
کیونکہ عموماً یہی ہوتا تھا کہ جب کبھی امرا میں سے تنہا کسی ایک کو بادشاہ کے ساتھ مقابلہ
آن پڑتا تھا یا جب امرا میں باہمی نفاق ہوتا تھا تو غلبہ ہمیشہ بادشاہ ہی کو ہوتا تھا،
برعکس اس کے بہت دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ سربرآوردہ امرا نے اپنے اتحاد سے
بادشاہوں کو یکے بعد دیگرے تخت پر بٹھایا اور معزول کیا ہے، اگرچہ اشکانیوں کی بادشاہت
کو کبھی وہ قوت اور استحکام نصیب نہیں ہوا جو ہخامنشیوں کو حاصل تھا تاہم ان کی حکومت
کم از کم ظاہری صورت میں ہمیشہ ایک استبدادی حکومت رہی، بادشاہ کے اختیارات
کسی قانون کے ماتحت نہ تھے لہذا جب کبھی حالات موافق ہوتے اور اس کی پوزیشن مضبوط
ہوتی تو وہ ایک مشرقی فرماں روا کی سی کامل خودمختاری کے ساتھ حکومت کرتا تھا، لیکن بادشاہ
سب سے زیادہ اپنے خاندان کے لوگوں سے خائف رہتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ایرانیوں
میں نسبِ شاہی کا احترام جبلّی اور تقریباً داخلِ مذہب تھا لہذا امرا کو بادشاہ کے ساتھ
جنگ آزمائی کی جرأت صرف اسی صورت میں ہوتی تھی جب وہ خاندان اشکانی کے کسی
دعویدار کو اُس کے مقابلے پر اپنے ساتھ ملا لیتے تھے، اسی وجہ سے شاہانِ اشکانی بسا اوقات
اپنے خاندان کے لوگوں کا بے رحمی کے ساتھ قتل عام کرتے تھے لیکن یہ تدبیر اکثر بے سود ہوتی تھی
کیونکہ باغیوں کو بالعموم کوئی نہ کوئی اشکانی شاہزادہ مل ہی جاتا تھا جو قتلِ عام سے سلامت
رہ گیا ہو اور جو اپنے سہے ہوئے مظالم کا بدلہ لینے میں کامیاب ہو سکے،

---

[1] ۵۳ سنہ قبل مسیح میں جب سورین نے حرّان کی لڑائی میں رومیوں پر شاندار فتح حاصل کی تو بادشاہ (اُرُد اوّل) کو اس کی طاقت سے سخت اندیشہ لاحق ہُوا اور کسی حیلے سے اس کو مروا دیا، (مترجم)،

بادشاہ بالعموم لوگوں کے لئے ناقابلِ رسائی ہوتا تھا[1]، جاہ و جلال کے امتیازی حقوق جو اس کے لیے مخصوص تھے ان میں ایک یہ تھا کہ وہ اونچا تاج پہنتا تھا[2] اور زرّیں پلنگ پر سوتا تھا، یہ دو حقوق بطور استثنا شاہ اردوانِ سوم نے ایزات[3] حاکم ایڈیابین[4] کو اس بات کے معاوضے میں عطا کیے تھے کہ اس نے اُس کو تختِ شاہی کے دوبارہ حاصل کرنے میں مدد دی تھی[5]، بادشاہ کے لیے ایک تختِ زرّیں طیسفون کے شاہی محل میں بچھا رہتا تھا جو ۱۱۵ء میں ٹریجن قیصرِ روم کو ہاتھ لگا[6]، شکار کے لیے (جیسا کہ عہدِ ہخامنشی میں بھی تھا) بادشاہ کی مخصوص شکارگاہیں تھیں جن کو "فردوس" کہا جاتا تھا جہاں شیر، ریچھ اور چیتے پالے جاتے تھے[7]، مشرقی درباروں میں حرم کو جو اہمیت حاصل ہے اس کی وجہ سے خواجہ سراؤں کو بڑا اقتدار حاصل تھا اور امورِ سلطنت میں وہ اپنا خاصا اثر رکھتے تھے[8]، بادشاہ جب سفر میں ہوتا تھا تو اس کے ساتھ ایک کثیر تعداد باڈی گارڈ کے مسلّح سپاہیوں کی ہوتی تھی[9]، جیسا کہ ہخامنشیوں کے عہد میں دستور تھا اشکانیوں کے ہاں بھی رسم تھی کہ جو

---

[1] تاریخ ٹاسیٹوس (Tacitus)، کتاب دوم، ص ۲، ایک اطلاع جو چنداں قابلِ اعتماد نہیں ہے مؤرّخ فلاویوس فیلوسٹریٹوس (Flavius Philostratus) کی تاریخ (حصّۂ اوّل ص ۲۷) میں ملتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ "ہر اجنبی کو جو کسی بڑے شہر میں داخل ہوتا ہے بادشاہ کا ایک طلائی مجسمہ دیا جاتا ہے جس کی پرستش اس پر واجب ہوتی ہے، شہر سے یہاں بابل مراد ہے، [2] شاہانِ ہخامنشی بھی ایسا ہی تاج پہنتے تھے، بڑی بڑی تقریبوں پر شاہانِ پارتھی ہخامنشیوں کے دیوار دار تاج کی بجائے ایک ایسا تاج پہنتے تھے جس پر موتی جڑے ہوتے تھے جس کو مؤرّخ ہیروڈین (Herodian، کتاب ۶، ص ۲) "دوہرا تاج" کہتا ہے، (دیوار دار تاج سے مراد ایسا تاج ہے جس میں صرف دیوار ہو اور اوپر چھت یا چندوا نہ ہو — مترجم)، [3] Izate، [4] Adiabene، سلطنتِ آسور (Assyria) کے ایک صوبے کا نام تھا جو دریائے دجلہ کے مشرق کی طرف تھا، (مترجم)، [5] یہ واقعہ ۳۷ء کا ہے، اردوان سوم کا عہدِ سلطنت ۱۰ء سے ۴۰ء تک ہے (مترجم)، [6] ٹریجن (Trajan) نے ۱۱۵ء — ۱۱۶ء میں سلطنتِ پارتھیا پر چڑھائی کرکے شہر طیسفون کو فتح کر لیا تھا، لیکن بعض ملکی حالات سے مجبور ہو کر اس کو اس فتح سے دست بردار ہونا پڑا، (مترجم)، [7] فلاویوس (کتاب اوّل، ص ۳۸)، [8] ٹاسیٹوس، کتاب ۶، ص ۳۱، [9] فلاویوس کتاب اوّل، ص ۳۱،

شخص بادشاہ کے حضور میں پیش ہوتا تھا نذر کے لیے تحفے لاتا تھا[1]، سلطنت کا خزانہ اور بادشاہ کا ذاتی خزانہ ایک ہی چیز تھی اور ایران میں سدا سے ایسا ہی چلا آیا ہے، البتہ اب ہمارے زمانے میں مشروطیت کے نافذ ہونے سے صورت حالات بدل گئی ہے، ممالک مفتوحہ کا خراج شاہی خزانے میں داخل ہوتا تھا جہاں بے اندازہ دولت جمع ہوتی رہتی تھی[2]،

۲ - اقوام شمال و مشرق

سکندر اعظم اور اس کے جانشینوں نے مشرقی ایران میں جو نئی بستیاں بسائیں وہ صدیوں تک ان دور دراز علاقوں میں تہذیب یونانی کا ملجا و ماویٰ بنی رہیں، تیسری صدی قبل مسیح کے وسط میں ڈیوڈوٹس[3] نے ایک آزاد سلطنت کی بنا ڈالی جس میں باختر (بلخ) سغد اور مرو کے صوبے شامل تھے، دوسری صدی قبل مسیح کے نصف اوّل میں ڈیمٹریوس[4] نے جو کہ غاصب یوتھیڈیموس[5] کا بیٹا تھا پنجاب کو فتح کیا اور افغانی و ہندوستانی علاقوں پر قابض ہوگیا، اسی اثنا میں باختر اور اس کے متصل صوبے ایک شخص مسمّی یوکراٹیڈیس[6] کے ہاتھ لگ گیے، یہ دونو بادشاہ (جو آپس میں نہایت سختی کے ساتھ لڑتے رہے) نئی یونانی بستیاں بسانے میں بہت کوشاں تھے، با ایں ہمہ ملک کے اصلی تمدّن نے از سر نو اپنا اثر دکھانا شروع کیا چنانچہ ڈیمٹریوس کے "یونانی باختری" سکوں پر پشت کی جانب ہندوستانی خطوط ثبت ہیں جن کی ابجد کہا جاتا ہے کہ آریائی ہے اور اس کی اصل آرامی

---

[1] فلاویوس، کتاب اوّل، ص ۲۸، [2] فلاویوس، کتاب اوّل، ص ۳۹،

[3] Diodotus، [4] Demetrius. [5] Euthydemus، [6] Eucratides.

ہے، اور یوکراٹیڈس نے اپنے سکّوں میں ایک ایسا معیار رائج کیا جو مشرقی ایران کے ساتھ مخصوص تھا، دریائے کابل کی وادی میں اور پشاور کے آس پاس کئی چھوٹی چھوٹی یونانی ریاستیں پیدا ہوگئی تھیں لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد وادی کابل اور ہندوستان کی تمام یونانی ریاستیں مل کر دوبارہ ایک بڑی سلطنت پیدا ہوگئی جہاں دوسری صدی قبل مسیح کے آخر اور پہلی صدی کے شروع میں مشہور بادشاہ مینانڈر[1] حکومت کرتا تھا جس کو ہندوستانی ملنڈا لکھتے ہیں اور جس نے ہندوستان کے چند نئے علاقے فتح کرنے کے بعد بدھ مذہب اختیار کر لیا تھا اور اپنے ہم مذہبوں میں بہت نیک نامی حاصل کی تھی،

اسی زمانے میں اقوامِ وسط ایشیا کی بڑی بڑی مہاجرتیں شروع ہوگئی تھیں[2]، قبائل ہون[3] جو ترکی الاصل تھے اور جن کی رگوں میں مغولی اور چینی خون مخلوط تھا دوسری صدی قبل مسیح کے نصف اوّل میں چین کے صوبہ کانسو پر حملہ آور ہوئے جس کی وجہ سے سب سے پہلے اُن اقوام کو اپنے وطن سے حرکت کرنی پڑی جن کو اہل چین یُواےچی اور وُوسُون کہتے تھے لیکن بعد میں اور قبائل بھی اس حرکت میں شامل ہوگئے، چند سال بعد قبیلۂ یُواےچی کا ایک بڑا گروہ جو "یُواےچی بُزرگ" کے نام سے موسوم ہے ہجرت کر کے دریائے جیحوں کے شمال میں آکر آباد ہوُا، اسی کے ساتھ ہم کو قبیلۂ تُخار کا نام بھی ملتا ہے جس کی وجہ سے اس مسئلہ کو طے کرنے میں بعض شکوک پیدا ہوگئے ہیں کہ آیا یُواےچی اور

---

[1] Menandre

[2] رجوع بہ تحقیقات جدید در "گزارشات آثار قدیمۂ ایران" (Archäol. Mitteilungen aus Iran) از ڈاکٹر ہرتسفلٹ (Hertzfeld) ج ۴ ص ۱۳ بعد، [3] Huns

طخار ایک ہی قوم کے دو نام ہیں یا یہ کہ یُو اے چی طخاریوں کو محکوم بنانے کے کچھ عرصہ بعد خود بھی اُنھی کے نام سے موسوم ہو گئے یا یہ کہ آیا یُو اے چی طخاریوں میں حکمران جماعت کا لقب تھا، قوم ساکا[1] کے بعض قبائل جن کو اس نقل مکانی نے فرغانہ سے دھکیل کر آگے نکال دیا صوبجات باختر (بلخ)، اراخوزیا[2] (جس کو چینی مؤرخ کِپن لکھتے ہیں) اور درنگیانا[3] میں آن گھسے چنانچہ ان صوبوں کا نام اُسی زمانے سے سکستان یا ساکستان پڑ گیا، آج جو صوبہ سیستان کہلاتا ہے وہ اُسی علاقے کا ایک حصّہ ہے، اِن قبائل ساکا نے (جو تاریخ میں ہندو ساکا[4] کہلاتے ہیں) ایک مملکت کی بنا ڈالی جو شہنشاہِ بزرگ متری دات (۱۲۳ ۔ ۸۸ قبل مسیح) کے زمانے سے اپنے آپ کو سلطنت پارتھیا کے ماتحت تسلیم کرتی رہی، اس مملکت کے بادشاہ ماویس نے جو پہلی صدی قبل مسیح میں حکمران تھا اور اس کے بیٹے آزیس نے اپنی حدودِ سلطنت کو پھیلا کر پنجاب کو اس میں شامل کر لیا،

پہلی صدی قبل مسیح کے دوران میں مملکت سکستان کے ساکا خاندان نے ایک ایک پارتھی خاندان[5] کے لیے جگہ خالی کر دی جس کا ایک بادشاہ گندوفاریس یا گندوفار (جس کا عہد حکومت تقریباً ۲۰ء سے شروع ہوتا ہے) نہایت طاقتور تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اشکانیوں کی اطاعت سے آزاد کر لیا تھا، اس بادشاہ کے سکّے سیستان، ہرات، قندھار حتّیٰ کہ پنجاب میں بھی پائے گئے ہیں، مبلّغ مسیحی سینٹ ٹامس کے "وقائع" سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے شاہ گندوفار کے عہد میں ہندوستان کا سفر کیا تھا،

---

[1] Scythians. [2] Arachosia، جنوبی افغانستان، (مترجم)، [3] Drangiana، مغربی افغانستان (مترجم)، [4] Indo-Scythian. (مترجم)، [5] بقول ڈاکٹر ہرتسفلٹ یہ خاندان سورین

باوجود اس ہل چل کے جو قبائل کی مہاجرتوں کی وجہ سے مچی ہوئی تھی مشرقی ایران اور اس کے آس پاس کی ریاستیں خاصی خوشحالی کے ایام بسر کر رہی تھیں، یہ جنگجو خانہ بدوش قبائل جب ان اطراف میں آن گھسے تو اس سے وہاں کے اصلی باشندوں کی زندگی میں کوئی بڑے تغیرات پیدا نہیں ہوئے، بیشک چند اجنبی سردار جن کی تعداد نسبتہً بہت تھوڑی تھی حکومت پر قابض ہو گئے لیکن ان نئے حاکموں نے جہاں تک ہو سکا محکوم اقوام کے تمدن کے ساتھ موافقت اختیار کر لی، لیکن ساتھ ہی تمدنِ یونانی کے بچے کھچے آثار صدیوں تک اُن اجزا کے ساتھ مل جل کر باقی رہے جن کا منبع ایرانی اور ہندوستانی تمدن تھا، ان حکومتوں کے ماتحت جو یکے بعد دیگرے آئیں باامن لوگ اپنی پُر منفعت بین الاقوامی تجارت مسلسل کرتے رہے، تجارتی تعلقات شاذ و نادر ہی خلل پذیر ہوئے اور شہنشاہان چین ممالک مغربی کے ساتھ تجارتی وسائل میں آسانیاں حاصل کرنے کی خاطر وسط ایشیا کی ان ریاستوں کے ہاں اکثر اپنے سفیر بھیجتے رہے،

خوارزم میں دوسری صدی قبل مسیح سے ہم کو ایک قوم آاورسیز[1] ملتی ہے جس کا نام اہل چین ین تسائی لکھتے ہیں، اس سے اگلی صدی میں آاورسیز نے اپنی جگہ سے حرکت شروع کی اور مغرب کی طرف اسی راستے پر آگے بڑھے جس کو اس سے پہلے قبائل سکیتھین اور سرمات[2] نے اختیار کیا تھا، پہلی صدی قبل مسیح کے نصف کے بعد آاورسیز کا نام بالکل ناپید ہو جاتا ہے اور اس وقت کے بعد سے یہ قوم الان[3]

---

[1] Aorses ، [2] Scythians ، Sarmates ، یہ قبائل شمالی ایشیا کے وحشی خانہ بدوش قبائل تھے جو ایک ہی نسل سے تھے، ساتویں صدی قبل مسیح میں وہ مغرب کی طرف ہجرت کر کے بحر اسود کے شمالی اور مشرقی علاقوں میں آباد ہوئے۔ یہاں اسی ہجرت کی طرف اشارہ ہے (مترجم)،

[3] Alans ، مشرقی قفقاز میں البانیا کی چھوٹی سی ریاست انھی کے نام پر تھی اور یہیں انھوں نے اپنا وطن اختیار کیا تھا (مترجم)،

کہلانے لگئی ہے جو کہ لفظ آریا کی شمالی ایرانی شکل ہے۔ الان کی ایک جماعت نے یورپ میں قبائل بربری[۱] کے حملے بعد اپنی مہاجرت کو مغرب کی طرف جاری رکھا، ان میں سے جو لوگ روس کے جنوب میں مقیم ہوگئے ان کی آخری یادگار ہمارے زمانے میں کاکیشیا (قفقاز) کی قوم اوس سیٹ ہے[۲]،

شاہ گندوفاریس کی وفات کے کچھ عرصہ بعد گندھار (قندہار) اور پنجاب پر قبیلۂ یُواےچی (یعنی نژادِ ساکا) کے ایک خاندان کا قبضہ ہوگیا جو کوشان کے نام سے مشہور ہے، اس خاندان کے بادشاہ کُجُولا کادفیزس[۳] اور اس کے جانشین وِیمہ کادفیزس نے ممالک یُواےچی و طُخار اور اس کے ساتھ قبائل ساکا کے مقبوضات کا ایک بڑا حصّہ اپنی حکومت میں ملا لیا، بالآخر سنہ ۱۲۵ء کے بعد یہ سلطنت اس خاندان کے بادشاہ کِنِشکا نامی کے قبضے میں آگئی جو بُدھ مت کی کتابوں میں اس مذہب کے ایک پُرجوش مبلّغ اور مروّج کی حیثیت سے مشہور ہے[۴]،

---

۱ Barbarians ۲ Ossets ۳ Kujula Kadfises

۴ رجوع بہ مآخذ ذیل :-

۱- فون گوٹ شمٹ (Gutschmid)، "ایران اور اس کی ہمسایہ سلطنتیں" (ٹوبنگن سنہ ۱۸۸۸ء) بزبان جرمن

۲- فون سالٹ (Von Sallet)، "جانشینان سکندر اعظم در باختر و ہند" (برلن سنہ ۱۸۷۹ء) بزبان جرمن

۳- پرسی گارڈنر (Percy Gardner)، "مسکوکات شاہان یونانی و ساکائی در باختر و ہند در موزۂ بریطانیہ" (لنڈن سنہ ۱۸۸۵ء) بزبان انگریزی

۴- وارک روتھ (Warwick Wroth)، "فہرست مسکوکات پارتھیا" (لنڈن سنہ ۱۹۰۳ء) بزبان انگریزی،

۵- ڈروین (Drouin)، "مسکوکات شاہان کوشان بزرگ"، سنہ ۱۸۹۶ء، بزبان فرانسیسی

۶- ہرٹ (F. Hirth)، "چین و مشرق رومانی" (سنہ ۱۸۸۵ء، لیپزگ) بزبان انگریزی

۷- فرانکہ (Franke)، "وسط ایشیا کی ترک اور ساکا اقوام کے متعلق چینی مآخذ" (سنہ ۱۹۰۴ء) بزبان جرمن

۳- افکار و عقاید مذہبی

آریاؤں کے قدیم مذہب کی بنیاد عناصر، اجسام فلکی، اور قدرت کی طاقتوں کی پرستش پر تھی، لیکن قدرت کے ان معبودوں کے ساتھ جلد ہی نئے خدا بھی شامل ہوگئے جو اخلاقی قوتوں کے نمایندے تھے یا ذہنی تصوّرات کے مجسّمے تھے، ایسا

گذشتہ سے پیوستہ:-

۸- ہرمن (Hermann)، "عہد قدیم میں چین و شام کے درمیان ریشم کی آمد و رفت" (برلن ۱۹۱۰ء) جرمن

۹- ریپسن (Rapson)، "کیمبرج ہسٹری آف انڈیا" (کیمبرج ۱۹۲۲ء)

۱۰- شٹن کونو (Sten Konow)، "ہندوسا کا پر مقالات" (۱۹۰۶ء) جرمن

۱۱- مولر (Müller)، "طخاری و کوشان" (۱۹۱۸ء)، جرمن

۱۲- شٹن کونو (Sten Konow)، "ہندوسا کا تاریخ پر ملاحظات"، (جرنل آف انڈین ہسٹری ج ۱۲ نمبر ۱)

شاہان کوشان کی تاریخ جو بہت کچھ موجب بحث و جدال تھی بظاہر اب موسیو شٹن کونو، فان ویک (Von Wijk) اور ڈاکٹر ہرتسفلٹ کی تحقیقات سے روشن و ثابت ہوگئی ہے، دیکھو "گزارشات آثار قدیمۂ ایران" (Archäol Mitteilungen aus Iran)، جلد ۴ (برلن ۱۹۳۲ء) ص ۱ — ۱۱۶،

۱۳- پیلیو (Pelliot)، "طخاریان یہ کوچیان" (مجلۂ آسیائی ۱۹۳۴ء ص ۲۳ بعد) فرانسیسی،

معلوم ہوتا ہے کہ قوم آریا کی ایرانی اور ہندوستانی شاخوں کے افتراق سے پہلے ہی دیوتاؤں کی دو جماعتوں میں کسی قدر تفاوت نمایاں ہو چکا تھا جن میں سے ایک تو دئےوَ (دیو) تھے جن کا ممتاز ترین نمایندہ خدائے جنگ اندرا تھا اور دوسرے اَسُر (ایرانی = اَہُر) تھے جو حقوق و عہود کے دیوتا تھے جن میں برترین وَرُنَ اور مترا تھے، اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ ایرانیوں کا دیوتا مزدا (بمعنی "حکیم") جو بہ سبیل تعمیم اَہُرا کہلاتا ہے وہی ہے جو قدیم زمانے میں وَرُنَ تھا جس کا اصلی نام ایرانیوں کے ہاں محفوظ نہیں رہا۔ وہ دیوتے جو اہُر کہلاتے تھے اُن صفات کے مالک تھے جو اخلاق و تہذیب و تمدّن کے ساتھ وابستہ سمجھی جاتی ہیں، برخلاف اس کے جو دئےوَ کے نام سے پکارے جاتے تھے اُن کی پرستش کرنے والے خانہ بدوش، جنگجو اور لوٹ مار کرنے والے وحشی قبیلے تھے، جس وقت اہل ایران عہد تاریخی میں داخل ہوتے ہیں اُس وقت مزدا (یا مزدا اہُرا یا اہُرا مزدا) مشرق و مغرب میں پُر امن اور مہذّب قبائل کا خدائے بزرگ و برتر بن چکا تھا، بالفاظ دیگر مزدائیّت مذہبِ زرتشت سے زیادہ قدیم ہے، مزدا کسی خاص قبیلے یا خاص قوم کا خدا نہیں بلکہ وہ نوعِ انسان اور دنیا بھر کا خدا ہے، اس عقیدے کی وجہ سے مزدائیّت میں افرادِ انسانی اور قدرت ربّانی کے درمیان زیادہ قریبی تعلّق ہے بہ نسبت دوسرے مذاہب کے جو مغربی ایشیا میں پیدا ہوئے، یہ تعلّق اخلاقِ شخصی کا محرّک ہے اور وہ اس مذہب میں اپنی پاکیزہ ترین شکل میں نمایاں ہے، ان دو خصوصیتوں (یعنی مزدا کی عالمگیری اور افرادِ بشر کے ساتھ اس کے قریبی لگاؤ) کی وجہ سے ایرانی عقاید نے رفتہ رفتہ مشرقِ قریب (یعنی مغربی ایشیا)

کے مذہبی افکار پر اپنا اثر نافذ کیا،

نواحِ مشرق کے اُس حصے میں جو اب سرزمین افغانستان میں شامل ہے غالباً ساتویں صدی قبل مسیح میں زرتشت (زرانُشترا) ایک اصلاح شدہ مزدائیت کا پیغمبر بن کر آیا، اس سرزمین میں قبائلِ شہر نشین یا کم از کم وہ قبیلے جو نیم خانہ بدوش نیم زراعتی تھے اور خاصے تمدن یافتہ ہو چکے تھے ہمیشہ رہزن، بادیہ نشین قبائل کے حملوں کے خطرے میں رہتے تھے اور یہ سیاسی دشمنی منتقل ہو کر میدانِ مذہب میں آگئی، یہی وجہ ہے کہ زرتشت کے نزدیک دئےوَ (دیو) سے مراد شیاطینِ بدکردار ہیں، دیوتاؤں کی دو جماعتوں کے درمیان جو مخالفت ہے اُسی میں سے مذہبِ زرتشت کے اس عقیدے نے پیدا ہو کر نشو و نما پائی ہے کہ روزِ ازل سے دو مخالف روحوں میں جنگ جاری ہے یعنی روحِ توانا (یا روحِ خیر) جس کا نام سِپَنْتَ مَیْنْیُو[1] ہے اور جو گویا مزدا کی حقیقتِ اصلی ہے اور روحِ شر "اَکَامَیْنْیُو" جس کا نام اوستا کے جدید تر حصوں میں اَنْگْرَ مَیْنْیُو[2] ہے، مزدا کے ممتاز ترین آسمانی معاونوں میں سے چھ (فرشتے) ہیں جن کو زمانۂ متأخر میں اَمیشہ سِپَنْتَ کا مشترک نام دیا گیا جس کے معنے "توانائے جاوید" کے ہیں، وہ یہ ہیں:- (۱) وُہُومَنا یعنی پندارِ نیک، (۲) اَشا وَہِشْتَ یعنی صداقتِ برترین، (۳) کْشَاثْرَ وَیریَ یعنی تسلطِ مرغوب، (۴) آرَمَیتی یعنی فرمان پذیری، (۵) ہَوْرْوَتات یعنی سالمیت باصحت، (۶) اَمَرْتات یعنی غیر فانیت یا بقائے دوام، ان کے ساتھ ساتواں خود

[1] لفظ "سِپَنْتَ" کے معنی کے متعلق اختلاف ہے، مسٹر بیلی نے ایک مستند مضمون میں اس کے معنی "دارائے قوتِ فوق العادۃ" بتلائے ہیں، (دیکھو مجلّۂ مدرسۂ شرقی در لنڈن سنہ ۱۹۳۴ء ص ۲۷۶ ببعد)،

[2] لفظ اہرمن اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے (مترجم)،

سپنت مینیو ہے، ان اسمار مجرّدہ کے پردے میں غالباً وہی قدیم دیوی دیوتا مستور ہیں جو عناصر اور قدرت کی طاقتوں کے مظاہر ہیں، مثلاً آرمیتی کے متعلق ہمیں کوئی شک نہیں کہ وہ اصل میں دھرتی (عنصر خاکی) کی دیوی ہے، دینِ زرتشتی کا ایک اور معبود سُراؤش ("اطاعت") ہے، زرتشت نے اُن مقبول عام دیوتاؤں کو جو اس کے مذہب میں اسمارِ مجرّدہ کے تحت میں اختیار نہیں کیے گئے یا تو دیووں میں شمار کیا ہے یا ان کو بالکل ترک کر دیا ہے، تخریب و ہلاکت کے دیووں میں سے جو روحِ شر کے معاون ہیں سب سے زیادہ مستعد اَیشم[1] ہے جو غارتگر بادیہ نشینوں کی بے رحمی کا مظہر ہے،

زرتشت کا مذہب ایک ناکامل توحید ہے، ربّانی ہستیوں کی وہاں کثرت ہے اس طرح پر کہ مزدا گویا ذات ہے اور وہ سب اس کی تجلّیات یا صفات ہیں اور ساتھ ہی وہ اس کی مشیّت کو کہ وہی مشیّتِ ایزدی ہے نافذ کرنے والی ہیں، مزدا کی ذات لاشریک ہے اور ثنویت کا عقیدہ نفظ ظاہری ہے کیونکہ دو عالمگیر روحوں (یعنی روحِ خیر اور روحِ شر) کے درمیان جو جنگ جاری ہے وہ بالآخر روحِ خیر کی فتح پر منتہی ہوگی، اس جنگِ عظیم میں انسان کے لیے بھی ایک مأموریت ہے، وہ یہ کہ تدیّن و تقوی کے ساتھ صداقت دینی اور اخلاق کے لیے جہاد کرے، وسائل حیات کی طرفداری کرتے ہوئے موت کی طاقتوں کا مقابلہ کرے، تمدّن اور سب سے بڑھ کر تہذیبِ وطن کی خدمات میں روحِ خیر کا حامی رہے، پندارِ نیک، گفتارِ نیک اور کردارِ نیک اخلاقِ زرتشتی کے اصول سہ گانہ ہیں جن کی جزا عقبیٰ میں جنّت الفردوس ہے اور صحّت و بقائے دوام

[1] فارسی میں لفظ خشم (بمعنی غصّہ) اس سے مشتق ہے (مترجم)،

کے ساتھ "مقام روحانی" میں رہنا ہے، برخلاف اس کے گناہگاروں کی سزا "مقامِ ناراستی" ہے جہاں ہمیشہ کے لیے عذابِ الیم ہے، لیکن جزا و سزا کے اس فیصلے کے علاوہ جو انسان پر مرنے کے بعد فوراً صادر کیا جاتا ہے اوستا کے بابِ گاتھا میں (جو منظوم نصائح پر مشتمل ہے اور جس میں زرتشت کی اصلی تعلیم کا پرتو ہے) ایک عمومی اور کلّی حسابِ آخرت کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں جو "روح و آتش" کے ذریعے سے کیا جائیگا یعنی روحِ مزدا حساب لینے والی ہوگی اور امتحان بذریعہ آگ اور پگھلی ہوئی دھات کے کیا جائیگا، یہ امتحان اختتام زمان کائنات کے بعد ہوگا جبکہ روح خیر اور روح شر کی فوجوں کے درمیان آخری جنگ کا خاتمہ مزدا کی فتح پر ہو چکا ہوگا،

اوستا کے اُس حصے میں جو "قدیم" کہلاتا ہے (جس کا لبّ لباب بابِ گاتھا ہے) اور "حصۂ جدید" میں نمایاں تفاوت ہے کیا بلحاظ معبودین کی تعداد کے اور کیا بلحاظ افکارِ مذہبی کے، بالآخر جو دیوتا مقبول عام تھے دبائے نہ جا سکے اور موبدانِ زرتشتی گاتھا کے مخصوص معبودوں کے ساتھ ساتھ ان کو بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔ مشرقی ایران کی مزدائیت میں زرتشت کی اصلاحات سے پہلے بعض یَشت یا بھجن اِن ہر دلعزیز دیوتاؤں کی ستایش میں موجود تھے مثلاً مِترا (یا مِتھرا) کی ستایش میں جو عہد و پیمان کا دیوتا ہے اور ساتھ ہی خدائے نور بھی ہے[1] یا اَرْدْوِی سُورا جس کا لقب اَناہِتا ہے جو پانی اور زرخیزی کی دیوی ہے یا ستارۂ تِشتَریا جو کہا گیا ہے کہ شعرای یمانی ہے، یا وِرِثْرِغْنا کہ جنگ و فتح کا دیوتا ہے، یا خُوَرِنہ جو شاہانِ آریائی کا جاہ و جلال ہے یا فُرَوَشی

---

[1] یشت ۱۰، ۱۳، کی رو سے متھرا طلوع آفتاب سے پہلے کوہسار پر جلوہ نما ہوتا ہے، ہرٹل کے نزدیک اوستا کا متھرا رات کا آسمان ہے، (دیکھو "مآخذ و تحقیقات در باب ہند و ایران" بزبان جرمن، ج ۹)،

یعنی وہ فرشتے جو با ایمان لوگوں کے ہمزاد و محافظ ہیں، یہ وہ یشت ہیں جو پہلے سے موجود تھے لیکن ان کو زرتشتی عقاید کے مطابق کرلیا گیا اور ان کے ساتھ اور یشت اضافہ کیے گئے جو خالص طور پر زرتشتی ہیں یعنی جن کو موبدانِ زرتشتی نے خود تصنیف کیا، قدیم یشت جن میں ایرانیوں کی افسانوی تاریخ اور تاریخِ ایرانِ شرقی قبل اززمانِ زرتشت کے متعلق قیمتی اطلاعات ملتی ہیں اوستائی جدید کا قدیم ترین حصہ ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا لٹریچر گاتھاؤں سے بھی زیادہ پرانا ہے[1]،

[1] قدیم ایرانی مذہب اور اصلاحاتِ زرتشت کو ہم نے یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، ناظرین کو چاہئے کہ زیادہ مفصل مطالعہ کے لیے میرے اُن مضامین کی طرف رجوع کریں جو میں نے بہ عنوان "مطالعات درباب دین زرتشتی در ایران قدیم" نیز "دین زرتشتی کے قدیم ترین ادوار پر ملاحظات" شایع کیے ہیں، ان کے علاوہ میری کتاب موسوم بہ "کیانیان" کو بھی ملاحظہ فرمائیں، اصلاحات زرتشت کے متعلق تازہ ترین اور مفصل کتب حسبِ ذیل ہیں:-

۱- لومل (Lommel)، "دین زرتشت" (ٹوبنگن سنہ ۱۹۳۰ء)، بزبان جرمن
۲- گائیگر (Geiger)، "امشاسپندان" (روئداد ویانا اکیڈیمی، سنہ ۱۹۱۶ء) جرمن
۳- مے یے (Meillet) "اوستا کے باب گاتھا پر تین لیکچر" (پیرس سنہ ۱۹۲۵ء) فرانسیسی
۴- لومل (Lommel)، "یشت ہای اوستا کا ترجمہ مع شرح" بزبان جرمن،
۵- ہرٹل (Hertel)، مضمون شائع شدہ در "مآخذ و تحقیقات درباب ہند و ایران" جزء ۷، نیز در "رسالہ اکیڈیمی ساکس در جرمنی" ج ۴۱ نمبر ۶، بزبان جرمن

ہرٹل نے ان مضامین میں عقیدۂ آتش کے متعلق اپنے خیالات کو یشتوں کے ساتھ مطابق کرکے دکھایا ہے، ان کی رائے ہے کہ دینِ زرتشتی کی تمام مذہبی اصطلاحات میں آتش پرستی کا اثر موجود ہے،

۶- بن ونِسْت (Benveniste) و رنو (Renou) "ورثرا اور ورثرغنا" (پیرس سنہ ۱۹۳۴ء)

مذہب زرتشت ایران میں صدیوں تک نا اصلاح یافتہ مزدائیت میں محصور رہا جس کی نشو و نما ایران کے مختلف حصّوں میں کسی قدر مختلف ہوئی تھی، مثلاً اُس مزدائیت میں جو ہخامنشیوں کے وقت میں اہل فارس کا مذہب تھا اور اُس مزدائیت میں جو میڈیا کے مغوں یا موبدوں کا مذہب تھا بہت سے اختلافات تھے لیکن جس زمانے میں کہ مؤرّخ ہروڈوٹس اہل فارس اور اہل میڈیا کے مذہبی عقاید و رسوم کو بیان کر رہا تھا ابھی زرتشت کی مذہبی اصلاح ایران کے مغرب تک نہیں پہنچی تھی[1]، کہیں چوتھی صدی قبل مسیح میں جا کر میڈیا کے مُغوں میں ایک مزدائیت دیکھنے میں آتی ہے جو زرتشت کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن وہ بعض امور میں گاتھاؤں کی مزدائیت سے اسی قدر مختلف ہے جس قدر کہ وہ اوستائے جدید کی مزدائیت سے اختلاف رکھتی ہے، ایک نہایت قدیم ایرانی عقیدے کے مطابق جس کے کچھ دھندلے سے آثار گاتھاؤں میں باقی رہ گئے ہیں خدائے خیر اور خدائے شر توأم بھائی تھے جو زمانِ نامحدود (زُروان یا زَروان) کے بیٹے تھے[2]، مزدائیت کی ایک اختلافی صورت میں سے جس پر کلدانی علم نجوم کا بہت اثر پڑا اور جو ایشیائے کوچک کے مجوسیوں میں نشو و نما پاتی رہی[3] متھرائیت یعنی پرستش متھرا (مہر پرستی) پیدا ہوگئی جس کو خدائے خورشید تصوّر کیا گیا ہے، یہ پرستش سلطنت روما میں بہت رواج پذیر ہوئی[4]،

ان حالات میں متھرا پرستوں نے اور ان کے ساتھ مختلف قسم کے بدعتیوں نے جن میں

---

[1] بن وِنِسْت (Benveniste) — "مذہب ایران ازروئے مآخذ یونانی" (پیرس ۱۹۲۹ء)، باب دوم، [2] دیکھو آگے باب سوم، [3] کیوموں (Cumont) — "مغربی مجوسیوں کے عقیدے میں دنیا کا انجام" (مضمون در مجلّہ "تبصرۂ تاریخ مذاہب" ۱۹۳۱ء ص ۲۹ بعد)،
[4] کیوموں "اسرار متھرا پرستی ازروئے متون و ابنیۂ منقّش" (برسّلز ۱۸۹۶ء)، نیز "اسرار متھرا" ۱۹۱۳ء)،

سے بعض شیطان پرست تھے (جو اَنگرَ مَینیُو یا اہرمن کے ماننے والے تھے) زُروانی عقیدے کو اختیار کر لیا،

ہندو ساکا[1] بادشاہوں کے سکّوں پر جن دیوتاؤں کی تصویریں ہیں ان کو دیکھ کر مزدائیت کی ایک نئی اختلافی صورت کا حال کھلتا ہے جس پر ہندوستان کے بعض عقاید کا اثر پڑا ہے، یہ مزدائیت مشرقی ایران میں تربیت پذیر ہوئی اور آگے چل کر بدھ مذہب کی روحانی فضا میں گھر کر فنا ہوگئی[2]،

مغربی ایران میں اور بالعموم ایشیا کے مغربی حدود پر یونانیت (یعنی عقاید یونانی) نے مختلف مذاہب میں ایک توافق کی صورت پیدا کر دی، بابلی اور یونانی دیوتا اور ایرانی دیوتا عیناً ایک سمجھے جانے لگے چنانچہ اہُرا مزدا کو بیل کے ساتھ متھرا کو شمش کے ساتھ اور اناہتا کو اِشتر کے ساتھ ملتبس کیا گیا[3]، کُمازین[4] کے بادشاہ انٹیوکس اوّل (سنہ ۶۹ - سنہ ۳۴ ق.م) نے جن دیوتاؤں کے بت کھڑے کیے ان کے نام یہ ہیں :- (۱) زیوس اورومزدیس (اہُرا مزدا)[5]، (۲) اپولو متھراس ہیلیوس ہرمیس[6]، (۳) ارتگنیس (ورثرغنا) ہرقلیس آریس[7]،

[1] Indo-Scythian [2] شٹائن (Stein) : "خدایانِ زرتشتی بر روئے مسکوکات شاہان ہندو ساکا" (مجموعۂ آثار بابل و شرق، لنڈن سنہ ۱۸۸۶ء)، ویسٹ (West) : "ہندو ساکا مسکوکات کے متعلق چند نوٹ" (لنڈن سنہ ۱۸۸۸ء)، کریسٹن سن : "مطالعات درباب دین زرتشتی" ص ۳۶ ببعد، [3] بیل اہل بابل کے نزدیک نوع بشر کا خدا (خدائے برترین) ہے، شمش بابلی زبان میں وہی لفظ ہے جو عربی میں شمس ہے یعنی سورج دیوتا، اشتر اہل بابل کے عقیدے میں محبت و آفرینش کی دیوی ہے، (مترجم)، [4] شام کا شمال مشرقی علاقہ، یہاں کے فرمانروا خاندان سلوکس سے علاقہ رکھتے تھے سلوکیوں کے زوال کے بعد خود مختار ہوگئے (مترجم)، [5] (Zeus-Oromasdes)، [6] Apollo-Mithras-Helios-Hermes، [7] Artagnes-Heraclius-Ares

(۴) مجسمۂ مملکت گُماژین جس کو اس نے "میرا نہایت زرخیز وطن گُماژین" کا لقب دیا، ان "یونانی ایرانی" دیوتاؤں کی پرستش کے لیے اس نے مستقل مذہبی رسوم جاری کیں، شاہان اشکانی نے "مشتاق یونان[1]" کا لقب اختیار کر رکھا تھا اور یونانی آداب و تہذیب کی طرف مائل تھے[2]، لیکن ان کی یونان پرستی محض سطحی تھی اور اس اجنبی تہذیب کی ہلکی سی تہ کے نیچے وہ سب کے سب زرتشتی رنگ میں رنگے ہوئے تھے،

عہد پارتھی کا آغاز تھا جبکہ کتاب اوستا کا وہ حصّہ تصنیف ہوا جس کو وندی داد (وِ دیو داد یعنی شریعتِ دیو شکن) کہا جاتا ہے اور جو زرتشت کے احکامِ شریعت پر مشتمل ہے، زبانِ اوستا اس وقت مردہ ہو چکی تھی اور علمائے دین کو اس کے استعمال کرنے میں بہت دقّت تھی، وندی داد قواعد و رسوم کا ایک مجموعہ ہے جو ملک کے مختلف حصّوں میں کسی قدر اختلاف کے ساتھ رائج تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ ان احکامِ شریعت میں کہیں کہیں بدیہی تناقضات دیکھنے میں آتے ہیں، وندی داد میں مختلف قسم کے گناہوں اور نجاستوں کے متعلّق بحث ہے اور توبہ و تطہیر کے وسائل بتائے گئے ہیں، اس کے علاوہ افعالِ جور و تعدّی اور مخلوقاتِ مطہّرہ (انسان، کُتّا اور اودبلاؤ) کی خونریزی سے بحث ہے، پھر مردوں کی تجہیز و تکفین کے مسائل ہیں جن کے متعلّق حکم ہے کہ ان کو دخموں پر (جو اینٹوں سے تعمیر کیے جاتے ہیں اور جن کو آج کل "مینار ہائے

[1] Phil-Hellenes.

[2] جے۔ ایم۔ اون والا (Unvala): "پارتھیوں کے مذہب پر مشاہدات" (بمبئی ۱۹۲۵ء)

خاموشی" کہا جاتا ہے) کھلا چھوڑ دیا جائے تاکہ شکاری پرندے ان کو کھا جائیں[1] کیونکہ لاش کو دفن کرنے یا جلانے سے عناصر کو ناپاک کرنا قطعاً ممنوع ہے، علاوہ بریں اُس ناپاکی کا ذکر ہے جو مردہ جسم کو چھونے سے یا........ اور اسی قسم کی اور چیزوں سے لاحق ہو جاتی ہے، وندی داد میں ہم کو کئی ایک جنّوں یا دیووں نیز دُرُج یعنی چڑیلوں اور پائریکا یعنی پریوں یا جادوگرنیوں کے نام فرداً فرداً بتائے گئے ہیں، یہ سب روحِ شر (انگرَ مینیو یعنی اہرمن) کا لشکر ہیں، مثلاً ایک دیو کا نام اِندرا ہے، ایک ساؤرُو ہے، ایک ناوُن ہیدیا ہے، یہ تینوں قدیم "ہندو ایرانی" دیوتا ہیں، ایک اور دیو کا نام اپاوُش ہے جو مخصوص طور سے تِشتریا (شعرای یمانی) کا دشمن ہے، ایک بُوشیَستا ہے جو بیہوشی یا نیند کی چڑیل ہے، ایک نسُو ہے جو لاشوں اور مردہ اجسام کا جنّ ہے، وغیرہ وغیرہ،

پارسی روایت کے مطابق زرتشتی مذہب کی مقدس کتابوں کی تالیف کا کام ایک اشکانی بادشاہ کے حکم سے انجام دیا گیا جس کا نام وولاگاسس[2] (بلاش) تھا، غالباً وہ وولاگاسس اوّل ہے جس کا عہد سلطنت ۵۱ء سے ۷۸ء تک تھا،

---

[1] مؤرّخ اگاتھیاس (Agathias — چھٹی صدی عیسوی) نے واضح طور پر بتلایا ہے کہ ایرانیوں میں یہ دستور ساسانیوں کے عہد میں جاری تھا، (تاریخ مصنّف مذکور ج ۲ ص ۲۳ ببعد)، چینی سیاح ہیوئن سانگ لکھتا ہے کہ اہل ایران اپنے مُردوں کو ترک کر کے چلے جاتے ہیں (ج ۲ ص ۲۷۸)، روسی زبان میں ایک رسالہ موسیو Inostrantzev نے اس بحث پر لکھا ہے کہ قدیم ایرانی اپنے مُردوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے، اس کا ترجمہ انگریزی میں موسیو بوگڈانوف (Bogdanov) نے کیا ہے جس کو کاما انسٹیٹیوٹ بمبئی نے شائع کیا ہے،

[2] Volagases

جس وقت سے کہ بخت نصر (شاہ بابل) نے یہودیوں کو اپنے وطن (فلسطین) سے خارج کر کے بابل میں آباد کیا اُس وقت سے ان کی تعداد بَبِی لونیا[1] اور میسوپوٹیمیا[2] میں برابر بڑھتی چلی گئی، یہاں یہ لوگ تجارت، زراعت اور ہر قسم کی صنعت و حرفت میں مصروف ہو گئے، اشکانیوں کے زمانے میں ان کی تعداد خصوصیت کے ساتھ نہردیا (بابل کے شمال میں)، سورا، پمبادِیتا اور ماخوزے یعنی سلوکیہ میں بہت کثیر تھی، اس کے علاوہ یہودیوں کی جماعتیں میڈیا اور فارس میں بھی موجود تھیں،

پہلی صدی عیسوی میں جب ان یہودیوں نے اپنے آپ کو ایک رئیس یا لیڈر کی سرکردگی میں منظّم کیا جس کا لقب ریش گالوُتا (رأس الجالوت) تھا تو شہنشاہ ایران نے ان کو ایک باقاعدہ ملّت تسلیم کر لیا اور ان کو ایک خاص حد تک خود مختاری دے دی، ریش گالوُتا کو یہ اختیارات دیے گئے کہ وہ مالیات یا ٹیکس وصول کرے اور عدالت کے لیے جج مقرّر کرے، اپنی شریعت اور روایات کو یہ لوگ برابر ترقّی دیتے گئے، تیسری صدی عیسوی کے شروع میں سورا کا مدرسہ قائم ہوا اور اسی وقت سے امورائیم یعنی علماءِ یہود علوم کے مطالعہ میں لگ گئے اور اُنھوں نے ہر قسم کی احادیث، روایات اور تعلیمات کا وہ طُومار جمع کرنا شروع کیا جو تلمُوذ کے نام سے معروف ہے[3]،

———— : ————

اشکانیوں کے عہد میں عیسائیت کے آغاز کے متعلق ہمارے پاس اطّلاعات

---

[1] Babylonia [2] Mesopotamia

[3] گریٹس (Grätz) — "تاریخ یہودیاں" (طبع چہارم، ج ۳ ص ۳۰۰ بعد، ج ۴ ص ۲۵۱ بعد و ص ۲۹ ۳ بعد)، نوئے باؤر (Neubauer) "جغرافیائے تلموذ" (ص ۳۴۶، ۳۵۶ - ۳۶۰) — بزبان جرمن، لابوُر (Labourt) — "عیسائیت در کشور ایران" (ص ۷ بعد) بزبان فرانسیسی،

بہت ناکافی ہیں[1]، پہلی صدی عیسوی میں عیسائیت شام اور ایشیائے کوچک میں پھیل چکی تھی اور سنہ ۱۰۰ء کے قریب عیسائیوں کی جماعتیں دریائے دجلہ کے پار اربل[2] میں موجود تھیں[3] لیکن ممالک مشرق میں عیسائیت کی تبلیغ کے بارے میں ہمارے پاس صریح معلومات موجود نہیں ہیں، افسانے کی رُو سے سب سے پہلا مبلّغ جس نے پارتھیا میں عیسائیت کی دعوت دی وہ سینٹ ٹامس ہے اور کتابِ مجہول موسوم بہ "وقائع سینٹ ٹامس" کے مطابق تو اس کی تبلیغ ہندوستان کے اندر تک پہنچی ہے، لیکن یہ کتاب تاریخی اعتبار کے پایہ سے گری ہوئی ہے، اربل کے بعد مشرقی عیسائیت کا محکم ترین ملجا و ماوی ظاہراً کرخای بیت سلوخ تھا جس کو آج کل کرکوک کہتے ہیں، "وقائع شہدائے ایران"[4] میں لکھا ہے کہ "شاہ بلاش کے زمانے سے لے کر شاپور بن اردشیر کی حکومت کے بیسویں سال تک (یعنی کُل نوّے سال) کرخا ایک پاک سرزمین تھی جہاں کسی قسم کی خراب نباتات نہیں اگتی تھی"[5]۔

چونکہ ساسانی بادشاہ شاپور اوّل پسر اردشیر اوّل سنہ ۲۴۱ء میں تخت نشین ہوا لہذا بلاش بجز شاہ اشکانی وولاگاسس سوم کے اور کوئی نہیں ہو سکتا جس کا عہد سلطنت سنہ ۱۴۸ء سے سنہ ۱۹۱ء تک تھا، بہر حال شاہان اشکانی کے زمانے میں عیسائیوں کا ملکی معاملات میں کوئی حصّہ نہیں تھا، بعد میں ایک جعلی تحریر موسوم بہ

---

[1] لابور۔ کتاب مذکور ص ۹ - ۱۷، سخاؤ (Sachau) — "تاریخ اربل"، سنہ ۱۹۱۵ء بزبان جرمن،

[2] موصل کے قریب ہے، یورپین مصنّف اس کو اربیلا لکھتے ہیں، یہ وہی جگہ ہے جہاں سکندر نے دارا کو شکست دی تھی، (مترجم) [3] سخاؤ کتاب مذکور ص ۱۲ بعد،

[4] Acts of the Martyrs of Iran ،

[5] ہوفمن (Hoffmann) — "اقتباسات از وقائع شہدار ایران بزبان سریانی" (لیپزگ سنہ ۱۸۸۰ء) بزبان جرمن،

"مکتوب آبار مغربی" تیار کی گئی جس کی تاریخ دوسری صدی عیسوی کا آغاز ہے ، اس کی رُو سے سلوکیہ کے جاثلیق کو کامل خودمختاری عطا کی گئی ہے یعنی اُس کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے عہدۂ پادریت کی تقدیس خود حاصل کر سکے بغیر اس کے کہ وہ اس کی تحصیل کے لئے انطاکیہ جائے ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشکانیوں کے زمانے میں جاثلیق کا عہدہ سرے سے تھا ہی نہیں ،

———— : ————

مغربی ایشیا کی مختلف قوموں اور نسلوں کے اختلاط نے مختلف تمدّنوں اور عقیدوں کے امتزاج کے لئے حالات کو مساعد بنا دیا ، جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں فلسفۂ یونان مشرقی ادیان کے ساتھ مخلوط ہو گیا اور اس سے بیشمار اور رنگارنگ کے پیوندی مذہب پیدا ہو گئے ،[1] مثلاً قدیم زمانے سے صوبۂ میسوپوٹیمیا کے آرامی[2] ماحول میں ایرانی اور سامی عقاید مخلوط تھے ، ایک جدید عنصر جو ان کے ساتھ اور شامل ہوا وہ ایشیائے کوچک کے پُراسرار مذاہب تھے ، پھر یونانیوں کے فلسفیانہ خیالات اُس پر اور اضافہ ہوئے اور یہودیوں کے قبالائی[3] یا باطنی عقاید اور کیمیائی نظریات بھی اس میں مل جل گئے ، خیالات مجرّدہ اور قدرت کی طاقتیں جن کے مجسّمے دیوتا کے طور پر پوجے جاتے تھے اب ان کو یونانی نام دئے جانے لگے ، ایرانی بابلی اور یونانی اساطیر سب ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو گئے اور مشرقی افسانوں کے اشخاص یونانی دیوتاؤں کے بھیس میں جلوہ نما ہونے لگے ، دنیائے خیر اور دنیائے شر، دُنیائے نور

---

[1] گرسمن (Gressmann) : "تغیّر مذاہب مشرقی تحتِ اثرِ فلسفۂ یونانی" (سنہ ۱۹۲۶ء) بزبان جرمن ،

[2] Aramean، [3] Cabalistic،

اور دنیائے ظلمت کے درمیان ایک صریح امتیاز ، زندگی میں انسان کے مخصوص فرائض ، بہشت و دوزخ ، روزِ قیامت اور تجدید کائنات ، قدرتِ باری کی ہمہ جا ہیئت اور اس کے ساتھ فردِ انسان کے ذاتی اور باطنی تعلّقات ، غرض یہ تمام اعتقادات جو ایرانی مزدائیت کے مخصوص خط و خال تھے مغربی ایشیا کا مشترک سرمایۂ مذہب بن گئے ، یہ خط و خال ہم کو اُن مراسم مذہبی میں نظر آتے ہیں جن کے ذریعے سے مریدان مبتدی کی تقریب معبود کے ساتھ کی جاتی تھی ، یہ تقریب خاص مناسک اور خفیہ تعلیمات کے ساتھ ہوتی تھی جو الہامی خیال کی جاتی تھیں ، وہ بعض پُراسرار کتابوں میں محفوظ تھیں اور نامحرموں کے لئے ناقابل فہم تھیں ، اُن میں مصری ، ایرانی ، کلدانی اور یہودی عقاید سب کے سب باہم مخلوط تھے ، اسی ماحول میں "زرتشتِ مجوسی" کے بعض جعلی نوشتہ جات ظہور پذیر ہوتے ہیں[1] اور زرتشتی مذہب کے خاص بدعتی فرقوں میں زرتشت کو نوعِ بشر کا نجات دہندہ قرار دیا جاتا ہے ، اس عہد کے باطنی عقاید کسی مقامی یا قومی حدود کے اندر نہ تھے بلکہ یہ مانا جاتا تھا کہ وہ نوعِ بشر کے دینِ اصلی کے اصول پر مشتمل ہیں جس کے حقایق ناقص شکل میں مختلف مذاہبِ عمومی کے اندر جلوہ نما ہیں[2]، دوسری صدی عیسوی میں سلطنت روما کے اندر مذہبِ "عرفان[3]" رائج

---

[1] الفرک (Alfaric) ۔ "نوشتہ ہای مانوی" ج ۲ ص ۲۰۵ ، — بزبان فرانسیسی ،

[2] رائٹسن شٹائن (Reitzenstein) — "یونانی باطنی مذاہب" طبع دوم ص ۱۵ — بزبان جرمن ،

[3] gnosticism ، مذہب عرفان کے عقاید و مسائل نہایت پیچیدہ اور حیران کرنے والے ہیں اور ان کو سمجھنے کے لئے مذہب اور فلسفہ دونو کے جاننے کی ضرورت ہے ، عیسائیت سے پہلے عرفان میں یہودیت ، زرتشتیت اور فلسفۂ یونان کے مسائل مخلوط تھے لیکن عیسائیت کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت اور نوعیت کا مشکل مسئلہ اس میں اور داخل ہوا ، عرفانیوں کا سب سے بڑا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو نجات فقط عرفان (gnosis) کے ذریعے سے حاصل ہو سکتی ہے ، (مترجم) ،

ہُوا[۱]۔ عرفانی عقاید بیشک اس سے پیشتر بھی موجود تھے چنانچہ اسکندریہ کے یہودیوں میں وہ نمایاں طور سے دیکھنے میں آرہے ہیں لیکن ان کا منبع قدامت کی تاریکی میں گم ہے، دُوسری صدی عیسوی سے عرفانی مذہب والے عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے اپنے عقاید کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے، باسیلیڈیس[۲]، والنٹینوسس[۳] اور مارسیون[۴] کے مذہبی مسالک اور اوفائٹ[۵]، ناسین[۶] اور الکسائیٹ[۷] کے سلسلہ ہائے تصوف

[۱] رجوع بہ مآخذ ذیل :-

۱- فریڈلینڈر (Friedländer) - "عیسائیت سے پہلے یہودیوں میں مذہب عرفان" گوٹنگن سنہ ۱۸۹۸ء بزبان جرمن

۲- بوسے (Bousset) - "مذہب عرفان کے اہم مسائل" گوٹنگن سنہ ۱۹۰۷ء، بزبان فرانسیسی

۳- شُلٹس (Schultz) - "مذہب عرفان کے متعلق اسناد" (ویانا سنہ ۱۹۱۰ء) - جرمن

۴- لیگ (Legge) - "پیشروان و رقیبانِ مذہب عیسوی" - کمبرج سنہ ۱۹۱۵ء

۵- ڈریوز (Drews) - "عرفان زراسے عیسائیت کا ظہور" - بینا سنہ ۱۹۲۴ء بزبان جرمن

۶- لیزہ گانگ (Liesegang) - "عرفان" - لیپزگ سنہ ۱۹۲۴ء - جرمن

۷- ویزن ڈونک (Wesendonk) - "ایرانی روایات میں بشر ابتدائی اور رُوح" - ہانوور سنہ ۱۹۲۴ء جرمن

۸- دوفے (de Faye) - "عرفانی و عرفان" - پیرس سنہ ۱۹۲۵ء - فرانسیسی

۹- شیڈر Schaeder - مجلہ "عہد عتیق" (Die Antike) ج ۴ ص ۲۲۶ - ۲۶۵،

[۲] Basilides، قیصر ہیڈرین (Hadrian) کے زمانے میں (سنہ ۱۱۷ء - سنہ ۱۳۸ء) گزرا ہے، اسکندریہ کا رہنے والا تھا اور مذہب عرفان کے ایک خاص فرقے کا بانی تھا (مترجم) [۳] Valentinus دوسری صدی عیسوی میں (تقریباً سنہ ۱۳۲ء - سنہ ۱۶۱ء) روما میں اپنے مسلک کی تعلیم دیتا رہا۔ اصل میں یہودی تھا اور مصر کا رہنے والا تھا، (مترجم)، [۴] Marcion، ایشیائے کوچک کا رہنے والا اور دوسری صدی میں عرفان کے ایک فرقے کا بانی تھا (مترجم) [۵] Ophites، عرفانیوں کا ایک خاص فرقہ تھا جو سانپ کی پرستش کرتا تھا، یونانی زبان میں Ophis سانپ کو کہتے ہیں، ان کے نزدیک سانپ اس لیے مقدس تھا کہ بہشت میں آدم کو اسی نے "درختِ علم" کا پھل کھانے کی ترغیب دی تھی، اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اولادِ آدم علم سے اور لہٰذا عرفان سے محروم رہتی جس کے بغیر نجاتِ اخروی حاصل نہیں ہوسکتی، (مترجم) [۶] Naassenes، فرقۂ اوفائٹ کی ایک شاخ تھی، (مترجم)، [۷] Elkasaites یہ فرقہ دوسری صدی عیسوی کے شروع میں پیدا ہُوا اور اپنے بانی Elkasai کے نام سے معروف ہے، (مترجم)،

مذہب عرفان ہی کی مختلف شکلیں ہیں جن کے مراسم اور اعتقادات مختلف ہیں[1] لیکن باایں ہمہ ان تمام نظامات کی گونا گونی میں مشترک عقاید کی ایک رَو چلتی نظر آتی ہے،

ان میں سب سے پہلا عقیدہ ثنویت کا ہے، لیکن مزدائیوں کی ثنویت اور عرفانیوں کی ثنویت میں گہرا اختلاف ہے، مزدائیت کی رُو سے عالم نور اور عالم ظلمت میں سے ہر ایک بیک وقت روحانی بھی ہے اور مادی بھی، برعکس اس کے عرفانی عالمِ نُور کو عیناً عالم روح اور جہانِ ظلمت کو عیناً جہانِ مادہ سمجھتے ہیں، زندگی کے اس تصوّر کا نتیجہ انتہائی یاس پذیری اور ترکِ دنیا کی شکل میں ظاہر ہوُا،

مذہب عرفان میں خدا کی ذات مرئی دنیا بلکہ تصوّرات کی دنیا سے بھی پرے ہے، وہ خالقِ لایُدرک اور بے اسم ہے جس کو وہمِ انسانی نہیں پاسکتا، اسی خدائے اوّلین کی ذات سے کائنات صادر ہوئی ہے جو نشآت یا قرون کے ایک سلسلے کی شکل میں ہے جس کی ہر کڑی اپنے ماقبل والی کڑی سے گھٹ کر ہے حتیٰ کہ آخر میں مادّی دنیا ہے جو اس سلسلۂ نشآت میں سب سے آخری اور کثیف ترین ماحصل ہے لیکن اس میں اپنے منبعِ ربّانی کی طرف واپس جانے کا میلان موجود ہے، مادّہ یا عالمِ اجسام بدی کا مسکن ہے لیکن سرشتِ انسان میں ایک شعلۂ یزدانی ودیعت کیا گیا ہے جو اس کو نجات کی راہ دکھاتا ہے اور عالم نور تک اس کی معراج کے راستے میں (جو خدائی حکّامِ عدالت کے محکمۂ عدل میں سے ہو کر جاتا ہے) رہنما کا کام دیتا ہے، یہ تھا زمانۂ متأخّر کے عرفانیوں کا نظریۂ خلقِ عالم،

---

[1] بارڈیسانیس (Bardesanes) کے متعلّق جس نے بالخصوص مشرق میں بہت شہرت حاصل کی دیکھو ویزنڈونک (Wesendonk) کا مضمون بہ عنوان "بارڈیسانیس اور مانی" (Acta Orientalia) ج ۱۰، ص ۳۳۶ ببعد) اور شیڈر (Schaeder) کا مضمون بہ عنوان "بارڈیسانیس......" (مجلّۂ "تاریخ کلیسا" بزبان جرمن سنہ ۱۹۳۲ء ص ۲۱ ببعد)،

"انسان" یا "انسان اوّلین" ایک نیم ربّانی شخصیت ہے جس کا تصوّر معلوم ہوتا ہے کہ اساطیر ایران سے لیا گیا ہے[1]، بعض عرفانیوں نے اس کو آدم سمجھا ہے بعض کے نزدیک وہ یسوعِ ازلی ہے اور بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ پہلے وہ آدم اور بعد میں عیسیٰ کے جسم میں ظہور پذیر ہوا۔ وہ خدائے بزرگ کا مولودِ اوّل ہے جو مادّی دنیا میں نازل ہوا، وہ کائنات کی روح ہے، وہ خدائے ثانی ہے، وہ نفس ناطقہ ہے، وہ روحِ گویائی ہے، اسی کے ساتھ مادّے میں پستی کی ابتدا ہوئی اور ساتھ ہی نجات کے لئے جدّ و جہد کا آغاز ہوا۔ لیکن نجات تائید آسمانی کے بغیر ممکن نہیں ہے؛

افکارِ عرفانی کی ہر نوعیّت میں ہم کو ایک نجات دہندۂ آسمانی کا عقیدہ ملتا ہے اور یہی عقیدہ تھا جس کی وجہ سے عرفانیوں نے عیسائیت کو قبول کیا کیونکہ اُن کا وہ آسمانی نجات دہندہ اُن کو عیسیٰؑ کی شخصیت میں مل گیا، عرفانیوں کے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ ہی تھے جنہوں نے نبیۂ آسمانی صوفیا کو جو مادّی حالت کی پستی میں آن گری تھی نجات دی، فرقۂ والنٹینی[2] خدائے مُنجی (عیسیٰ) اور صوفیا کے درمیان ایک ازدواجِ مقدّس کو مانتے ہیں جس کی یادگار میں وہ "حجرۂ زفاف" کے مذہبی مراسم بجالاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اساطیر اور نظریۂ خلقِ عالم کے افسانے سب مراسمِ مذہبی کی تعبیر و تاویل کے طور پر شکل پذیر ہوئے، ان مراسم میں ایک شخص کائنات کی اُس جدّ و جہد کو مشاہدہ کرتا تھا جو وہ اپنی نجات کے لیے کر رہی ہے اور بذریعۂ عرفان خود نجات حاصل کرتا تھا جس سے مراد قیدِ مادّہ کی زنجیروں سے رہائی ہے؛ عرفان علمِ لدنّی ہے نہ علمِ فکری اور وہ کشف و شہود اور باطنی توجّہ سے حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعے سے انسان معرفتِ

---

[1] انسانِ اوّل یعنی گیومرت کے متعلق دیکھو آگے باب سوم، [2] Valentinian

معنوی سے ملہم ہو کر نئی زندگی میں آتا ہے ، شیڈر[1] نے عرفان کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ دانشِ حقیقی ہے جو محض اپنی صداقت سے انسان کو نجات کی طرف لے جاتی ہے ، عرفانیوں میں سے اکثر جن کے نظامِ افکار سے ہم کم و بیش آگاہ ہیں سلطنت روما کے ایشیائی صوبوں کے رہنے والے تھے ، بابل اور میسوپوٹیمیا کے عرفانی فرقوں میں سے ایک فرقہ مینڈیئن[2] تھا اور ایک وہ جس کو عربی کتابوں میں المغتسلہ لکھا گیا ہے اور وہ مذہبِ مانوی کے مآخذ میں سے ہے[3]، عرب مصنّفوں نے مشرق کے تمام عرفانی فرقوں کو جن کے عقاید زمانۂ اسلام تک رائج رہے[4] حنیف یا صابئین کے نام میں شامل کر لیا ہے[5]،

یونانیوں کے دورِ حکومت میں بدھ مذہب ایران کے مشرقی علاقوں میں پھیل گیا ، ہندوستان کے راجہ اشوکا نے جس نے ۲۶۰ سنہ قبل مسیح کے قریب بدھ مذہب قبول کیا چند مبلّغ گندہار (یعنی وادی کابل) اور باختر میں بھیجے ، ایک بادشاہ موسوم بہ اگاتھوکلیس[6]

---

[1] Schaeder ، "نظامِ مذہبِ مانوی کی قدیم صورت اور اس کی توسیعات" ص ۱۲۱ ، — بزبان جرمن ،

[2] Mandaeans ، ("مندیہ" بزبانِ آرامی بمعنی اولوالعلم) ، اس فرقے کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں اور "صابئون" کہلاتے ہیں ، وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں تاہم John the Baptist کو مانتے ہیں، عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحییٰؑ کی امّت کہتے ہیں ، (مترجم) ،

[3] الفہرست ، طبع فلوگل (Flügel) ص ۳۴ ، نیز رجوع بہ "سیرت مانی" از فلوگل ص ۱۳۳ ببعد، اور شیڈر ، کتاب مذکور ص ۶۹ ،

[4] دیکھو شیڈر کا مضمون بہ عنوان "تعلیم اسلام" در مجلّۂ انجمن آسیائی آلمانی" سنہ ۱۹۲۵ء (ج ۷۹ ص ۱۹۲ ببعد) ،

[5] دیکھو پیڈرسن کا مضمون بہ عنوان "صابئین" در کتاب "عجب نامہ" جو پروفیسر براؤن کی ساٹھویں سالگرہ کی یادگار میں طبع کی گئی تھی ، کمبرج سنہ ۱۹۲۲ء ، ص ۳۸۳ ببعد ،

[6] Agathocles

نے جو اراخوزیا اور ورنگیانا[1] میں (تقریباً ۱۸۰ سنہ ۔ ۱۶۵ سنہ قبل مسیح) حکومت کرتا تھا کچھ سکے لگائے جن پر بدھ مت کے ایک سٹوپا کی تصویر تھی، دوسری صدی قبل مسیح کے وسط میں شمال اور جنوب کے بدھ مذہب والوں میں نزاع کے سبب اختلافِ مذہب پیدا ہوا، جنوب والے جو اپنے مذہب کو ہنیانہ یعنی "کشتیٔ خورد" کہتے تھے سختی کے ساتھ بانیٔ مذہب کی تعلیم پر عمل پیرا رہے لیکن شمالی مذہب نے جو مہایانہ ("کشتیٔ بزرگ") کے نام سے موسوم تھا ہندوستان کے دوسرے مذاہب کے عقیدوں کو اختیار کرلیا اور وہ ہمیشہ مقبول عام عقاید کے اثرات کو قبول کرنے کے لئے زیادہ آمادہ رہا، بدھ مذہب کی جو شکل وسط ایشیا کے ممالک میں رائج ہوئی وہ شریعتِ مہایانہ تھی، راجہ کنشکا نے علمار کی ایک انجمن منعقد کرائی جس نے شریعتِ مہایانہ کے اصول منضبط کیے اور اس کے قوانین پر نظرِ ثانی کی جن کو بزبان سنسکرت تحریر کیا گیا،

گندھار میں بدھ مذہب والوں نے سنِ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں بہت سے وِہارے (خانقاہیں) تعمیر کیے جن کے کھنڈرات میں ہمیں پتھروں کی برجستہ تصاویر میں "یونانی ہندی" آرٹ کے نمونے ملتے ہیں جن میں بدھ کی زندگی کے سین دکھلائے گیے ہیں نیز بودھی ستّواؤں[2] اور بُدھ ہائے آیندہ کی تصویریں بنائی گئی ہیں، گندہار آرٹ چوتھی صدی عیسوی میں اپنے معراجِ کمال پر پہنچا[3]، بُدھائی مصوّری کے بظاہر قدیم ترین نمونے جو "یونانی ہندی" طرز پر بنائے گئے ہیں تیسری صدی عیسوی سے تعلّق رکھتے ہیں اور وہ حال ہی میں چینی ترکستان میں بعض مقامات کو کھودنے سے

---

[1] Arachosia، Drangiana،

[2] Bodhisattvas

[3] فوشیر (Foucher): "گندھار کا یونانی بُدھائی آرٹ" (بزبان فرانسیسی)، پیرس ۱۹۰۵ء،

دستیاب ہوئے ہیں، [1]

کابل کے مغرب کی طرف مقام بامیان میں بُدھ کے بعض دیو پیکر مجسمے پائے گئے ہیں جو پہاڑ کے ایک ٹیلے کو تراش کر بنائے گئے ہیں، ان مجسموں کی محرابوں میں بعض تصویریں ہیں جن کا انداز ہمیں وسط ایشیا کی تصویروں کو یاد دلاتا ہے اور جو بعض جزئیات میں شاپور اوّل کے عہد کی ساسانی تصویر تراشی کے انداز سے بہت مشابہت رکھتا ہے [2]

ساتویں صدی عیسوی تک ساسانی ایران میں بُدھائی خانقاہوں کی موجودگی کی تصدیق ہیوئن سیانگ کے بیان سے ہوتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ ایران میں ہندوستان کے اور مذاہب کے پیرو بھی موجود ہیں، یہ یقیناً ایران کے مشرقی صوبوں کے متعلق صحیح مانا جاسکتا ہے، [3]

۴۔ عامیانہ اور ادبی زبانیں

گذشتہ پچیس برس کے عرصے میں چینی ترکستان میں جو اکتشافات ہوئے ہیں اُن

---

[1] شٹائن Stein ۔ "ختن کے ریت میں دبے ہوئے کھنڈرات"، لنڈن سنہ ۱۹۰۴ء، ایضاً۔ "ختن قدیم" اکسفورڈ سنہ ۱۹۰۷ء، ایضاً۔ "صحرای خطا کے کھنڈرات" لنڈن سنہ ۱۹۱۲ء، گرُون ویڈل Grünwedel "چینی ترکستان کے قدیم بُدھائی آثار" برلن سنہ ۱۹۱۲ء (بزبان جرمن)،
فون لوکوک Von le Coq "خوچو" برلن سنہ ۱۹۱۳ء ۔ (جرمن)

[2] گودار و ہیکن Godard and Hackin ۔ "بامیان کے قدیم بُدھائی آثار" پیرس سنہ ۱۹۲۸ء (فرانسیسی)، ہیکن و کارل ۔ "بامیان کے آثار قدیمہ پر جدید تحقیقات" پیرس سنہ ۱۹۳۳ء (فرانسیسی)۔ ہیکن: "کارِ جماعتِ حفّارانِ فرانسوی در افغانستان" ٹوکیو سنہ ۱۹۳۳ء (فرانسیسی)

[3] بیل Beal ۔ "دُنیائے مغرب میں آثار بُدھائی" (لنڈن سنہ ۱۹۰۶ء) ج ۲ ص ۲۷۸،

کی وجہ سے ایران کی السنۂ متوسطہ[1] کے متعلق ہماری معلومات میں بہت اضافہ ہوا ہے، علمی جماعتیں جو پے درپے ان اطراف میں گئی ہیں انھوں نے بیشمار مذہبی اور غیر مذہبی تالیفات کے اجزا ڈھونڈ نکالے ہیں جو مختلف زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں جن میں سے بعض تو ناقص طور پر معلوم تھیں اور بعض بالکل غیر معلوم تھیں[2]،

ان علمی جماعتوں نے اس قسم کے جو اجزا جمع کیے ہیں وہ بدھائی، مانوی اور عیسائی کتابوں کے ہیں اور سنسکرت، چینی، تبتی، اویغوری، پہلوی، سغدی، ساکائی، اور طخاری زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں، ماہرینِ السنہ نے ان پر علمی تحقیقات کا کام کیا ہے لیکن پھر بھی ان میں سے اکثر اجزا ابھی تک بے تحقیق اور نامرتب پڑے ہیں،

چینی ترکستان کے اکتشافات سے پہلے ایران کی السنۂ متوسطہ میں سے صرف دو معلوم تھیں، ایک تو "ساسانی پہلوی" جو ایران کے جنوب مغرب (فارس) میں

---

[1] ماہرین السنہ نے ایران کی زبانوں کو تاریخی اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے: (۱) السنۂ قدیمہ جو عہد ہخامنشی میں مروج تھیں جن میں فارسی قدیم (بخط میخی) اور اوستا بہت اہم ہیں، (۲) السنۂ متوسطہ جو اشکانی اور ساسانی عہد کی زبانیں تھیں، (۳) السنۂ جدیدہ جو عہد اسلامی میں وجود میں آئیں (مترجم)،

[2] علمائے انگریزی کی جماعت شٹائن Stein کی سرکردگی میں اول سنہ ۱۹۰۰ء میں اور پھر سنہ ۱۹۰۶ء سنہ ۱۹۰۸ء میں بھیجی گئی، جرمن محققین کی جماعتیں گرون ویڈل Grünwedel اور ہوٹ Huth کے ماتحت سنہ ۱۹۰۲ء - سنہ ۱۹۰۳ء میں، فون لوکوک Von le Coq کے ماتحت سنہ ۱۹۰۴ء میں، گرون ویڈل اور لوکوک کے ماتحت سنہ ۱۹۰۵ء - سنہ ۱۹۰۶ء میں، لوکوک اور بارٹس Bartus کے ماتحت سنہ ۱۹۱۳ء اور سنہ ۱۹۱۴ء میں گئیں، فرانسیسی جماعت موسیو پیلیو کی رہنمائی میں سنہ ۱۹۰۶ء سنہ ۱۹۰۹ء میں گئی، ان کے علاوہ متعدد روسی جماعتیں موسیو ڈولڈنبرگ d'Oldenburg کے زیر ہدایت بھیجی گئیں جن میں سے آخری سنہ ۱۹۱۴ء - سنہ ۱۹۱۵ء میں وہاں مصروف کار رہی، جاپان سے بھی کئی جماعتیں سنہ ۱۹۲۰ء کے بعد سے جا چکی ہیں،

بولی جاتی تھی اور ساسانیوں کے زمانے میں سرکاری زبان تھی، دوسری وہ جو ساسانی پہلوی کے ساتھ ساتھ خاندانِ ساسانی کے ابتدائی بادشاہوں کے بعض کتبوں میں پائی جاتی ہے اور جس کو شروع شروع میں محققین نے "کلدانی پہلوی" کا نامناسب نام دیا، آخر الذکر کو آنڈریاس[1] نے "اشکانی پہلوی" قرار دیا ہے جو پارتھیوں کے عہد کی سرکاری زبان تھی، یہ دونو زبانیں ایسے خطوط میں لکھی ہوئی ہیں جن کی ابجد آرامی زبان سے مشتق ہے، لیکن دونو کے حروف شکلوں میں مختلف ہیں، عہدِ ساسانی کے زرتشتیوں کا مذہبی لٹریچر ساسانی پہلوی میں لکھا گیا تھا لیکن اس میں سے جتنا ہمارے زمانے تک پہنچا ہے وہ سب ساسانیوں کے عہد کے بعد کا نقل کیا ہوا ہے اور صحت کے اعتبار سے خاصا ناقص ہے، پہلوی ابجد کے بہت سے حروف کئی کئی طرح سے پڑھے جا سکتے ہیں جس کی وجہ سے پڑھنے میں اٹکل سے کام لینا پڑتا ہے اور لہذا غلطیاں ہوتی ہیں، اس کے علاوہ ایک مشکل یہ ہے کہ پہلوی میں بہت سے الفاظ (خصوصاً معمولی اور مانوس الفاظ) کو آرامی زبان میں لکھ کر فارسی میں پڑھا جاتا ہے[2] اور پھر فعل کے مختلف صیغوں میں لفظ کا آخری جزء (جس سے صیغہ متعین ہوتا ہے) فارسی صرف کے مطابق ہوتا ہے،

چینی ترکستان کے علاقہ تُرفان میں بیشمار اجزا مانوی کتابوں کے پائے گئے ہیں جو ایک سریانی رسم الخط میں لکھے ہوئے ہیں جس کا نام اسٹرانگلو[3] ہے، ان میں آرامی الفاظ کا عنصر نہیں ہے بلکہ سب لفظ اپنی خالص ایرانی شکل میں لکھے گئے ہیں، آنڈریاس نے جلد ہی اس بات کو ثابت کر دیا کہ ان اجزا میں دو نو قسم کی زبان (یعنی اشکانی اور ساسانی

[1] Andreas جرمن مستشرق (مترجم)،
[2] مثلاً آرامی زبان میں روٹی کو لحما کہتے ہیں۔پس لکھنے میں لفظ "لحما" لکھا جائیگا اور پڑھنے میں "نان" پڑھا جائیگا، (مترجم)،
[3] Estrnghelo

پہلوی) موجود ہے لیکن نہ تو میولر[1] نے جو سب سے پہلا محقّق ہے جس نے ان اجزا کا ایرانی ہونا ثابت کیا اور ان میں سے کچھ اقتباسات شائع کئے[2] اور نہ سالمان[3] نے جس نے میولر کے اقتباسات کو نظرِ ثانی کے بعد عبرانی حروف میں مع فرہنگ[4] طبع کیا ان دونوں زبانوں کا فرق صریح طور پر بتلایا، آنڈریاس نے دونوں کے اصولی اختلافات کو مشخص کیا[5] اور پھر ٹڈسکو[6] نے بالتفصیل ان کی شرح کی[7]، عہدِ اشکانی کی زبان وسطی ایران کے مجموعۂ السنہ سے تعلّق رکھتی ہے جس کا نمائندہ زمانۂ حال میں نواحِ بحرِ خزر کی زبانوں میں سمنانی زبان ہے اور نواحِ کاشان و اصفہان کی زبانوں میں گُورانی زبان ہے، وغیرہ،

ان دو ادبی زبانوں (یعنی اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی) کو اکثر اوقات علی الترتیب "شمالی یا شمال مغربی" اور "جنوب مغربی" زبانوں کا نام دیا جاتا ہے، ان کے قواعدِ اصوات کی گہری واقفیت نے ہمیں اس قابل بنا دیا ہے کہ ہم زبانِ اشکانی (شمالی) کا اثر ساسانی پہلوی (جنوب مغربی) پر معلوم کر سکیں اور یہ اثر گویا اشکانی تہذیب کا اثر ساسانی تہذیب پر ہے، بہت سے الفاظ جو مذہبی، سیاسی اور معاشرتی زندگی سے تعلّق رکھتے ہیں یا ہتھیاروں اور سواریوں کے نام ہیں یا طبّی اصطلاحات ہیں یا روزمرہ کے محاورات ہیں یہاں تک کہ معمولی افعال جو ساسانی پہلوی اور فارسی میں عام طور سے استعمال ہوتے ہیں اشکانی پہلوی کی شکل

---

[1] Müller. [2] "ترفان کے مخطوطات بخطِ اسطرانگلو" (روئداد پرشین اکاڈمی سنہ ۱۹۰۴ء)، اور مضمون بہ عنوان "مناجات ہائے مانوی کی کتاب (مہرنامگ) میں سے دو ورق" (ایضاً سنہ ۱۹۱۲ء)، [3] Saiemann، [4] "مطالعاتِ مانوی" (رسائل اکاڈمی سینٹ پیٹرزبرگ بابت سنہ ۱۹۰۸ء و سنہ ۱۹۰۷ء سنہ ۱۹۱۲ء)، [5] دیکھو "تحقیقات کُردی و فارسی" تالیف مَن Mann حصّۂ اول، مقدمہ ص ۱۴ ببعد، [6] Tedesco .

[7] مضمون بہ عنوان "نوشتہ ہائے ترفان میں مغربی ایران کی زبانیں" در رسالہ "مشرقی دنیا" Le Monde Orientale ج ۱۵ ص ۱۸۴ ببعد،

میں محفوظ ہیں[1]، زبانِ فارسی کے قواعدِ تلفظ میں جو بظاہر بعض بے قاعدگیاں نظر آتی ہیں اُن کی وجہ دراصل یہ ہے کہ "شمالی" لہجے کے الفاظ "جنوب مغربی" زبان میں (جو ساسانیوں کی آمد کے وقت سے سرکاری زبان بن گئی تھی) سرایت کر گئے ہیں[2]

ایران کی دوسری زبانیں مشرقی صوبوں کی آبادی میں رائج تھیں، مانوی کتابوں کے اُن اجزا کے علاوہ جو دو مذکورہ بالا پہلوی زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں تُرفان میں بعض اوراق ایک اور زبان میں بھی لکھے ہوئے ملے ہیں جس کو آنڈریاس نے سُغدی زبان قرار دیا ہے، جب سے کہ کتاب "عہد جدید" (انجیل) کے بعض اجزا سُغدی میں ترجمہ شدہ دستیاب ہوئے ہیں ہمارے لئے اس زبان کا مطالعہ بہت آسان ہو گیا ہے، اس کے علاوہ بعض بُدھائی کتابوں کے متن قدیم سُغدی زبان میں لکھے ہوئے پائے گئے ہیں، ان چیزوں کو دیکھ کر ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ زبانِ سُغدی کی اہمیت کس قدر تھی، اس کی آخری اولاد وہ زبان ہے جو ہمارے زمانے میں سطح مرتفع پامیر کی وادی یغنوب میں بولی جاتی ہے، موسیو گوتیو[3] کی رائے ہے کہ "سنہٗ عیسوی کے شروع میں زبان سُغدی دیوارِ چین سے لے کر بخط مستقیم سمرقند اور اس سے آگے مغرب تک رائج تھی" صدیوں تک یہ زبان وسط ایشیا میں بین الاقوامی زبان رہی اور بدھ مذہب اور مانوی مذہب کی کتابوں نے اسی زبان کے توسط سے قبائلِ اتراک تک رسائی

---

[1] لینٹس Lentz : مضمون بعنوان "فردوسی کی ادبی زبان میں شمالی ایرانی عنصر" (مجلّۂ ایران و ہند شناسی" بزبان جرمن ج ۴ ص ۲۵۱ ببعد)، [2] نوشتہ ہای تُرفان کی "شمالی زبان" کو موسیو شیڈر نے خراسان کے مانوی فرقوں کی زبان قرار دیا ہے، خراسان ساسانی سلطنت کا شمال مشرقی علاقہ تھا جہاں مانویوں نے حکومت کے اُن ظلموں سے بچنے کے لئے پناہ لی تھی جو مانی کی وفات کے بعد ان پر توڑے گئے (دیکھو آگے باب چہارم) اشکانی زبان اس علاقے میں بہ نسبت مغربی علاقوں کے زیادہ دیر تک محفوظ رہی، (رسالہ نومن Gnomon ج ۹ ص ۳۵۸)،

[3] Gauthiot

حاصل کی،[1]

چینی ترکستان کے حفریات میں بعض بدھ مذہب کی کتابوں کے اجزا دستیاب ہوئے ہیں جو دو ایسی زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں کہ اب تک غیر معروف ہیں لیکن ان کو اب ساکائی اور ختاری زبانوں کے نام دیئے گئے ہیں،

---

[1]، رجوع بہ مآخذ ذیل :-

۱- میولر Muller - "ترفان کے مخطوطات بخط استرانگلو" (ج ۲ ص ۹۶ - ۱۰۳)

ایضاً، "متونِ سُغدی" (روئداد پرشین اکاڈمی ۱۹۱۳ء)، بزبان جرمن

۲- گوتیو - "وسنترِ جاتکا کا سُغدی ترجمہ" (رسالۂ آسیائی بزبان فرنچ ۱۹۱۲ء)

ایضاً - "سُغدی گرامر پر جواب مضمون" حصۂ اوّل (پیرس ۱۹۱۴ - ۱۹۲۳ء)

حصہ دوم از بن ونشت Benveniste ، ۱۹۲۹ء، (فرنچ)

۳- گوتیو، پیلیو اور بن ونشت، "علت و معلول کا سُوترا" حصہ اول و دوم (پیرس ۱۹۲۰ء - ۱۹۲۸ء)، بزبان فرنچ،

۴- "رسائل موسیو روزن برگ Rosenberg در زاپسکی Zapiski ج ۲۶ و در "اطلاعاتِ اکاڈمی علوم در روس" ۱۹۱۸ء، ۱۹۲۰ء و ۱۹۳۱ء،

۵- رائشلٹ Reichelt - "مخطوطات سُغدی در موزۂ بریطانیہ" جلد اوّل و دوم، ہائیڈل برگ ۱۹۲۸ء - ۱۹۳۱ء) بزبان جرمن،

۶- ہانسن Hansen - "قرابالگاسون کا سُغدی کتبہ" در مجلۂ انجمن فینواُوگرین Finno-Ougrian ۱۹۳۰ء، جرمن،

۷- میولر Müller - "متونِ سُغدی" ج ۲ - (روئداد پرشین اکاڈمی ۱۹۳۴ء)،

۸- طڈسکو Tedesco - "مجلۂ ایران و ہند شناسی" ۱۹۲۵ء ص ۹۴ بیعد، (جرمن)،

زبان ساکائی[1] یعنی اِنڈوسکیتھین (ہندوساکائی) اُس مجموعۂ السنہ سے تعلّق رکھتی ہے جو "مشرقی ایرانی" زبانیں کہلاتی ہیں جن کی نمایندہ آج کل افغانی (پشتو) زبان اور سطح مرتفع پامیر کی بعض زبانیں ہیں مثلاً سَری قولی، شُغنی، وَخی، وغیرہ، زبان طُخاری کے متعلّق سب سے پہلے ببولر، سِیگ اور سِیگلن[2] نے اور پھر موسیو مے یے[3] نے ثابت کیا کہ وہ ایک اِنڈویورپین زبان ہے، یہ بیشک درست ہے لیکن وہ آریائی زبان نہیں ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ زبانوں کی اُس جماعت سے

---

[1] رجوع بہ مآخذ ذیل:-

۱- لُوئمن Leumann "شمالی آریائی (یعنی ساکائی) زبانیں اور ان کی ادبیات (رسائل انجمن علمی در شتراس برگ، ۱۹۱۲ء)، ایضاً- "مَیتریا سِمتی" "شتراس برگ ۱۹۱۹ء- ایضاً، "ادبیات بُدھائی" ۱۹۲۰ء،

۲- رائشلٹ Reichelt - "سالنامۂ انڈوجرمانی" ۱۹۱۳ء ص ۲۰ بعد،

۳- شٹن کونو Sten Konow - "قدیم آریائی زبان میں ایک بُدھائی کتاب کے اجزاء (رسالۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۹۱۴ء)، ایضاً- "مخطوطات خُتنی" (اکسفورڈ ۱۹۱۶ء)- ایضاً، مضامین ہندوساکائی" (روئداد پرشین اکاڈمی ۱۹۱۶ء ص ۸۰ بعد)، ایضاً، "بھدراکالپکا سُوتْرا کا ساکائی ترجمہ" (اوسلو ۱۹۲۹ء)، ایضاً، "مطالعات ساکائی" (اوسلو ۱۹۳۲ء)،

۴- لوئمن- "ایک نئے ساکائی متن کی اڈیشن" ۱۹۳۴ء، ایضاً، "سُوَرنبھا سُوتْرا کے قلمی نسخے کے بارہ ورق در زبان ساکائی ختن" (روئداد پرشین اکاڈمی ۱۹۳۵ء)، ایضاً- "ایک نئی ساکائی زبان" (ایضاً ۱۹۳۵ء)،

۵- لوڈرس Lüders "ساکائی مُورا" (ایضاً ۱۹۱۹ء)

۶- ٹنڈسکو- "مجلّۂ ایران و ہندشناسی" ۱۹۲۵ء ص ۹۴ بعد،

[2] Sieg and Sieglin

[3] Meillet

تعلّق رکھتی ہے جس کو سنٹوم[1] کہتے ہیں اور ایٹالو سیلٹک[2] کے ساتھ قریب ترین علاقہ رکھتی ہے[3]،

السنۂ سامی میں سے آرامی زبان قدیم زمانے سے ایشیا کے مغربی حدود پر عام رواج پا گئی تھی، شاہان ہخامنشی کے سرکاری دفتروں میں وہ استعمال کی جاتی تھی، خطّ میخی کا استعمال بجز کتبوں کے اور کسی قسم کی تحریر میں بسہولت نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا عام تحریروں میں آرامی رسم الخط استعمال ہونے لگا یہاں تک کہ فارسی زبان کی تحریریں بھی اسی خط میں لکھی جانے لگیں، یہیں سے پہلوی رسم الخط کی ابتدا ہوئی اور یہیں سے یہ رسم پیدا ہوئی کہ الفاظ کو آرامی زبان میں لکھ کر فارسی زبان میں پڑھا جائے[4]،

---

[1] Centum، انڈو یورپین زبانوں کو حال ہی میں دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس تقسیم کی بنیاد لفظ "صد" (بمعنی سَو) کے تلفّظ پر رکھی گئی ہے، ایک گروہ مشرقی زبانوں کا ہے جو سَو کو "سٹ" کہتے ہیں، اس میں تمام مشرقی آریائی زبانیں اور ارمنی اور البانی اور لیٹوانی اور سلاوی شامل ہیں، دوسرا گروہ مغربی زبانوں کا ہے جو سَو کو "سنٹ" (باضافہ نون) بولتے ہیں، اس میں یونانی، لاطینی، سلٹک اور جرمانی زبانیں شامل ہیں، دوسری قسم کی زبانوں کو سنٹوم کہتے ہیں، (مترجم)،

[2] Italo-Celtic

[3] رجوع بہ مآخذ ذیل:-

۱- میولر، "زبان طخاری" (روئداد پرشین اکاڈمی سنہ ۱۹۰۷ء)

۲- سیگ و سیگلن، "زبان طخاری" (ایضاً سنہ ۱۹۰۸ء)

۳- مے یے - "طخاریان" (سالنامۂ انڈو جرمانی سنہ ۱۹۱۲ء ص ۱۲ ببعد)

۴- سلوین لیوی Sylvain Levi "اجزاء کوچین" کلمۂ "کوچین" بمعنی "طخاری" ہے

۵- سیگ و سیگلن - "زبان طخاری کے آثار باقیہ" برلن سنہ ۱۹۲۱ء (جرمن)

۶- پیڈرسن Pedersen - "انڈو یورپین زبانوں کی جماعت بندی" سنہ ۱۹۲۵ء، (فرینچ)

[4] شیڈر Schæder "مضامین ایرانی" (ہالہ سنہ ۱۹۳۰ء) - جرمن،
"نوشتہ ہای انجمن علمی کونگس برگ (جرمنی)" سال ششم، حصہ پنجم
میسنا Messina "آرامی قدیم" (روما سنہ ۱۹۳۴ء)، اطالوی،

ساسانیوں کے عہد میں سامی نسل کے عیسائیوں کی زبان جو سلطنت ایران میں رہتے تھے سریانی تھی جس کا مولد و منشا شہر اڈیسا[۱] تھا،

سرزمین ایران میں سکندر اور اس کے جانشینوں نے جو یونانی بستیاں بسائیں وہ عرصہ ہائے دراز تک زبان یونانی کا ملجا و ماوی بنی رہیں، شاہان اشکانی یونانی زبان اور اس کی ادبیات کا احترام اس حد تک کرتے تھے کہ اس میں پرستش کا شائبہ پایا جاتا ہے، "مشتاق یونان"[۲] کا لقب جسے شاہ متریدات (مہرداد) اوّل نے اختیار کیا تھا اس کے تمام جانشینوں نے برقرار رکھا چنانچہ وہ منجملہ اور یونانی القاب کے ان کے سکّوں پر لکھا ہوا پایا جاتا ہے، اشکانی سکّوں کے وہ نمونے جو ان کے ابتدائی دور سے تعلّق رکھتے ہیں سرتاسر یونانی ہیں، شاہ اُرُود[۳] اوّل نے جب رومن سپہ سالار کراسوس پر فتح پائی تو حکم دیا کہ یُورپیڈیس[۴] کا یونانی ڈراما بیکائی[۵] اُس کے سامنے کر کے دکھایا جائے۔ بعض اشکانی بادشاہوں کے کتبے یونانی زبان میں لکھے ہوئے اب تک باقی ہیں، لیکن رفتہ رفتہ یونانیت فنا ہونے لگی خصوصاً پہلی صدی عیسوی سے اس کے خاتمے کے آثار زیادہ نمایاں ہونے لگے اور اسی صدی میں ایرانی تمدّن کا احیا شروع ہُوا، سکّوں کا نمونہ یونانی طرز سے دُور ہوتا گیا اور اُن پر اب یونانی کے ساتھ ساتھ پہلوی بھی لکھی جانے لگی اور یونانی دن بہ دن غلط تر اور بدتر ہوتی چلی گئی، لیکن با این ہمہ یونانی زبان سلطنت کے بعض علاقوں میں بولی جاتی رہی اور ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے دو مذکورہ بالا پہلوی زبانوں کے ساتھ ساتھ اپنے کتبوں میں یونانی کو بھی استعمال کیا،[۶]

---

[۱] Edessa جس کو عرب مصنّف رُہا لکھتے ہیں (مترجم)، [۲] Phil-Hellenes
[۳] Orodes I (۵۵ق.م - ۳۷ق.م)، [۴] Euripides مشہور یونانی ڈراما نویس، (مترجم)، [۵] Bacchæ

فصل دوم

عہد ساسانی کی سیاسی اور تمدّنی تاریخ کے مآخذ

۱۔ معاصر ایرانی مآخذ، ادبیّات پہلوی

ساسانی تاریخ کے مآخذ میں سب سے پہلے تو کچھ کتبے ہیں لیکن ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بالتّفصیل اور کامل طور سے صحّت کے ساتھ پڑھے نہیں جاتے، ساسانی کتبوں میں سب سے زیادہ طویل پای کُلی کا کتبہ ہے جو قصرِ شیرین کے شمال میں صوبۂ کردستان میں واقع ہے، یہ کتبہ دونو سرکاری زبانوں (یعنی اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی) میں ایک مربّع مینار کے پہلوؤں پر کندہ ہے، شاہ نرسی کی برجستہ تصویر مینار کے چاروں ضلعوں پر بنائی گئی ہے، مینار منہدم ہو چکا ہے صرف اس کی کُرسی باقی ہے، پتّھر کی سلیں جن پر کتبہ کندہ تھا اکثر غائب ہو چکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ زمین پر بکھری پڑی ہیں، اس کتبے کے بعض قطعات کو نہایت ناقص شکل میں مسٹر ٹامس نے سنہ ۱۸۶۸ع میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے میں شائع کیا تھا بمطابق اُس نقل کے جو رالنسن نے لی تھی، آنڈریاس نے جب فضلاء کی توجّہ پای کُلی کے کتبے کی طرف منعطف کرائی تو موسیو ہرتسفلٹ سنہ ۱۹۱۱ع میں اس کو دیکھنے کے لیے گئے، دوبارہ سنہ ۱۹۱۳ع

میں انھوں نے پھر وہاں کا سفر کیا اور پتھروں کے فوٹو اور چربے اُتار کر لائے، ۱۹۱۴ء میں اُنھوں نے برلن اکیڈمی کی روئداد میں اس کتبے کے متعلق ایک تمہیدی بیان شائع کیا اور بالآخر ۱۹۲۴ء میں اُنھوں نے دو بڑی جلدوں میں کتبۂ پای کُلی کے جملہ اجزا مع چند دیگر کتبوں کے انگریزی ترجمے کے ساتھ شائع کئے جس کے ساتھ مفصّل شرح اور ایک مکمّل فرہنگ بھی شامل ہے[۱]، جلد دوم میں کتبوں کی تمام عبارات کے فوٹو گراف دیے ہیں، مصنّف نے کتاب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ کتبۂ پای کُلی کے جتنے قطعات باقی بچے ہیں ان کو ترتیب میں رکھا جائے اور جہاں تک ممکن ہو متن کی اصلی شکل کو قائم کیا جائے، اس کتاب میں بہت سی مفید اطّلاعات موجود ہیں اور اس کتبے کی یہ اڈیشن (خواہ اس کا متن کیسی ہی شکستہ اور پراگندہ حالت میں ہے) اُن دو پہلوی زبانوں کے متعلّق جو اس میں پائی جاتی ہیں ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہے،

اس کے علاوہ ساسانی کتبوں کی فہرست حسب ذیل ہے :-

۱- اردشیر اوّل کا کتبہ نقش رستم میں بہ نقوشِ برجستہ جو تین زبانوں میں لکھا ہوا ہے یعنی ساسانی پہلوی، اشکانی پہلوی اور یونانی، کتبے کی عبارت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ دو برجستہ تصاویر شاہ اردشیر اوّل اور خدائے بزرگ اہُرا مزدا کی ہیں، (دیکھو ہرتسفلٹ: پای کُلی، ج ۱ ص ۸۴ ببعد)، کتبے کی تصویر کے لیے دیکھو اس کتاب کا باب اوّل،

۲- شاپور اوّل کا کتبہ نقش رستم میں بہ نقوشِ برجستہ جو پہلے کی طرح تین زبانوں میں لکھا ہوا ہے، عبارت میں یہ مذکور ہے کہ برجستہ تصویر شاہ شاپور پسر اردشیر کی ہے، (دیکھو ہرتسفلٹ : پای کُلی ج ۱ ص ۸۶) کتبے کی تصویر کے لیے دیکھو اس کتاب کا باب چہارم،

[۱]- "پای کُلی، سلطنت ساسانی کی ابتدائی تاریخ کے متعلق کتبہ اور یادگار" برلن ۱۹۲۴ء،

۳- شاپور اوّل کا کتبہ حاجی آباد میں جو دو زبانوں میں لکھا ہوا ہے یعنی اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی، اس میں کسی موقع پر بادشاہ کی تیراندازی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس کی عبارت کتاب بُندہِشن (طبع ویسٹر گارڈ[1]) کے آخر میں (ص ۸۳ - ۸۴) دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا اصلی متن مع ترجمہ (جو اس کتبے کا آخری ترجمہ ہے) ہرتسفلٹ کی کتاب پای کُلی (ج ۱ ص ۸۷ - ۸۹) میں دیا گیا ہے،

۴- موبد کردیر ہرمزد کا کتبہ نقش رجب میں بزبان ساسانی پہلوی، کتبے میں مصنّف نے اپنی تقویٰ کی زندگی کا حال لکھا ہے اور سلطنت ایران کے لیے اپنی خدمات کا ذکر کیا ہے جو اس نے شاپور اوّل، ہرمزد اوّل، بہرام اوّل اور بہرام دوم کے عہد میں انجام دیں۔ (ہرتسفلٹ، پای کُلی ج ۱ ص ۸۹ - ۹۲)،

۵- موبد مذکور کا ایک اور کتبہ جو نقش رستم میں شاپور اوّل کی برجستہ تصویر کے اوپر ہے، لیکن اس کی عبارت بالکل مٹ چکی ہے، (دیکھو ہرتسفلٹ، پای کُلی ص ۹۲ - ۹۳)،

۶- پای کُلی میں شاہ نرسی کا کتبہ جو دو زبانوں میں لکھا ہوا ہے، اس میں شاہ نرسی اور بہرام سوم کی لڑائی اور امرا کے اطاعت قبول کرنے کا بیان ہے، (ہرتسفلٹ، پای کُلی ج ۱ ص ۹۴ - ۱۱۹)،

۷- شاپور (فارس) میں ساسانی پہلوی کتبہ جو شاہ بہرام اوّل کی برجستہ تصویر پر کندہ ہے، اس میں شاہ نرسی، اس کے باپ اور اس کے دادا کے اسماء و القاب درج ہیں، (ہرتسفلٹ، پای کُلی، ج ۱ ص ۱۲۰، نیز دیکھو ص ۱۷۴)، کتبے کی تصویر کے لیے دیکھو اس کتاب کا باب پنجم،

---

[1] Westergaard

۸۔ شاپور دوم کا کتبہ بزبان ساسانی پہلوی جو طاقِ بُستان میں دو شاپوروں (شاپور اوّل و شاپور دوم) کی برجستہ تصاویر کے دہنی طرف ایک چھوٹی سی محراب میں کندہ ہے، اس میں شاپور ثانی، اس کے باپ اور اس کے دادا کے اسماء و القاب درج ہیں، (ہرتسفلٹ، پای کُلی، ج ا ص ۱۲۳)، کتبے کی تصویر کے لیے دیکھو اس کتاب کا باب پنجم،

۹۔ شاپور سوم کا کتبہ بزبان ساسانی پہلوی جو ان برجستہ تصاویر کے بائیں طرف ہے، اس میں شاپور سوم، اس کے باپ اور اس کے دادا کے اسماء و القاب درج ہیں، (ہرتسفلٹ، پای کُلی، ج ا، ص ۱۲۴)، تصویر کے لیے دیکھو اس کتاب کا باب پنجم،

۱۰۔ پرسی پولس (تخت جمشید) میں ایک ساسانی پہلوی کتبہ جو شاپور دوم کے جلوس کے دوسرے سال میں نصب کیا گیا، (ہرتسفلٹ، پای کُلی ج ا ص ۱۲۱)،

۱۱۔ پرسی پولس (تخت جمشید) میں ایک اور ساسانی پہلوی کتبہ جسے سلطنت کے دو معزّز امیروں نے شاپور دوم کے اعزاز میں نصب کرایا، (ہرتسفلٹ، پای کُلی، ج ا ص ۱۲۲)،

۱۲۔ دربند میں متعدد چھوٹے چھوٹے کتبے جن کو عہد ساسانی کی آخری صدیوں میں وہاں کے ذی رتبہ اشخاص نے نصب کرایا، (دیکھو نیبرگ[1]: "رسالۂ انجمن علمی درآذربیجان" ۔ باکو ۱۹۲۹ء بزبان رُوسی[2])،

ساسانی زمانے کی مُہروں کے نقوش سے بھی ہمیں بہت سے اشخاص کے نام اور القاب کا پتہ چلتا ہے نیز بعض توقیعات کا جو بہ عباراتِ مختصر ان میں منقوش ہیں[3]،

---

[1] H. S. Nyberg [2] اس بارے میں ہرتسفلٹ نے جو نیا مواد جمع کیا ہے وہ ابھی ہم تک نہیں پہنچا، (دیکھو "رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی Z. D. M. G. بابت ۱۹۲۶ء ص ۲۲۵ بعد)،

[3] دیکھو پال ہوژن (P. Horn) در رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی (Z. D. M. G.) ج ۴۴ ص ۶۵۰ بعد، "ساسانی مُہروں کے پتھر" (بزبان جرمن) تالیف ہوژن و شتائن ڈورف (Steindorff)، برلن ۱۸۹۱ء، ہرتسفلٹ، پای کُلی ص ۷۴ بعد،

سکّے جن پر ساسانی پہلوی کے الفاظ منقوش ہیں تاریخ نویسی کے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں، علاوہ اس کے شاہان ساسانی میں سے ہر ایک کا تاج ایک مخصوص شکل کا تھا جو دوسرے کے تاج سے مختلف ہوتا تھا لہذا سکّے پر بادشاہ کی تصویر دیکھ کر ہم اس کو پہچان سکتے ہیں اور جن سکّوں پر کسی طرح کی کوئی عبارت نہیں لکھی گئی ان کی تعیین میں ہمیں یہ بات بہت مدد دیتی ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ ساسانی سکّوں کا معیار دو طرح کا تھا، طلائی اور نقرئی، دونو کی قیمت کے درمیان کوئی مقررہ نسبت نہ تھی، طلائی سکّے (دینار) دستیاب تو ہوتے ہیں لیکن بہت شاذ و نادر، ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے بعض طلائی سکّے جاری کئے تھے جو وزن میں معاصر قیاصرۂ روم کے طلائی سکّوں کے برابر تھے جن کو اورائی[1] کہا جاتا تھا، ساسانیوں کے طلائی سکّے جو آج موجود ہیں وہ جسامت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، چاندی کا درہم وزن میں تقریباً ہمیشہ یکساں رہا اور یہ وزن اشکانی خاندان کے آخری بادشاہوں نے فنیقی[2] درہم سے اختیار کیا تھا، درہموں کے وزن میں خفیف سا اختلاف ہے یعنی ۶۵ء۳ گرام سے ۹۴ء۳ گرام تک قیمت میں ساسانی درہم بالعموم ۷۵ء فرانک طلائی کے برابر تھا، اشکانی درہم کے مقابلے میں ساسانی درہم سائز میں زیادہ بڑا اور پتلا ہے، ساسانی سکّوں میں ایک ستبر[3] تھا جو قیمت میں چار درہموں کے برابر تھا، چاندی کے چھوٹے سکّوں میں ایک نیم درہم تھا ایک دانگ تھا (= $\frac{1}{6}$ درہم) اور ایک نیم دانگ (= $\frac{1}{12}$ درہم)، ان کے علاوہ اردشیر اوّل، شاپور اوّل اور شاپور دوم کے چند سکّے محفوظ رہ گئے ہیں جو تانبے

---

[1] aurei [2] Phoenician [3] Ster

اور جست کی ملاوٹ سے بنائے گئے ہیں، تانبے کے بھی چند سکے تھے جن کی قیمت چاندی کے سکوں کے ساتھ مربوط تھی اور وہ مختلف قیمتوں کے تھے، اُن کے بھی چند نمونے آج باقی ہیں، سب سے کم قیمت سکہ جس کا نام ہم تک پہنچا ہے پشیز تھا، مشرقی صوبوں کے گورنروں نے جو شاہی خاندان کے شاہزادے تھے اور کوشان شاہ کہلاتے تھے بعض سکے شہنشاہی سکوں کے نمونوں پر بنوائے جن پر اُن کی تصویر اور القاب درج ہوتے تھے[1]،

ساسانی درہموں میں سامنے کی جانب بادشاہ کے جسم کے بالائی حصے کی تصویر ہوتی ہے اور پشت کی جانب آتش گاہ کی تصویر، سامنے کی جانب پہلوی حروف میں بادشاہ کا نام اور القاب درج ہوتے ہیں اور عام طور سے پشت کی جانب دوبارہ بادشاہ کا نام لکھا ہوتا ہے، ان کے علاوہ ان سکوں پر کوئی نہ کوئی طغرا یا علامت بھی ہوتی ہے اور کبھی کبھی سال جلوس بھی مذکور ہوتا ہے،

سلطنت ساسانی میں مذہبِ مروّج یعنی دینِ زرتشتی کا مأخذ ایک تودہ مقدس

---

[1] ساسانی سکوں پر تازہ ترین تالیفات حسب ذیل ہیں:-

۱- فردون جی پارک - "مسکوکات ساسانی" بمبئی ۱۹۲۴ء - (انگریزی)

۲- وزمر (Vasmer) - "مسکوکات ساسانی در موزۂ ارمیتاژ" (Numismatic Chronicle)، ۱۹۲۸ء ص ۲۴۹ بعد، (انگریزی)

۳- وُنڈ سیٹل (Wundzettel) "روئداد اورینٹل فیکلٹی در جامعۂ وسط ایشیا" تاشقند، ۱۹۲۷ء،

۴- ہرتسفلٹ - "مسکوکات کوشانی ساسانی" (آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا، ۳۸، ۱۹۳۰ء)، نیز پائی گلی ص ۳۵ بعد،

پہلوی اصطلاحات کے لئے دیکھو "فرہنگ پہلویک" طبع یُنکر (Junker) ہائیڈل برگ ۱۹۱۲ء، باب ۳۰، نیز کتاب "شایست نہ شایست" طبع مسٹر تواڈیا ہامبرگ، ۱۹۳۰ء، مقدمہ ص ۱۴-۱۶،

کتابیں تھیں جو زبانِ اوستا میں لکھی گئی تھیں اور مجموعی طور سے ساسانی اوستا کہلاتی ہیں، وہ اکیس حصوں میں منقسم تھیں جن کو نسک کہتے تھے، دوسرے زند یعنی کتبِ اوستا کا ترجمہ پہلوی زبان میں مع شرح بزبانِ پہلوی ساسانی[1]، موجودہ کتابِ اوستا ساسانی اوستا کا محض ایک چھوٹا سا حصہ ہے[2] لیکن اکیس نسکوں کا وہ خلاصہ جو پہلوی کتاب دینکرد کی آٹھویں اور نویں جلد میں دیا گیا ہے ساسانیوں کی تمدنی تاریخ کے بارے میں نہایت دلچسپ مطالب پر مشتمل ہے، ہم کو اپنی اس کتاب میں آیندہ اکثر مقامات پر اس مأخذ کا حوالہ دینے کا موقع پیش آئیگا[3]، زند کے جو حصے آج باقی ہیں اُن میں اور پہلوی کی کتب دینیات میں جو شارحین جابجا مذکور ہیں ان کے نام یہ ہیں: ابھرگ، ماہ گشنسپ، گوگشناسپ، کئے آذر بوزید، سوشینس، روشن، آذرہرمزد، آذرفرنبگ نرسی، میدوگ ماہ، فرخ، افروغ، آزاد مرد، — ان میں سے اکثر غالباً عہد ساسانی کے آخری زمانے میں گزرے ہیں،

پہلوی زبان کی تقریباً تمام زرتشتی کتابیں جو خالص طور پر مذہبی ہیں اور آج موجود ہیں ساسانیوں کے زمانے کے بعد تصنیف ہوئی ہیں، بالخصوص نویں صدی عیسوی میں علماء دین زرتشتی نے تصنیفِ کتب میں بے حد مستعدی اور سرگرمی دکھلائی،

[1] زند کے متعلق دیکھو شیڈر Schæder کا مضمون کتاب "مضامین ایرانی" میں، ج ۱ ص ۶، بعد (بزبان جرمن)، اور کرسٹن سین کی کتاب "کیانیان" ص ۳۷ بعد،

[2] دیکھو آگے باب سوم، [3] کتاب دینکرد کی آٹھویں اور نویں جلد کا حوالہ ہم نے اکثر پروفیسر ویسٹ (West) کے انگریزی ترجمے کے مطابق دیا ہے، صرف ان مقامات میں جہاں ہمیں یہ ترجمہ تسلی بخش معلوم نہیں ہوا ہم نے اصل پہلوی متن کی طرف رجوع کیا ہے جس کو دستور پشوتن سنجانا نے شائع کیا ہے، طبع شدہ متن میں وہ دونو جلدیں جلد ۱۵ — ۱۹ پر مشتمل ہیں،

کتاب دادستان مینوگ خرد ("تعلیمِ عقل آسمانی" یا "روحِ عقل") اگرچہ غالباً عہد ساسانی کی آخری صدی میں لکھی گئی لیکن اس کی موجودہ شکل ساسانی زمانے کے بعد وجود میں آئی[1]، رؤیای اَرداگ وِراز کا مضمون و مطلب (جو کتاب ارداگ وِراز نامگ[2] میں بیان ہوا ہے) بیشک دورِ ساسانی کی ایجاد ہے، ان تصنیفات میں سے بعض جن کا اہم اور مشترک مآخذ ساسانی اوستا اور زند ہے ساسانی زمانے کی تمدنی تاریخ کے متعلق مفید مطالب پر مشتمل ہیں، ان میں سب سے مقدم کتاب دین کرد[3] ہے جس کا اوپر ذکر ہوا نیز

[1] اس کے پہلوی متن کو آنڈریاس نے چاپِ عکسی میں شائع کیا ہے بہ عنوانِ "کتاب مینیوی خرد" کیل (جرمنی) ۱۸۸۲ء، دوبارہ وہ کوپن ہاگن (ڈنمارک) میں ۱۹۳۵ء میں طبع ہوئی، بمبئی میں وہ بدفعات چھاپی گئی ہے، اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر ویسٹ (West) نے کیا ہے، (Pahlavi Texts)، ج ۳،

[2] لفظ دِراز کو وِیراف بھی پڑھا جاتا ہے، اس کتاب کا متن مع انگریزی ترجمہ بہ عنوان "کتاب اردا ویراف" ہوشنگ اور ہاؤگ (Haug) نے بمبئی سے شائع کیا تھا (۱۸۷۲ء)، اس کا فرانسیسی ترجمہ بارتھیلمی (Barthelemy) نے ۱۸۸۷ء میں پیرس سے شائع کیا، اس کے متن کے دو نہایت قدیم قلمی نسخے کوپن ہاگن (ڈنمارک) کی یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں، ۱۹۳۱-۳۲ء میں ان کو چاپِ عکسی میں طبع کیا گیا تھا، (مصنف)، اس کتاب کا فارسی ترجمہ آقای رشید یاسمی نے حال ہی میں طہران سے شائع کیا ہے، (مترجم)، پارسی روایت یہ ہے کہ زرتشت کی تعلیمات کو جو لکھی ہوئی شکل میں محفوظ نہیں سکندر نے جلا کر تباہ کر دیا تھا، جب اردشیر اوّل کو دوبارہ ان کے لکھوانے کا خیال آیا تو اس زمانے میں ارداویراف ایک نہایت باخدا اور متقی شخص تھا اور صاحب کشف و کرامات تھا اس کو اس کام کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس نے مناسب غسل و طہارت کے بعد ایک نہایت قوی نیند آور دوائی پی اور سات دن تک سوتا رہا اس عرصے میں اس کو عالمِ رؤیا میں زرتشت کے تمام مواعظ حفظ کرا دئے گئے جو اس نے بیدار ہو کر لفظ بہ لفظ لکھوا دئے اور وہی اب کتابِ مقدس اوستا ہے، (مترجم)،

[3] اس کا متن مع انگریزی ترجمہ دستور پشوتن سنجانا نے انّیس جلدوں میں طبع کرایا ہے، (بمبئی ۱۸۷۴ء-۱۹۲۸ء)، اس کے علاوہ صرف متن کی اڈیشن دو جلدوں میں مسٹر مدن نے چھپوائی ہے (بمبئی ۱۹۱۱ء)، ان کے علاوہ کوپن ہاگن یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطہ نمبر K. 43 میں اس کے بعض اقتباسات ہیں جن کو چاپِ عکسی میں شائع کیا گیا ہے،

کتاب بُندہِشن جس میں ساسانی اوستا اور زند کے اُن حصّوں کا خلاصہ ہے جن میں مسئلۂ آفرینش، اساطیر، علم کائنات اور تاریخ طبیعی کے متعلّق بحث ہے[1]،

اوستا اور زند عہد ساسانی میں قانون کا بھی مأخذ تھے، پہلوی زبان میں قانون کی ایک کتاب موسوم بہ "مادیگانِ ہزار دادستان" (ہزار فیصلوں کی روئداد) ہے جس کا مؤلّف ایک شخص مسمّی فرّخ مرد ہے، اس کے چند اجزار کا واحد قلمی نسخہ جس میں پچپن ورق ہیں کتب خانہ مانک جی لِم جی ہوشنگ ہاتریا میں محفوظ ہے، اس کے متن کو جیون جی جمشید جی مودی نے مع مقدّمہ شائع کیا ہے[2] اور ابھی انتیس ورق اور ہیں جو طبع نہیں ہوئے، متن کے بعض اقتباسات کو جرمن ترجمہ اور لغوی اور فقہی تشریحات کے ساتھ بارتھولومی[3] نے شائع کیا ہے[4] لیکن چونکہ مقابلے کے لیے اور مواد موجود نہ تھا اور مضمون کی

---

[1] اس کتاب کے دو متن ہیں ایک بہ روایت ایرانی جو ایرانی بُندہِشن کہلاتی ہے اور دوسری ہندوستانی بندہِشن کے نام سے موسوم ہے، ہندوستانی بُندہِشن کو جو کہ ملخّص ہے ویسٹر گارڈ (Westergaard) نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا تھا اور اب دوبارہ "سلسلہ مطبوعات پہلوی و اوستا در جامعۂ کوپن ہاگن" میں چھپی ہے، ایک اور اڈیشن یُوسٹی (Justi) نے مع جرمن ترجمہ شائع کی تھی (لیپزگ ۱۸۶۸ء)، پروفیسر ویسٹ کا انگریزی ترجمہ "سلسلہ کتب مقدسۂ مشرقی" (آکسفورڈ) میں طبع ہُوا تھا، ایرانی بُندہِشن کا چاپِ عکسی انکلساریا نے ۱۹۰۸ء میں بمبئی سے شائع کیا، بندہِشن کے اصلی مصنّف نے کہیں کہیں عربی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، دیکھو کرسٹن سین کی کتاب "کیانیان" ص ۴۴ببعد،

[2] "مادِگان ہزار دادِستان" (چاپ عکسی فوٹو زِنکو گراف، بمبئی ۱۹۰۱ء)،

[3] (Bartholomæ)،

[4] روئداد ہائیڈل برگ اکیڈمی ۱۹۱۰ء، مصنّف مذکور۔ "قانون ساسانی" (روئداد مذکور بابت سال ۱۹۱۸ء، ۱۹۲۰ء، ۱۹۲۲ء، ۱۹۲۳ء، ایضاً۔ "زن در قانون ساسانی"۔ ("تہذیب و زبان" حصّۂ پنجم۔ ہائیڈل برگ ۱۹۲۴ء)۔ بزبان جرمن، نیز دیکھو آگے باب ۶ و ۷،

نوعیّت بھی خاص ہے لہذا ان اقتباسات کو کما حقہٗ سمجھنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا ہے ، "مادیگان" میں عہد ساسانی کے چند ایسے قانون دانوں کے نام محفوظ رہ گئے ہیں جن کے فتوے اس میں درج کیے گئے ہیں ، وہ یہ ہیں :- وہرام ، داد فرّخ ، سیاوُش ، پُسان وہبہ آزاد مردان ، پُسان وہبہ برز آذر فرّبگان ، وہبہ پناہ (جو "مگوگان اندرزبد"[1] کے اعلےٰ عہدے پر سرفراز تھا) ، خُوذای بوذ دبیر ، وابیاوار ، راذ ہرمزد ، وہرام شاذ ، یُوان یِم ، زُروان داذ پسر یُوان یِم ، فرّخ زُروان ، وہبہ ہرمزد ، زاماسپ ، ماہان داذ وغیرہم ، اس کتاب میں مصنّف نے ایک موقع پر ایک کتاب دشتِ وَرَان کا نام لیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی قانون کی کوئی کتاب تھی ، عہد ساسانی کا ایک "مجموعۂ قوانین" تھا جو اصل میں پہلوی زبان میں لکھا گیا تھا اور اس کے بعض مآخذ وہی تھے جو "مادیگان" کے تھے ، اس کا سریانی ترجمہ ہمارے زمانے تک پہنچا ہے جو آٹھویں صدی میں فارس کے اُسقفِ اعظم ایشوع بُخت نے کیا تھا لیکن اس عیسائی مترجم نے ایرانی قوانین میں تغیّر و تبدّل کر دیا ہے تاکہ وہ اس کے ہم مذہبوں کے مذاق کے مطابق ہو جائیں[2] ،

عہد ساسانی کی آخری صدی میں نظری اور عملی اخلاق کے موضوع پر مقبول عام کتابیں کثرت سے لکھی گئیں جن کو "اندرز" یا "پند نامگ" کہا جاتا تھا اور جن میں تاریخی یا افسانوی اشخاص کے طریق عمل اور حکیمانہ اقوال قلمبند کیے جاتے تھے ، ساسانی زمانے کے بعد کی لکھی ہوئی اس قسم کی چند پہلوی کتابیں آج موجود ہیں ، منجملہ

[1] "مُغان اندرزبد" - دیکھو باب دوم ، [2] متن مع جرمن ترجمہ از سخاؤ ، برلن سنہ ۱۹۱۴ء ، (سلسلۂ کتب قانون سریانی) ، نیز دیکھو بارتھولمی کا مضمون بہ عنوان "زن در قانون ساسانی ص ۵ ،

ان کے ایک اندرزِ حکیم اوشنر ہے[1] جو قدیم افسانوی اشخاص میں سے ہے، ایک اندرزِ خسروِ اوّل پسرِ کواذ ہے جس کا نام "اندرزِ خسروِ کواذان" ہے، اسی طرح ایک اور کتاب "اندرزِ آذربدِ مہر سپندان" ہے[2] جو شاپور دوم کے عہد کا مشہور موبدِ موبدان تھا، ایک اور کتاب زردشت پسر آذربد کا پند نامہ ہے جس کا نام "پند نامگِ زردشت" ہے، اندرز کی ایک اور کتاب ہے جس میں وُزُرگ مہر کے مواعظ درج ہیں جس کو عربی اور ایرانی مصنّف بزرجمہر لکھتے ہیں اور جو بقول ان کے خسروِ اوّل (انوشیروان) کا وزیرِ دانا تھا، اس افسانوی شخص کی خیالی تاریخ جس میں اَحیقر[3] کے قدیم افسانے کی نشانیاں پائی جاتی ہیں عہدِ اسلامی کے قرونِ وسطیٰ میں بہت مقبول تھی، گمان غالب یہ ہے کہ یہ مشہور اور پُر اسرار شخص جس کا نام ایران میں ورودِ شطرنج کے قصّے کے ساتھ وابستہ کردیا گیا ہے[4] وہی برزویہ طبیب[5] ہے جس کا ذکر ہم آگے چل کر باب ہشتم میں کرینگے، "اندرزِ وُزُرگ مہر" غالباً نویں صدی میں لکھی گئی لیکن نصیحتیں جو اس میں وُزُرگ مہر کی زبان سے ادا کی گئی ہیں ان میں سے بعض کے اندر تو کتاب "کلیلگ و دمنگ" (کلیلہ و دمنہ) کے دیباچے کا پرتو موجود ہے جس کو برزویہ نے سنسکرت کی کتاب پنچ تنترا سے ترجمہ کیا تھا اور بعض یقیناً اندرز کی قدیم تر کتابوں سے لی

---

[1] اس کا فارسی ترجمہ آقای رشید یاسمی نے شائع کیا ہے (مترجم)،
[2] فارسی ترجمہ از رشید یاسمی شائع ہوچکا ہے (مترجم)،
[3] احیقر یا اخیقر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سناچرب (Sennacherib) شاہِ آسور (Assyria) کا وزیر تھا جس کا زمانہ ۷۰۵ تا ۶۸۱ ق.م ہے، اس کا نام حکمت آموز کہاوتوں اور کہانیوں کے ساتھ اسی طرح وابستہ کیا جاتا ہے جس طرح کہ عربی میں لقمان کا اور یونانی میں ایسپ کا، اس کے حکیمانہ اقوال قدیم آرامی زبان میں جمع کئے گئے تھے جن کا ترجمہ بعد میں بہت سی زبانوں میں ہوا، کہا جاتا ہے کہ یونانی زبان میں ایسپ کی بہت سی کہانیاں احیقر کی حکایتوں سے ماخوذ ہیں، لیکن یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ تاریخ میں واقعی کوئی شخص احیقر گزرا ہے (مترجم)،
[4] "ماديگان چترنگ" دیکھو آگے، ورودِ شطرنج کا قصّہ فردوسی، ثعالبی اور دوسرے مصنّفین نے بھی بیان کیا ہے،
[5] دیکھو کرسٹن سین کا مضمون "حکیم بزرجمہر" (Acta Orientalia)، ج ۸ ص ۸۱ بعد،

گئی ہیں[1]،

ساسانی سوسائٹی کے اونچے طبقے کے لوگوں میں جو کھیلیں اور دل بہلاوے مروج تھے ان کے متعلق بعض دلچسپ اطلاعات ایک پہلوی کتاب میں ملتی ہیں جس کا نام "خسروِ کواذان و ریدگی" (یعنی خسرو پسرِ قباد اور اُس کا غلام)[2] ہے، دیکھو آگے باب نہم،

مختصر تاریخی افسانے ساسانیوں کے زمانے میں بہت مقبول تھے، ان میں سے بعض جن میں ساسانی تاریخ کی کہانیاں بیان ہوئی ہیں اور جو عہد ساسانی کی آخری صدی میں تصنیف ہوئے وہ اصل پہلوی میں آج موجود ہیں لیکن ان کے قلمی نسخے ساسانی زمانے کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک "کارنامکِ اردشیر پابگان" ہے اور ایک "مادیگانِ چترنگ" (قصۂ بازیِ شطرنج) ہے[3]،

ایران میں شہروں کے آباد کیے جانے کے مختصر حالات ایک کتاب موسوم بہ "شہرستانہائے ایرانشہر"[4] میں لکھے گئے ہیں،

مانوی کتابوں کے اجزا ر کے متعلق دیکھو باب چہارم،

---

[1] کتب اندرز کے پہلوی متن جاماسپ اسانا نے شائع کئے ہیں (سلسلۂ متون پہلوی، بمبئی سنہ ۱۹۱۳ء) "پندنامگِ وُزُرگ مہر"، "اندرز آذر بد مہر سپندان" اور "اندرزِ خسروِ کواذان" کو پشوتن سنجانا نے "گنج شائگان" میں طبع کیا ہے (بمبئی سنہ ۱۸۸۵ء)، "پند نامگِ زردشت" کو فرائمن (Freiman) نے ویانہ سے سنہ ۱۹۰۶ء میں شائع کیا تھا، "اندرز حکیم اوشنر" بمبئی میں طبع کی گئی ہے (سنہ ۱۹۳۰ء)، [2] پہلوی متن کو جے۔ ایم اون والا نے مع انگریزی ترجمہ بمقام پیرس شائع کیا تھا، (سنہ ۱۹۲۱ء) [3] کارنامگ کی متعدد اڈیشنیں بمبئی سے شائع ہوئی ہیں، نولڈکہ نے اس کا جرمن میں ترجمہ کیا ہے، "مادیگان چترنگ" جاماسپ اسانا کے "سلسلۂ متون پہلوی" میں چھپ چکی ہے اور پشوتن سنجانا کے "گنج شائگان" میں وہ انگریزی ترجمے سمیت طبع ہوئی ہے،

[4] مارکوارٹ (Markwart)۔ "صوبجات ایرانشہر کے پایہ تختوں کی فہرست" (طبع مسینا، روما سنہ ۱۹۳۱ء)، نواڈیا۔ (Orientalistische Literaturzeitung)، سنہ ۱۹۲۶ء ص ۸۸۳ بعد

۲- ساسانی روایات جو عربی اور فارسی ادبیات میں محفوظ ہیں

جس طرح کہ ہخامنشیوں کے زمانے میں دستور تھا اسی طرح ساسانیوں کے عہد میں بھی دربارِ شاہی میں تاریخی واقعات کو محفوظ رکھا جاتا تھا[۱]، قیاس یہ ہے کہ اس سرکاری تواریخ سے "خوَذای نامگ" (خدای نامک یعنی شاہنامہ) کے مصنف یا مصنفوں نے ضرور استفادہ کیا ہوگا، خوَذای نامگ عہد ساسانی کے آخری زمانے کی اور غالباً یزدگرد سوم کے عہد کی تصنیف ہے[۲]، نولڈکہ نے ثابت کیا ہے[۳] کہ یہ پہلوی تاریخ اُن قدیم عربی اور فارسی کتابوں کا اہم ترین مأخذ تھی جن میں تاریخِ ایران قبل از زمانۂ اسلام لکھی گئی ہے اور جو آج ہمارے سامنے موجود ہیں، اس کتاب کے پہلوی نام کو عربی میں "کتاب سِیَرِ ملوك العجم" یا "سِیَرَ الملوك" کے الفاظ کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے اور فارسی میں اس کو "شاہنامہ" کہا گیا ہے، "خوَذای نامگ" کے عربی ترجموں میں سب سے مشہور وہ تھا جو ابن المقفّع نے کیا تھا، یہ شخص جس کی وفات ۷۶۰ء کے قریب ہوئی اصل میں زرتشتی تھا لیکن مشرّف بہ اسلام ہوا، وہ ایک فاضل متبحّر اور صاحب تصانیف

[۱] اگاتھیاس Agathias، ج ۲ ص ۲۷، ج ۴ ص ۲۷-۳۰، تھیوفی لکٹوس Theophylactus ج ۳ ص ۱۸،
[۲] یہاں سے آگے جو مطالب ہم نے حوالۂ قلم کئے ہیں وہ بعض اضافوں کے ساتھ ہم نے اپنی سابقہ کتاب "عہد شاہ قباد" سے اخذ کئے ہیں، دیکھو کتاب مذکور، ص ۲۲ ببعد)،
[۳] ترجمۂ تاریخ طبری (عہد ساسانیان)، مقدمہ ص ۱۴ ببعد، نیز "رزمیاتِ ایران" در (Grundriss) ج ۲ ص ۱۴۱ ببعد،

تھا، پہلوی زبان کی متعدد کتابیں اُس نے عربی میں ترجمہ کیں، بدقسمتی سے نہ صرف اصل پہلوی "خوَذای نامگ" بلکہ ابن المقفّع کا عربی ترجمہ بھی تلف ہو چکا ہے اور یہی حال اُن تمام عربی ترجموں اور تالیفوں کا ہوا جن میں ساسانی عہد کی تاریخ تھی اور جن کے وجود سے ہم کو اُن عربی مصنّفوں نے آگاہ کیا ہے جو بعد کے زمانے میں گزرے ہیں بالخصوص حمزہ اصفہانی جس نے اپنی تاریخ سنہ ۹۶۱ء میں لکھی، نولڈکہ کے نظریہ کے مطابق ابن المقفّع کی سِیَر الملوك سب سے پہلا ترجمہ تھا جو براہ راست پہلوی سے عربی میں ہوا، باقی تمام سیر الملوك کی کتابیں جن کے مصنّفوں کے نام حمزہ نے بتلائے ہیں اسی ترجمے پر مبنی تھیں، برعکس اس کے ایران کے قدیم بادشاہوں کے واقعات جو فردوسی نے شاہنامے میں بیان کیے ہیں وہ بیشتر "خوَذای نامگ" کے ایک فارسی ترجمے سے مأخوذ ہیں جو ابن المقفّع کے عربی ترجمے سے بالکل بے تعلّق تھا، لیکن جب سے کہ دانشمند فاضلِ رُوسی بیرن وکٹر روزن[۱] نے ازسرِنو اس مسئلہ کے متعلّق تحقیقات کی ہے اور روسی زبان میں ایک رسالہ بہ عنوان "ترجمہ ہای عربی خوَذای نامگ" لکھا ہے[۲] تب سے نولڈکہ کے اس نظریہ میں ترمیم کی ضرورت پیش آئی ہے، روزن کی دانشمندانہ تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ حمزہ اصفہانی اور دوسرے عربی مؤرّخوں نے ابن المقفّع کی کتاب کے ساتھ جن مأخذوں کا ذکر کیا ہے وہ اس میں شک نہیں کہ اُس سے زیادہ متأخّر ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ قطعاً یا مخصوصاً ابن المقفّع پر مبنی ہیں گو یہ ممکن ہے کہ اُن میں سے بعض نے علاوہ اور مأخذوں کے اس سے بھی استفادہ کیا ہو، ان مأخذوں میں بعض اور ترجمے بھی تھے جو براہ راست اصل پہلوی سے (عربی میں) کیے گئے تھے اور اگرچہ رفتہ رفتہ ابن المقفّع کی شہرت سے دوسرے مترجم ماند پڑ گئے تاہم کوئی دلیل اس بات

[۱] Baron Victor Rosen، [۲] طبع سنہ ۱۸۹۵ء،

کی موجود نہیں ہے کہ مثلاً حمزہ اصفہانی کے زمانے میں ابن المقفّع کو دوسروں پر ترجیح دی جاتی تھی، حمزہ کے پیشِ نظر جو مآخذ تھے ان کو اس کی اپنی تعیین کے مطابق تین قسموں میں منقسم کیا جا سکتا ہے: (۱) مترجمین مثل ابن المقفّع و محمّد بن الجہم البرمکی و زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی جنھوں نے خُوذای نامگ کے اصل پہلوی متن کو خاصی صحّت کے ساتھ پیش کیا ہے اگرچہ اس میں حذف و اختصار بھی کیا ہے اور بعض موقعوں پر اس کی ترتیب میں بے اُصولی سے بھی کام لیا ہے، (۲) مؤلّفین جنھوں نے تالیف کی بنا ترجمے پر رکھی ہے مثل محمد بن مطیار الاصفہانی اور ہشام بن قاسم الاصفہانی، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے ترجموں میں تاریخی قصّے اور افسانے دوسری پہلوی کتابوں سے اخذ کر کے لکھ دئیے ہیں (۳) مصنّفین مثل موسیٰ بن عیسیٰ الکِسْرَوی اور موبد بہرام بن مردانشاہ، ان لوگوں نے "خُوذای نامگ" کے مختلف ترجموں کا مقابلہ کیا ہے اور نہایت دلیری کے ساتھ جعلسازیاں کی ہیں بعض بیانات کو دوسری ادبی تصانیف سے لے کر لکھ دیا ہے اور مختلف مآخذ میں جو ناموافقت پائی جاتی ہے اس کی توجیہہ کے لیے بہت سے نکتے خود ایجاد کئے ہیں، یہ سب کوششیں انھوں نے اس غرض سے کی ہیں کہ اصل متن کو دوبارہ منظّم صورت میں لائیں لیکن ایسی کوششوں کا نتیجہ ظاہر ہے کہ کیا ہونا چاہئے، ان میں سے ایک مصنّف (موبد بہرام) نے بقول حمزہ اصفہانی "خُوذای نامگ" کے عربی ترجموں کے بیس سے زیادہ نسخوں کو دیکھا بھالا اور دوسرے یعنی الکِسْرَوی نے (جس کے طریقۂ تنقید کی چند عجیب و غریب مثالیں روزن نے پیش کی ہیں) باوجود تحقیق و تفحّص کے کوئی دو نسخے ایسے نہ پائے جو آپس میں مطابقت رکھتے ہوں[1]، البیرونی، بلعمی اور دوسرے مصنّفوں کے ہاں ہم کو بعض اور

[1] "تاریخ حمزہ اصفہانی" کے ایک مقام سے ایسا مستنبط ہوتا ہے کہ الکسروی کے پاس سیر الملوک کے دو نسخے تھے، ایک بڑا اور ایک چھوٹا اور دونو کے تاریخی مواد میں بہت فرق تھا، دیکھو تاریخ حمزہ طبع گوٹ والٹ (Gottwald)

لوگوں کے نام بھی ملتے ہیں جنھوں نے اس قدیم تاریخ (خُوَذای نامگ) کے ترجمے یا تألیف کے کام میں محنت اُٹھائی ہے، آخر میں روزن نے شاہنامۂ فردوسی کے دیباچۂ جدید کی تنقید کی ہے جس کے مصنّف کا نام معلوم نہیں اور جس پر اس نظریہ کی بنیاد ہے کہ فردوسی کا اہم ترین مأخذ پہلوی "خُوَذای نامگ" کا ایک ترجمہ تھا جو نثر میں تھا اور عربی ترجموں سے بالکل بے تعلّق تھا، تنقید کے بعد روزن نے کسی قدر احتیاط کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ فردوسی کا اہم ترین فارسی مأخذ اُنھی عربی کتابوں سے مأخوذ تھا جو اُن عربی مؤرّخوں کے پیش نظر تھیں جن کی تصانیف آج ہمارے سامنے موجود ہیں[1]،

ترجمۂ تاریخ طبری (عہد ساسانیان) کے حواشی میں نولڈکہ نے بار بار اس بات کو ثابت کیا ہے کہ خُوَذای نامگ میں شاہانِ ساسانی کے اعمال و خصال کو طبقۂ نُجبا اور علماء دین زرتشتی کے نقطۂ نظر سے جانچنے کا زبردست میلان نظر آتا ہے:

افسوس ہے کہ عربی اور فارسی مؤرّخین جن کی تصانیف آج ہمارے سامنے ہیں بجز شاذ و نادر اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کرتے جن سے مستقیماً انھوں نے اپنا مواد لیا ہے، بدیں سبب ہم اتنا بھی نہیں بتلا سکتے کہ کس مؤرّخ نے کس تلف شدہ ترجمے یا تألیف سے اپنی اطّلاعات حاصل کی ہیں:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یزدگرد سوم کی وفات کے بعد علماء زرتشتی نے پہلوی تواریخ (خُوَذای نامگ) کے ساتھ بعض ملحقات اضافہ کئے جن میں اُنھوں نے خاندان ساسانی کے آخری ایّام کے واقعات لکھے تھے، اصل خُوَذای نامگ تو خسرو دوم

---

[1] خُوَذای نامک کے متعلق منجملہ اور کتابوں کے دیکھو "مقدّمۂ جوامع الحکایات" للعوفی (بزبان انگریزی) از محمد نظام الدین (سلسلۂ مطبوعات گِب، لنڈن سنہ ۱۹۲۹ء)، ص ۵۸، نیز گبریلی (F. Gabrieli) "تصانیف ابن المقفع" (بزبان اطالوی، سنہ ۱۹۳۲ء)،

(پرویز) کی وفات پر ختم کر دیا گیا تھا لیکن عربی اور فارسی مصنفین کی تمام کتابوں میں اُس زمانے کے متعلق ایرانی روایات لکھی گئی ہیں جو خسرو کی وفات سے لے کر یزدگرد سوم کی وفات تک ہے، لیکن ان کتابوں کے بیانات میں جو شدید اختلافات دیکھنے میں آتے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ ان روایات کے لیے ان کا کوئی مشترک مأخذ نہ تھا،

اب ہم ایک اور پہلوی کتاب کا ذکر کرتے ہیں جس میں ساسانیوں کی تاریخ کے متعلق بعض مطالب قلمبند کیے گئے تھے اور جس کا ترجمہ ابن المقفع نے عربی میں کیا تھا، اس سے ہماری مراد کتاب "آئین نامگ"[۱] ہے، مسعودی لکھتا ہے[۲] کہ اس کتاب کے کئی ہزار اوراق ہیں اور اس کے کامل نسخے سوائے موبدوں کے یا بعض مقتدر اشخاص کے اور کسی کے پاس نہیں ملتے۔ "آئین نامگ میں نظام سلطنت کی تفاصیل پر بحث تھی نیز عہد ساسانی اور اس سے پہلے کی ایرانی معاشرت اور اس کی تشکیلات کا بیان تھا اور فنِ حکومت کے قواعد بتلائے گئے تھے، ثعالبی کی تاریخ میں اس کتاب کا ذکر ملتا ہے[۳] اور ابن قتیبہ کی عیون الاخبار میں کئی مقامات پر اس کا حوالہ دیا گیا ہے[۴]، اس کے مطالب کے بعض آثار نامۂ تنسر[۵]، تاریخ حمزہ اصفہانی[۶] اور جوامع الحکایات عونی[۷]

[۱] دیکھو پہلوی لفظ "آئینگ" (جس کا قدیم تلفظ "اَذْوِینگ" ہے) در کتاب "پہلوی آموز" از نیبرگ (Nyberg) در زبان جرمن ج ۲ ص ۲، نیز کتاب موسوم بہ "مزامیر کے ایک پہلوی ترجمے کے چند قطعات" (بزبان جرمن) از انڈریاس بار (Andreas Barr)۔ "روئداد پرشین اکیڈمی" ۱۹۳۳ء ص ۱۱۷،

[۲] "کتاب التنبیہ والاشراف" طبع یورپ ص ۱۰۴، [۳] کتاب مذکور طبع پیرس ص ۱۴،

[۴] نریمان۔ "مسلم ادبیات پر ایرانی اثرات" (بزبان انگریزی) طبع بمبئی ۱۹۱۸ء، ص ۱۶۴، ۱۶۷، نیز Inostrantzev "مطالعات ساسانی" (بزبان روسی)۔ ص ۱۱، [۵] دیکھو آگے،

[۶] مارکوارٹ (Marquart)۔ "ایرانشہر" (بزبان جرمن) ص ۸۴ ح ۱، ہرتسفلٹ، پای کُلی ص ۴۶،

[۷] مقدمۂ جوامع الحکایات (بزبان انگریزی) از محمد نظام الدین ص ۵۵ بعد،

میں پائے جاتے ہیں، آئین نامگ یا کتبِ آئین نامگ (اگر وہ تعداد میں کئی ایک تھیں) مختلف قسم کی کھیلوں اور ورزشوں کے متعلق بھی اطلاعات بہم پہنچاتی تھیں مثلاً تیر اندازی، گوی و چوگان اور پرندوں کی اُڑان سے فال لینے کے متعلق مختلف عقیدوں کی تشریح وغیرہ وغیرہ[1]

"آئین نامگ" کا ایک حصّہ "گاہ نامگ" تھا "جس میں سلطنت ایران کے تمام بڑے بڑے عہدہ داروں کی فہرست تھی جو تعداد میں چھ سو تھے، اس میں اُن کے نام ان کے رتبے کی ترتیب کے لحاظ سے لکھے گئے تھے"[2]۔ یعقوبی[3]، مسعودی[4] اور جاحظ[5] نے جو ساسانی زمانے کے عہدوں کے مدارج کا ذکر کیا ہے تو غالباً اُن کی اطلاعات "گاہ نامگ" (یا کتب "گاہ نامگ") ہی سے مأخوذ ہیں،

ان کے علاوہ ایک کتاب "تاج نامگ" (کتاب التاج) تھی جس میں غالباً شاہان ایران کے خطبات، احکام اور فرامین جمع کیے گئے تھے، یہ بتلانا مشکل ہے کہ اس مجموعے میں تاریخی شہادتیں کہاں تک کام میں لائی گئی تھیں، "تاج نامگ" کا ذکر فہرست ابن الندیم میں ملتا ہے[6] اور اسی کے حوالے سے ابن قتیبہ کی عیون الاخبار میں اس کے بعض اقوال نقل کیے گئے ہیں، بعض تقریریں یا مقولے جو اس میں درج کیے گئے ہیں وہ

---

١ رجوع بہ مآخذ ذیل:-
ا- روزن (Rosen) - "مجموعۂ مضامین آسیائی" ماخوذ از جریدۂ علمی اکاڈمی ہمایونی پطرزبورغ" ج ۱۳ ص ۷۵۵ - ۷۷۷،
۲- کتاب الفہرست (لابن الندیم) ص ۳۱۵،
۳- Inostrantzev، کتاب مذکور ص ۱۲،
۴- گبریئلی Gabrieli - رسالہ "مطالعات مشرقی" ج ۱۳ ص ۲۱۳ (بزبان اطالوی)
٢ مسعودی، "کتاب التنبیہ" ص ۱۰۴، ٣ طبع بوتسما ج ۱ ص ۲۰۲،
٤ مروج الذہب، ج ۲ ص ۱۵۳، کتاب التنبیہ ص ۱۰۳:
٥ کتاب التاج طبع مصر ص ۲۲ ببعد، گبریئلی، رسالہ مطالعاتِ مشرقی (بزبان اطالوی) ج ۱۱ ص ۲۹۲،
٦ طبع فلوگل ص ۳۰۵، س ۱۱،

چند ایسے بادشاہوں کی طرف منسوب ہیں جن کے نام نہیں بتلائے گئے اور بعض خسرو دوم (پرویز) کی سیاسی نصائح سے مأخوذ ہیں جو کہا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے بیٹوں، دبیروں، خازنوں اور حاجبوں کو مخاطب کرکے کی تھیں[1]، طبری نے جو بعض مراسلاتِ شاہی کا ذکر کیا ہے (مثلاً مراسلاتِ شاپور سوم مشتمل بر احکام و ہدایات بنام حکام ولایات یا مراسلات بہرام چہارم بنام سپہ سالاران یا مراسلات خسرو اوّل بنام پاذگوسپانِ آذربائجان وغیرہ) وہ غالباً "تاج نامگ" ہی سے مأخوذ ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ کُتبِ "تاج نامگ" اور قسم کے موضوع پر بھی تھیں کیونکہ کتاب الفہرست (ص ۱۱۸ س ۲۸) میں ایک تاج نامگ کا ذکر ہے جس میں انوشیروان کے اقوال و افعال بیان ہوئے ہیں، اس کا ترجمہ ابن المقفّع نے کیا تھا، لیکن موسیو گبریلی کی رائے ہے کہ تاج نامگ صرف ایک ہی کتاب تھی اور "انوشیروان کے اقوال و افعال" کا اضافہ غلطی سے ہو گیا ہے،

لیکن بادشاہوں کے وہ خطبات جو اُنھوں نے اپنی اپنی تخت نشینی کے وقت دیے اور جو عربی اور فارسی کتابوں میں منقول ہیں احتمالِ قوی ہے کہ وہ اصل "خُوذای نامگ" میں موجود تھے،

ساسانی عہد کے آیئن و آداب کے متعلّق ہماری معلومات کے اہم ترین مآخذ میں سے "نامۂ تَنسَر بنام شاہ طبرستان" ہے، تَنسَر ایک تاریخی شخص ہے، وہ عہد اردشیر اوّل میں دین زرتشتی کا مجدّد تھا[2]، نامۂ تنسر کا متن سب سے پہلے ڈارمسٹٹیر نے مجلّۂ

---

[1] Inostrantzev، کتاب مذکور ص ۲۸-۲۹، ۳۰-۳۱، نربیان کتاب مذکور ص ۶۷-۶۸، اور ۷۱/۷۲ حواشی و اضافات ص ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۷، گبریلی رسالۂ مطالعات مشرقی ج ۱۳ ص ۲۱۵ ببعد،

[2] دیکھو آگے باب سوم،

آسیائی[1] میں شائع کیا[2]، حال ہی میں اس کو دوبارہ آقای مجتبی مینوی نے بہ عنوان "نامۂ تنسر بگشتاسپ" طبع کیا ہے[3]، ڈارمسٹیٹر کی اڈیشن دو نسخوں پر مبنی ہے لیکن مجتبی مینوی نے جس نسخے سے اپنا متن شائع کیا ہے وہ ڈارمسٹیٹر کے پرانے نسخے سے بھی بقدر پچاس سال قدیم تر ہے اور بعض لحاظ سے اُن دونوں سے کامل تر بھی ہے، یہ نامہ (جو ابن اسفندیار کی تاریخ طبرستان میں بھی درج ہے) اصل میں فارسی خلاصہ ہے ابن المقفّع کے عربی ترجمے کا جو اس نے ایک پہلوی متن سے کیا تھا، عربی ترجمہ اور اصل پہلوی دونو تلف ہو چکے ہیں، ابن المقفّع کے عربی ترجمے کی ایک عبارت مسعودی نے نقل کی ہے[4] دوسری البیرونی کی کتاب الہند میں ہے[5] اور تیسری فارسی میں (جو اسفندیار کی روایت کا تتمّہ ہو سکتی ہے) کتاب فارس نامہ میں ہے[6]، نامۂ تنسر ایک تاریخی، سیاسی اور اخلاقی مقالہ ہے بشکل مراسلت مابین ہیربدِ بزرگ تنسر و شاہ طبرستان جو نئے سیاسی حالات سے پوری طرح واقف نہیں ہے اور اردشیر کی اطاعت قبول کرنے میں متردّد ہے، مصنّف کا مقصد یہ ہے کہ شاہ طبرستان کو اطاعت کی ترغیب دینے میں در اصل ابنارِ زمانہ کو سیاسی امور کی تعلیم دے، نامۂ مذکور کتبِ اندرز کی قسم سے ہے جو خسرو کے عہد میں تألیف ہوئیں، در اصل اس کی تاریخِ تصنیف اردشیر اوّل کا زمانہ نہیں ہے بلکہ خسرو اوّل (انوشیروان) کا عہد ہے، تنسر ایک جگہ بیان کرتا ہے[7] کہ شاہ اردشیر نے مذہبی مجرموں کے لیے سزائیں ہلکی کر دیں، "پہلے زمانے میں جو شخص مذہب سے برگشتہ ہو جاتا تھا اس کو فوراً قتل کر دیتے تھے، لیکن اردشیر نے حکم جاری کیا کہ جو شخص مرتدّ ہو جائے اس کو گرفتار کیا جائے

---

[1] Journal Asiatique [2] سنہ ۱۸۹۴ء، حصّہ اوّل ص ۲۰۰ ببعد، ترجمے کے لیے دیکھو اسی کا ص ۵۰۲ ببعد، [3] طہران سنہ ۱۹۳۲ء، [4] کتاب التنبیہ والاشراف ص ۹۷،
[5] طبع سخاؤ ص ۵۳،
[6] کرسٹن سین: "ابرسام و تنسر" (Acta Orientalia) ج ۱۰ ص ۵۰ – ۵۵)،
[7] ڈارمسٹیٹر کی اڈیشن ص ۲۱۹ و ۵۲۴،

اور قید میں رکھا جائے اور ایک سال تک اس کو وعظ و نصیحت کی جائے، اگر اس مدت کے بعد اس پر کوئی اثر نہ ہو تو پھر اس کو قتل کیا جائے"۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے سخت قوانین جن کی رُو سے ارتداد کی سزا قتل قرار دی گئی تھی اُس زمانے سے پیشتر ہرگز نافذ نہیں ہو سکتے تھے جبکہ اردشیر نے دینِ زرتشتی کو حکومت کا مذہب قرار دیا، برعکس اس کے سزاؤں کی تخفیف بعد کے زمانے کی بات ہے جبکہ تہذیب و انصاف کا دور دورہ ہوا، اس نقطۂ نظر کی تبدیلی کو خاندان ساسانی کے نامور بانی کی طرف منسوب کرنے میں اس کو زیادہ باوقعت بنانے کی کوشش کی گئی ہے، یہی بات اُن جرموں کی سزاؤں کی تخفیف کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے جن کا ارتکاب بادشاہ یا حکومت یا دوسرے لوگوں کے خلاف ہو، نامۂ تنسر میں ایسے جرموں کا ذکر کیا گیا ہے، مذہبی معاملات میں خسرو اوّل (انوشیروان) کی رواداری اور اس کا رحم و انصاف محتاجِ بیان نہیں،

اب ہم بادشاہ کی جانشینی کے مسئلہ کی طرف توجہ کرتے ہیں[1]، نامۂ تنسر کے بیان کے مطابق اردشیر نہیں چاہتا تھا کہ اپنا جانشین نامزد کرے کیونکہ اس صورت میں اُس کو اندیشہ تھا کہ وہ اسے مار ڈالنے کی فکر میں رہیگا، لہٰذا اُس نے اپنے جانشین کے انتخاب کا یہ انتظام کیا کہ سربمہر لفافوں کے اندر چند وصیتیں اور ہدایتیں موبدِ بزرگ، سپہ سالارِ اعظم اور دبیرِ بزرگ کے نام لکھوا کر چھوڑ گیا جن میں لکھا تھا کہ میری وفات کے بعد یہ تینوں مل کر خاندانِ شاہی کے شہزادوں میں سے میرا جانشین منتخب کریں اور اگر ان میں آپس میں اتفاقِ رائے نہ ہو تو پھر انتخاب کا فیصلہ فقط موبدِ بزرگ کی رائے پر ہو، لیکن ساتھ ہی اردشیر نے واضح طور پر یہ بھی لکھوا دیا کہ "میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس طریقِ عمل کو سنّت قرار دیا جائے

[1] دیکھو نامۂ تنسر، ڈارمستٹیر کی اڈیشن ص ۲۲۷ - ۲۲۸، ۲۳۹ ببعد، اور ص ۵۴۲، ۵۴۳ ببعد،

بلکہ سر دست بہ تقاضائے مصلحت میں نے ایسا کیا لیکن آیندہ خدا جانے کوئی زمانہ ایسا آئے کہ مصلحتِ وقت کچھ اور ہو"۔ اوّل تو اس قسم کا انتظام اردشیر جیسے باتدبیر بادشاہ کے لیے شایستہ نہیں معلوم ہوتا دوسرے طبری کے بیان کے مطابق (جو ساسانیوں کے زمانے کی مستند تاریخ پر مبنی ہے) اردشیر، شاپور اوّل اور شاپور دوم نے اپنے اپنے جانشین خود منتخب کیے تھے، لیکن جو زمانہ کہ اردشیر دوم اور کواذ اوّل[1] کے عہد کے درمیان گزرا ہے اُس میں البتہ بادشاہ کا انتخاب عموماً بزرگانِ سلطنت کی رائے پر چھوڑا جاتا تھا، جو انتظام کہ نامۂ تنسر میں بیان ہُوا ہے وہ اسی زمانے میں متداول تھا، اور یہ جو عجیب و غریب قول اردشیر کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ "اس طریقِ عمل کو سنّت نہ قرار دیا جائے اور یہ کہ دوسرے زمانے میں مصلحتِ وقت کچھ اور ہو سکتی ہے" اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ نامۂ تنسر کی تصنیف ایسے زمانے میں ہوئی ہے جبکہ وہ انتظام جو اردشیر کی طرف منسوب ہے اگرچہ منسوخ ہو چکا تھا لیکن اس کی یاد ابھی زندہ تھی یعنی ایسے زمانے میں جبکہ بادشاہوں کو ازسرِ نو یہ قدرت حاصل ہو چکی تھی کہ اپنا جانشین اپنی زندگی میں نامزد کر دیں، یہ زمانہ کواذ اور ہرمزد چہارم کے عہد کا درمیانی زمانہ ہے[2]۔

نامۂ تنسر میں[3] اردشیر کی زبان سے یہ الفاظ ادا کیے گئے ہیں کہ "بجز شاہانِ زیر دست کے کوئی شخص جو ہمارے گھرانے سے تعلق نہ رکھتا ہو اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ شاہ کا لقب اختیار کرے سوائے اُن حکّام سرحد کے جو ولایتِ آلان اور اضلاعِ مغربی پر یا خوارزم و کابل پر فرماں روا ہیں"۔ "حاکم سرحد ولایتِ آلان" سے بلا شبہ اُن چار سپہبدوں میں

---

[1] اردشیر دوم کا عہد ۳۷۹ء سے ۳۸۳ء تک ہے اور کواذ اوّل کا ۴۸۸ء سے ۵۳۱ء تک۔ (مترجم)۔

[2] ہرمزد چہارم انوشیروان کا لڑکا اور اس کا جانشین ہے۔ اس کا عہدِ سلطنت ۵۷۹ء سے ۵۹۰ء تک ہے۔ (مترجم)۔

[3] طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۱۰، طبع مجتبیٰ مینوی ص ۹۔

سے ایک مُراد ہے جن کو خسرو اوّل (انوشیروان) نے مقرر کیا تھا، ہمیں بتلایا گیا ہے کہ اُسے اس بات کا امتیازی حق حاصل تھا کہ وہ تختِ زرّیں پر بیٹھ سکے اور یہ کہ اس کا منصب اور عہدہ مستثنیٰ طور پر اُس کے جانشینوں کو ورثے میں ملتا چلا جاتے جو "ملوک السریر" کہلاتے تھے،[1]

ان سب باتوں کے علاوہ جغرافیائی اطلاعات جو نامۂ تنسر میں دی گئی ہیں[2] ہمیں اس قابل بناتی ہیں کہ اس کے زمانۂ تصنیف کو صحیح طور پر معیّن کر سکیں، ایک تو اس میں ترکوں کا ذکر آیا ہے دوسرے سلطنت ایرانی کی حدود بتلائی گئی ہیں کہ وہ "دریاے بلخ سے لے کر آذربائجان کی سرحد تک اور آرمینیہ اور فارس اور دریاے فرات اور سرزمین عرب سے لے کر عمان اور مکران اور وہاں سے کابل اور طخارستان تک ہے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نامۂ تنسر اُس وقت لکھا گیا ہے جبکہ خسرو اوّل (انوشیروان) ہپتالیوں (ہیاطلہ) کا قلع قمع کر کے مشرق میں اپنی فتوحات ختم کر چکا ہے لیکن ابھی یمن فتح نہیں ہوُا، دوسرے لفظوں میں ۵۵۷ء اور ۵۷۰ء کے درمیان،[3]

مارکوارٹ دوسرے دلائل سے اسی نتیجے پر پہنچا ہے جس پر کہ ہم پہنچے ہیں یعنی یہ کہ نامۂ تنسر ایک جعلی کتاب ہے جو خسرو اوّل کے زمانے میں لکھی گئی،[4] مارکوارٹ نے استدلال یوں کیا ہے کہ اس میں کرمان کے ایک بادشاہ کابوس کا نام مذکور ہے حالانکہ تاریخ کی رو سے اردشیر کے زمانے میں کرمان کا بادشاہ ولخش ہے، تو یہ کابوس

---

[1] نہایت الارب در رسالۂ انجمن آسیائی ہمایونی (J. R. A. S.) سنہ ۱۹۰۰ء ص ۲۲۷،

[2] طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۴۱ - ۲۴۲ و ۵۴۶،

[3] ثعالبی لکھتا ہے (ص ۶۰۶) کہ "خسرو اوّل (انوشیروان) مخصوصاً اردشیر اوّل کے افعال و حرکات کا مطالعہ کیا کرتا تھا تاکہ وہ اپنے اعمال و افعال میں اُسی نمونے پر عمل پیرا ہو سکے"۔ یہی بات طبری نے بھی کہی ہے، (تاریخ طبری طبع یورپ ص ۸۹۸)، نیز دیکھو فارس نامہ ص ۸۸،

[4] "ایرانشہر" (بزبان جرمن)، ص ۴۸، ح ۱،

دراصل خسرو اوّل کا بھائی کاؤس ہے جس کے نمونے پر کابوس کی شخصیت تیار کی گئی ہے[1]،

ساسانیوں کی تاریخ کے پہلوی مآخذ میں سے ایک کتاب "پیشینگان نامگ" (یعنی "کتاب القدمار") ہے جس میں سے کچھ عبارت نظام الملک نے اپنے سیاست نامے میں نقل کی ہے[2]،

مؤرخ مسعودی نے سنہ ۱۶-۹۱۵ء میں فارس کے کسی امیر کے پاس اصطخر میں "ایک بڑی ضخیم کتاب دیکھی تھی جو ایرانیوں کے علوم، ان کی تاریخ، ان کی عمارات اور ہر بادشاہ کے عہد سلطنت وغیرہ پر مشتمل تھی" اور جس میں منجملہ اور چیزوں کے شاہان ساسانی کی تصاویر بھی دی گئی تھیں، "رسم یہ تھی کہ ہر بادشاہ کی وفات کے دن (خواہ وہ جوان مرے یا بڈھا ہو کر مرے) اس کی تصویر بنائی جاتی تھی جس میں اس کا لباس، اس کا تاج، اس کی ڈاڑھی کی وضع اور اس کی ظاہری شبیہ دکھلائی جاتی تھی"۔ پھر اس تصویر کو شاہی خزانے میں رکھوا دیا جاتا تھا "تاکہ شاہ متوفّی کی شکل و شباہت آنے والی نسلوں کو یاد رہے"۔ اگر بادشاہ کی تصویر لباسِ جنگی میں کھینچی جاتی تو اس کو استادہ دکھایا جاتا تھا اور اگر اس کو امورِ سلطنت میں مشغول دکھانا منظور ہوتا تھا تو وہ نشستہ ہوتا تھا اور اس کے گرد دربار کے بڑے اور چھوٹے جمع ہوتے تھے اور تصویر کا سارا نقشہ اس طرح دکھایا جاتا تھا کہ اس کے عہد کے تمام بڑے بڑے واقعات آنکھوں کے سامنے آجاتے تھے، مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب اُس نسخے کی نقل تھی جو شاہانِ ایران کے خزانے میں ماہ جمادی الثانی ۱۱۳ھ (سنہ ۷۳۱ء) کے

---

[1] "ایرانشہر" (بزبان جرمن)، ص ۳۰ و ح ۲، نامۂ تنسر کے متعلق اس کے علاوہ دیکھو گبریئیلی۔ "رسالۂ مطالعات مشرقی" (بزبان اطالوی) ج ۱۳ ص ۲۱۷ بعد، [2] طبع پیرس ص ۱۰،

وسط میں پایا گیا تھا، ہشام بن عبدالملک بن مروان کے حکم سے اس کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا اور اس کی تصاویر کو حیرت انگیز رنگ آمیزی کے ساتھ اس طرح بنایا گیا کہ "آج کل ویسا بن سکنا ناممکن ہے"۔ اس کے رنگوں میں محلول سونا اور چاندی اور تانبے کا سفوف استعمال کیا گیا تھا، مسعودی کہتا ہے کہ "اس کے اوراق ایسی کاریگری کے ساتھ تیار کیے گئے تھے کہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا وہ کاغذ کے تھے یا باریک چمڑے کے"۔ غالباً یہی کتاب تھی جو حمزہ اصفہانی کے پیش نظر تھی اور اپنی تاریخ میں جو اس نے تمام ساسانی بادشاہوں کی ہیئتِ جسمانی کی کیفیت بیان کی ہے وہ ضرور اسی کتاب سے ماخوذ ہوگی، لیکن یقیناً یہ تصاویر شروع سے آخر تک ساری کی ساری قابلِ اعتبار نہ تھیں، غالباً یہ رسم کہ وفات کے دن بادشاہ کی تصویر بنائی جائے اور اس کو شاہی خزانے میں رکھوایا جائے دورِ ساسانی کے کسی زمانے میں جاری ہوئی جس کو ہم ٹھیک طور سے معین نہیں کر سکتے لہذا مجموعۂ تصاویر کو مکمل کرنے کے لیے شروع کے بادشاہوں کی تصویریں یقیناً خیالی اور قیاسی بنائی گئی ہوں گی، لیکن کوئی وجہ نہیں کہ آخری بادشاہوں کی تصاویر کو معتبر نہ سمجھا جائے کیونکہ ان میں سے ہر بادشاہ کا لباس، ساز و سامان اور ہیئتِ جسمانی ان کی اُن تصویروں کے ساتھ جو پتھروں میں یا چاندی کے برتنوں میں کندہ ہیں اس درجہ مطابق ہے کہ ہرگز یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ عہد ساسانی کے بعد جعلی طور پر بنائی گئی ہیں،

اصطخری لکھتا ہے[1] کہ ضلع شاپور (فارس) میں ایک جگہ پر پہاڑ کی چٹان میں فارس کے بادشاہوں، امیروں اور موبدوں کی تصویریں کندہ کی ہوئی ہیں، پھر کہتا ہے کہ ان کی تصاویر، ان کے اعمال و افعال اور ان کے تاریخی حالات اُن کتابوں میں دیے

[1] طبع یورپ ص ۱۵۰،

گئے تھے جو نہایت احتیاط کے ساتھ اُن لوگوں کی نگرانی میں رکھوائی گئی تھیں جو قلعۂ شیز (علاقۂ ارجان) میں سکونت رکھتے تھے، موسیو اینوس ترانت زیف [۱] نے اس عبارت سے یہ مطلب نکالا ہے کہ تصاویر مذکور شاپور کے کتبوں کی حجّاری کے نمونے پر بنائی گئی تھیں [۲]،

پہلوی کی متعدد کتابوں کے نام جن کے ترجمے عربی میں ہوئے الفہرست میں مذکور ہیں [۳]، ان کتابوں کے نام بعض اور مصنفوں کے ہاں بھی ملتے ہیں، ان میں سے بعض تو سلسلۂ کتبِ "اندرز" سے متعلّق ہیں [۴] اور بعض تاریخی افسانوں کے زمرے میں آتی ہیں لیکن چونکہ ان میں سے اکثر ایسی ہیں جن کے فقط نام ہی نام معلوم ہیں اس لیے یہ بتانا مشکل ہے کہ کون سی کتاب کس زمرے سے تعلّق رکھتی ہے،

تاریخی افسانوں میں سے (یعنی وہ افسانے جن کے منصوبے ساسانیوں کی تاریخ سے لیے گئے اور جن کے ترجمے عربی میں ہوئے [۵]) قابل ذکر دو ہیں یعنی "مزدک نامگ" اور "وہرام چوبین نامگ"۔ "مزدک نامگ" میں بانیٔ مذہبِ اشتمالیّت یعنی مزدک کے حالات اور شاہ کواذ کے ساتھ اس کے تعلّقات بیان کیے گئے تھے، اس کتاب کا ترجمہ عربی میں ابن المقفّع نے کیا تھا اور اللاحقی نے اس کو (عربی میں) نظم کیا تھا [۶]، منجملہ اور

---

[۱] Inostrantzev. ، [۲] "مطالعات ایرانی" (بزبان روسی)، پطرزبورغ ۱۹۰۹ء، ص ۹، نریمان - "ادبیات اسلامی پر ایرانی اثرات" (بمبئی ۱۹۱۸ء)، ص ۲۰ بعد،
[۳] ص ۳۰۵، ۳۱۵ - ۳۱۶، [۴] دیکھو اوپر ص ۶۷-۶۸،
[۵] دیکھو میرا مضمون بہ عنوان "پہلوی زبان میں تاریخی افسانے" جو مجموعہ مضامین بیادگار فرانتس بُول (Franz Buhl) میں شائع ہوا تھا (کوپن ہاگن ۱۹۲۵ء) ص ۴۴ - ۳۴،
[۶] الفہرست (ص ۱۱۸ س ۲۷ و ص ۱۶۳ س ۱۰)،

کتابوں کے اس کا ذکر حمزہ اصفہانی کی تاریخ میں اور "نہایۃ (الارب)" میں ملتا ہے۔ سیاست نامۂ نظام الملک میں[1] اور ایک پارسی روایت میں[2] اس کے جو اقتباسات دیے گئے ہیں ان کو ملانے سے ہم اس افسانے کا نفس مضمون ذہن میں لا سکتے ہیں،
"مزدک نامگ" کو ثعالبی، فردوسی، بیرونی اور فارس نامہ اور مجمل التواریخ کے مصنفوں نے بطور ماخذ استعمال کیا ہے[3]،

"وہرام چوبین نامگ" غاصبِ سلطنت وہرام چوبین کی داستان تھی جس کو جبلہ بن سالم نے عربی میں ترجمہ کیا[4]، اس داستان کے مجموعی خط و خال عربی تواریخ اور فردوسی کے بیانات سے دوبارہ بہم کیے جا سکتے ہیں[5]،

یہ ہیں ساسانیوں کی تاریخ کے بڑے بڑے ماخذ جن کے نام ہم کو اُن عربی اور فارسی مؤرخین کے ہاں ملتے ہیں جن کی تصانیف آج موجود ہیں، ان تصانیف میں سے قدیم ترین اور اہم ترین یہ ہیں: تاریخ یعقوبی[6] (نویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں لکھی گئی) اور تاریخ ابن قتیبہ[7] (متوفی ۸۸۹ء) جس کی دوسری تصنیف عیون الاخبار[8] میں بھی ساسانیوں کی تاریخ کے متعلق بعض اہم مطالب لکھے گئے ہیں، ان کے علاوہ اخبار الطوال[9] للدینوری (متوفی ۸۹۵ء)، تاریخ طبری[10] (متوفی ۹۲۳ء)، تاریخ سعید

---

[1] باب ۴۵ از طبع شیفر (پیرس)، [2] "روایت داراب ہرمزیار" ج ۲ ص ۲۱۴ - ۲۳۰،
[3] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۴۵۵ ببعد، کرسٹن سین، "عہد شاہ کواذ" ص ۴۴ ببعد، ایضاً۔ "قصۂ مزدک کی دو روایتیں" (مجموعۂ مضامین بیادگار جمشید جی جیون جی مودی ص ۳۲۱ ببعد)،
[4] الفہرست (ص ۳۰۵ س ۱۰)، [5]، نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۴۷۴ ببعد، کرسٹن سین۔ "افسانۂ بہرام چوبین" [6] طبع ہوتسما (لیڈن ۱۸۸۳ء)،
[7] طبع ووسٹنفلٹ (Wüstenfeld) گوٹنگن ۱۸۵۰ء، [8] طبع بروکلمن (برلن ۱۹۰۰ء۔ ۱۹۰۸ء، طبع مصر ۱۹۲۵ء۔ ۱۹۳۰ء)، [9] طبع لیڈن ۱۸۸۸ء،
[10] طبع دخویہ، ساسانی تاریخ کے حصے کا ترجمہ بزبان جرمن از نولڈکہ (۱۸۷۹ء)،

بن بطریق[1] (جو اسکندریہ کا اسقف تھا اور سنہ ۹۲۹ء میں مرا)، مروج الذہب للمسعودی[2] (متوفی در حدود سنہ ۹۵۶ء) اور اسی کی دوسری تصنیف کتاب التنبیہ والاشراف[3]، تاریخ حمزہ اصفہانی جو سنہ ۹۶۱ء میں لکھی گئی[4]، بلعمی کی فارسی تاریخ جو طبری سے مأخوذ ہے اور سنہ ۹۶۳ء میں تالیف ہوئی[5]، تاریخ مطہر بن طاہر المقدسی[6] مؤلفہ سنہ ۹۶۶ء اور شاہنامۂ فردوسی[7] (متوفی در حدود سنہ ۱۰۲۰ء) جو ایرانیوں کی قومی رزمیہ نظم ہے، فردوسی کے ضمنی بیانات ساسانی تمدن سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے بیحد مفید ہیں یہاں تک کہ شاہنامے کے اُن حصوں میں بھی جو زرتشت سے پیشتر کے افسانوی زمانے کے متعلق ہیں عہد ساسانی ہی کے احوال کا پرتو ہے اس لیے کہ فردوسی کے اصلی مأخذ اسی عہد میں تصنیف ہوئے، تصانیف مذکورہ بالا کے علاوہ غُرر اخبار الملوک للثعالبی[8] (متوفی سنہ ۱۰۳۸ء)، نہایۃ الارب فی اخبار الفرس والعرب جس کے مصنّف کا نام معلوم نہیں لیکن غالباً گیارھویں صدی کے نصف اوّل میں لکھی گئی[9]، فارس نامہ (بزبان فارسی) جس کا مصنّف ابن البلخی کے نام سے مشہور ہے[10] اور مجمل التواریخ (فارسی) جس کا مصنّف غیر معلوم ہے لیکن تاریخ تصنیف سنہ ۱۱۲۶ء ہے[11]، ساسانیوں کی تاریخ کے متعلق جو کچھ

---

[1] طبع پوکوک (Pococke) (اکسفورڈ سنہ ۱۶۵۸ء) مع ترجمہ لاطینی، طبع جدید از لوئیس شیخو (بیروت سنہ ۱۹۰۶ء – سنہ ۱۹۰۹ء)، [2] طبع باربیے دومینار مع ترجمہ فرانسیسی، جلد دوم، (طبع ثانی، پیرس سنہ ۱۹۱۴ء)، [3] طبع دخویہ (لیڈن سنہ ۱۸۹۴ء)، [4] طبع گوٹ والٹ (Gottwald)، پطرز بورغ سنہ ۱۸۴۴ء – ۱۸۴۸ء (نیز مطبع کاویانی برلن – مترجم) مع ترجمہ لاطینی، [5] ترجمۂ فرانسیسی از زوٹن برگ (پیرس سنہ ۱۸۶۹ء – (اس کا فارسی متن مطبع نولکشور میں چھپ چکا ہے – مترجم)، [6] متن و ترجمہ فرانسیسی از موسیو ہوآر (Huart) پیرس سنہ ۱۹۰۳ء، [7] متن مع ترجمہ فرانسیسی از مول (Mohl) – پیرس سنہ ۱۸۶۶ء – سنہ ۱۸۷۸ء، انگریزی ترجمہ از وارنر (Warner)، لنڈن سنہ ۱۹۱۲ء – سنہ ۱۹۲۵ء، [8] متن و فرانسیسی ترجمہ از زوٹن برگ (پیرس سنہ ۱۹۰۰ء)، [9] خلاصہ و اقتباسات از پروفیسر براؤن (J. R. A. S.) سنہ ۱۹۰۰ء ص ۱۹۵ ببعد)، نیز دیکھو J. R. A. S. سنہ ۱۸۹۹ء ص ۵۱ – ۵۳، [10] سلسلۂ مطبوعات گِبْ، لنڈن سنہ ۱۹۲۱ء، [11] متن مع ترجمہ فرانسیسی از مول در "مجلۂ آسیائی" (J. A.)، سلسلۂ سوم ج ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ و سلسلۂ چہارم ج ۱، (طبع جدید از آقای بہار، ، طہران، سنہ ۱۳۱۷ ہجری شمسی – مترجم)،

پہلوی کتاب بُندہِشن میں دیا ہے[1] وہ خوذای نامگ کے عربی ترجموں اور تحریفوں سے ماخوذ ہے[2]،

ابن مسکویہ، ابن الاثیر اور اُن مؤرخوں کی تصانیف جو زمانۂ متاخرین میں گزرے ہیں (مثلاً ابوالفدار، حمداللہ مستوفی قزوینی مؤلف تاریخ گزیدہ اور میرخوند وغیرہ) زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں، ساسانیوں کی تاریخ کے متعلق ان میں بہت کم ایسی اطلاعات ملتی ہیں جو قدمار کی کتابوں میں موجود نہ ہوں،

عربی اور فارسی کے اہم ترین ماخذوں میں جو باہمی تعلق ہے اس کو سمجھنے کے لیے نولڈکہ کے اُس مقدمہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو اُس نے ترجمۂ تاریخ طبری پر لکھا ہے، اِس کتاب میں اُس نے جو بیشمار حواشی لکھے ہیں اُن سے اُس کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، اس کے علاوہ زوٹن برگ کا مقدمہ ثعالبی کی کتاب پر اور میری تصنیف موسوم بہ عہد شاہ کواذ اوّل نیز وہ مضامین جو میں نے حکیم بزرجمہر اور ابرسام اور تنسر پر لکھے ہیں[3] اس بارے میں مفیدِ مطلب ہیں، نولڈکہ کی رائے میں[4] ابن بطریق اور ابن قتیبہ نے ابن المقفّع کے عربی ترجمۂ خوذای نامگ کی پیروی دیانت داری کے ساتھ کی ہے[5]، طبری واقعات کی مختلف روایات کو جو اُسے دستیاب ہوئی ہیں الگ الگ بیان کرتا ہے لیکن بالعموم اپنے ماٰخذ کا ذکر نہیں کرتا اور ضمناً حیرہ کی عربی سلطنت کے تاریخی واقعات بھی لکھتا جاتا ہے، بلعمی نے طبری کی مختلف روایات کو باہم ملا دیا ہے اور پھر بعض تفاصیل دوسرے ماٰخذ سے لے کر اس میں اضافہ کی ہیں، اسی طرح صاحب فارس نامہ نے بھی

---

[1] دیکھو اوپر ص ۶۶، [2] کرسٹن سین: "کیانیان" ص ۴۹ — ۵۱ و ۶۱ بعد،
[3] Acta Orientalia ج ۸ و ۱۰، [4] مقدمۂ تاریخ طبری ص ۲۱،
[5] گبرئیلی - "رسالۂ مطالعات مشرقی" (اطالوی) ج ۱۲ ص ۲۰۹ بعد،

جو مجموعی طور سے طبری کی پیروی کرتا ہے دوسرے مآخذ سے بہت سی باتیں لے کر بڑھادی ہیں، حمزہ نے جس کی کتاب محض ایک خلاصہ ہے خُوذای نامگ کے عربی ترجموں اور تحریفوں سے بہت مدد لی ہے، مجمل التواریخ کا مصنّف حمزہ سے روایت کرتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیش نظر اِس خلاصے کے علاوہ جو ہمارے سامنے ہے حمزہ کی زیادہ مفصّل تاریخی تصانیف تھیں جواب موجود نہیں ہیں، دینوری نے خُوذای نامگ کی ایک جداگانہ روایت کا تتبّع کیا ہے جس کی زیادہ مفصّل شکل نہایۃ میں پائی جاتی ہے؛ تو یا تو نہایۃ کے مصنّف نے دینوری کو بطور مأخذ استعمال کیا ہے یا دونو کا ایک مشترک مأخذ ہے، بعض اور روایات جو خُوذای نامگ سے لی گئی ہیں یعقوبی، مسعودی اور مطہّر کی مختصر کتاب میں اور پھر فردوسی اور ثعالبی میں پائی جاتی ہیں جن کے متّصل مآخذ ایک مشترک مأخذ سے مستفید ہوئے ہیں، ان مصنّفوں نے خُوذای نامگ کی روایات کو پیش کرنے میں بعض اور پہلوی مآخذ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جیساکہ آیئن نامگ، گاہ نامگ، تاج نامگ، کتبِ اندرزر اور مقبول عام افسانے، فردوسی اور ثعالبی کے مشترک مأخذ نے کتب اندرزر اور افسانوں کو استعمال کیا ہے لیکن فردوسی نے مخصوصاً ان دوقسم کی کتابوں سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے،

بہت سی اہم اطّلاعات جن کا منبع عہد ساسانی کی متفرق روایات ہیں کثرت کے ساتھ اُن کتابوں میں ملتی ہیں جو جاحظ (متوفّی ۸۶۹ء) کی طرف منسوب ہیں خصوصاً کتاب التاج[1] میں جس کے معتبر ہونے میں موسیو ریشر[2] کو شبہ ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ شبہ ناحق ہے کیونکہ اس میں تمام روایات عمدہ اور قدیم مآخذ سے نقل کی گئی ہیں؛ نیز

[1] طبع احمد زکی پاشا (قاہرہ ۱۹۱۴ء)، نیز دیکھو گبریَیلی ـ "رسالہ مطالعات مشرقی" (اطالوی) ج ۱۱، (روما ۱۹۲۸ء) ص ۲۹۲ ببعد، [2] Rescher

کتاب المحاسن والمساوی[1] ہیں جو البتہ غیر معتبر ہے اور یقیناً جاحظ کی تصنیف نہیں ہے، ان کے علاوہ خوارزمی کی مفاتیح العلوم[3] میں (جو تقریباً سنہ ۹۷۶ء میں لکھی گئی[2]) اور البیرونی (متوفی سنہ ۱۰۴۸ء) کی الآثار الباقیہ میں اور نظام الملک کے سیاست نامہ میں (جو سنہ ۱۰۹۲ء میں تصنیف ہوا[4]) بہت سی مفید معلومات پائی جاتی ہیں، عربی کی اُن کتابوں میں سے جو "کُتبِ ادب" کہلاتی ہیں ساسانی زمانے کے متعلق بہت سی حکایتیں اور نقلیں جمع کی جاسکتی ہیں، بظاہر اس قسم کی کتابیں کُتب اندرز کی تقلید میں لکھی گئی ہیں، منجملہ ان کے دو "کتاب المحاسن والمساوی" ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا، ان کے علاوہ ابن الجوزی (متوفی سنہ ۱۲۰۰ء) کی کتاب الاذکیاء[5] اور سعد الدین وراوینی کا فارسی مرزبان نامہ ہے جو سنہ ۱۲۱۰ء اور سنہ ۱۲۲۵ء کے درمیان لکھا گیا[6]، جغرافیے کی عربی کتابوں میں بھی اسی طرح بہت سی بکھری ہوئی باتیں ملتی ہیں مثلاً جغرافیۂ ابن خرداذبہ (نویں صدی)، ابن الفقیہ الہمدانی (متوفی در آغاز قرن دہم)، اصطخری اور ابن حوقل (قرن دہم) اور یاقوت (متوفی سنہ ۱۲۲۹ء)[7]، بعض اطلاعات مقامی تاریخ کی کتابوں سے بھی حاصل ہوسکتی ہیں مثلاً تاریخ طبرستان

---

[1] طبع فان فلوٹن (Van Vloten) لیڈن سنہ ۱۸۹۸ء، ترجمہ جرمن از رشیر (ج ۱، قسطنطنیہ، سنہ ۱۹۲۶ء) (ج ۲، سٹٹ گرٹ جرمنی سنہ ۱۹۲۲ء)، اسی نام کی ایک اور کتاب بیہقی کی تصنیف ہے جو دسویں صدی کے نصف اوّل میں گزرا ہے، اس کو شوالی (Schwally) نے شائع کیا ہے (گیسن سنہ ۱۹۰۲ء)،

[2] طبع فان فلوٹن (لیڈن سنہ ۱۸۹۵ء)، اس کے ایک اقتباس کا انگریزی ترجمہ جے-ایم-اون والا نے شائع کیا تھا (بمبئی سنہ ۱۹۲۸ء)، [3] طبع سخاؤ (لیپزگ سنہ ۱۸۷۸ء)، انگریزی ترجمہ از ایضاً، (لنڈن سنہ ۱۸۷۹ء)، [4] متن و فرانسیسی ترجمہ از موسیو شیفر (پیرس سنہ ۱۸۹۱ء و سنہ ۱۸۹۳ء)،

[5] جرمن ترجمہ از موسیو ریشر (گلا ما سنہ ۱۹۲۵ء)، [6] طبع میرزا محمد قزوینی (لیڈن سنہ ۱۹۰۹ء)،

[7] طبع ووسٹنفلٹ (معجم البلدان) در شش مجلد، (لیپزگ سنہ ۱۸۶۶ء)، اس کا فرانسیسی ترجمہ (بالاختصار) موسیو باربیے دو مینار (Barbier de Meynard) نے شائع کیا تھا، (پیرس سنہ ۱۸۶۱ء)،

مؤلفۂ ابن اسفندیار (در ۱۲۱۶ء)[1]، تاریخ طبرستان مؤلفہ ظہیر الدین المرعشی (در حدود ۱۴۷۶ء)[2]، عقاید مذہبی کو معلوم کرنے کے لیے شہرستانی (متوفی ۱۱۵۳ء) کی کتاب الملل والنحل[3] کے وہ حصے نہایت ضروری ہیں جن میں مذہب زرتشت، مانویت اور مزدکیت پر بحث ہے نیز ابو المعالی کی بیان الادیان (فارسی)[4] کا باب دوم جس میں انھی تینوں مذہبوں کے بارے میں مفید مطالب لکھے گئے ہیں، مذاہب ایران قدیم کے متعلق بعض باتیں تبصرۃ العوام میں بھی ملتی ہیں جو فارسی زبان میں تیرھویں صدی کے نصف اول میں تصنیف ہوئی اور سید مرتضیٰ بن داعی حسنی رازی کی طرف منسوب ہے، عربوں کی فتح ایران کا حال معلوم کرنے کے لیے اول درجے کا مأخذ کتاب فتوح البلدان للبلاذری[5] (متوفی ۸۹۲ء) ہے، اس کتاب کے نصف اول میں (جس کا ترجمہ جرمن میں موسیو ریشر نے کیا ہے[6]) خاص خاص موقعوں پر تاریخ ایران کے واقعات جو پانچویں سے ساتویں صدی تک کے زمانے سے متعلق ہیں مذکور پائے جاتے ہیں،

[1] ترجمۂ انگریزی بالاختصار از پروفیسر براؤن (لیڈن ۱۹۰۵ء)، [2] طبع ڈوڑن (Dorn)، پطرزبورغ ۱۸۵۰ء، [3] طبع کیوڑٹن (Cureton)، لنڈن ۱۸۴۶ء، جرمن ترجمہ از ہاربرگر (۱۸۵۰ء)، [4] مؤلفہ ۱۰۹۲ء، موسیو شیفر کے "منتخبات فارسی" کی جلد اول (ص ۱۳۲ ببعد) میں شائع ہوئی ہے، اس کے باب دوم کا ترجمہ اطالوی زبان میں موسیو پیزی (Pizzi) نے کیا تھا جو تورن (Torino) کی سائنس اکیڈیمی کی روئداد میں ۱۹۰۳ء میں چھاپا گیا تھا، پوری کتاب کا ترجمہ ڈینش یعنی ڈنمارک کی زبان میں کرسٹن سین نے کیا ہے (طبع کوپن ہاگن ۱۹۱۶ء) اور اطالوی زبان میں موسیو گبریئلی نے (روما ۱۹۳۲ء)، نیز دیکھو "انتقادات کرسٹن سین" در مجلۂ "دنیاے شرق" (Monde Orientale) ۱۹۱۱ء ص ۲۰۵ ببعد،
[5] طبع دخویہ (لیڈن ۱۸۶۶ء)،
[6] لیپزگ، ۱۹۱۷ء، حصہ دوم سٹٹ گرٹ ۱۹۲۳ء،

۳- یونانی اور لاطینی ماخذ

ڈیون کاسیوس[۱] (متوفی درحدود ۲۳۵ء) نے اپنی تاریخ روم میں جو ۲۲۹ء پر ختم ہوتی ہے سلطنت ساسانی کی تاسیس کا حال لکھا ہے، اور مؤرخ ہروڈین[۲] (متوفی ۲۴۰ء) نے تغییر خاندانِ حکومت کی کیفیت اور اس کے متعلق جملہ واقعات نہایت مفصّل طور پر اپنی تاریخ روم میں قلمبند کیے ہیں،

خاندان ساسانی کے ابتدائی زمانے کے متعلق اطلاعات ہم کو مؤرخ ڈیکسپّوس ساکن ایتھنز[۳] کی تاریخ کے اُن اجزا سے حاصل ہوتی ہیں جو آج موجود ہیں نیز تاریخ قیاصرۂ روم مؤلفہ ٹری بیلیوس پولیو[۴] سے جو ڈیو کلیشین[۵] اور قسطنطین بزرگ[۶] کے زمانے کا مؤرخ ہے، اس کے معاصر مصنّف لیکٹینٹیوس فرمیانوس[۷] نے جو عیسائی ہو گیا تھا ایک افسانہ مبنی بر تعصّب لکھا ہے جس میں اُس نے شاپور اوّل کا ظالمانہ سلوک قیصر ویلیرین[۸] کے ساتھ (جو ایرانیوں کے ہاتھ میں قید ہو گیا تھا) دکھایا ہے، ان کے علاوہ ایران کے تاریخی واقعات کی طرف اشارے کتب ذیل میں کہیں کہیں پائے جاتے ہیں:-

---

[۱] Dion Cassius، اس کی تاریخ روم اسّی جلدوں میں تھی جس میں سے اب صرف ایک چوتھائی کے قریب باقی ہے (مترجم)، [۲] Herodian، اس نے آٹھ جلدوں میں تاریخ روم یونانی زبان میں لکھی ہے جس میں ۱۸۰ء سے ۲۳۸ء تک کے واقعات ہیں (مترجم)، [۳] Dexippos، تیسری صدی کے نصف ثانی میں گزرا ہے، [۴] Trebellius Pollio، [۵] Diocletian، قیصر روم، عہد سلطنت ۲۸۴ء - ۳۰۵ء (مترجم)، [۶] Constantine the Great، قیصر روم مشہور و معروف، قسطنطنیہ کا نام اسی کے نام پر ہے جس کو اس نے ۳۳۰ء میں روم Rome کی بجائے اپنی سلطنت کا پایۂ تخت قرار دیا، عہد سلطنت ۳۰۶ء - ۳۳۷ء (مترجم)،

[۷] Lactantius Firmianus، [۸] (Valerian)، اس نے ۲۶۰ء میں ایران پر لشکر کشی کی لیکن الرّہا (Edessa) میں شاپور سے شکست کھا کر قید ہو گیا (مترجم)،

۱- تاریخِ قیصراورِیلین [1] مؤلفہ فلیوپُوس ووپِسکوس [2] (در حدود سنہ ۳۰۰ ع)۔
۲- مؤرّخ یوسیبیوس قیساری [3] (متوفّی سنہ ۳۴۰ ع) کی تاریخ کلیسا،
۳- مؤرّخ روفینوس [4] کی تاریخ جس نے یوسیبیوس کی تاریخ کلیسا کا ذیل لکھا ہے جو سنہ ۳۹۵ ع پر ختم ہوتا ہے،
۴- تاریخ قیاصرۂ روم از آریلیوس وکٹر [5] جو سنہ ۳۶۰ ع پر ختم ہوتی ہے،
۵- یونَپِیوس [6] حکیم افلاطونی جدید (متوفّی در حدود سنہ ۴۱۵ ع) کی تاریخ جو سنہ ۲۷۰ ع سے سنہ ۴۰۴ ع تک کے واقعات پر مشتمل ہے،

ان تمام کتابوں کے مصنّفوں کو ایران کے ساتھ صرف وہیں تک دلچسپی ہے جہاں تک کہ اس کے تعلّقات سلطنت روم کے ساتھ تھے، لہذا اُنھوں نے ایران کا ذکر صرف وہیں کیا ہے جہاں دونوں سلطنتوں کو ایک دوسرے سے واسطہ پڑا،

رومیوں کے ساتھ شاپور دوم کی لڑائیوں کے حالات کا اہم ترین مأخذ امیانوس مارسیلینوس [7] کی لاطینی تاریخ ہے جس کی اکتیس جلدوں میں سے اٹھارہ جو اب باقی ہیں (یعنی جلد ۱۴ تا ۳۱) ان میں سنہ ۳۵۳ ع سے سنہ ۳۷۸ ع تک کے واقعات درج ہیں، امیانوس نے جن لڑائیوں کی کیفیّت بیان کی ہے ان میں وہ بذات خود موجود تھا، سنہ ۳۶۳ ع میں جب رومیوں نے ایران پر فوج کشی کی تو اس میں وہ شریک تھا، اس واقعہ کی تفصیل بیان کرنے میں اس نے بہت سی اطلاعات جو نہایت اہم ہیں ایران اور اہلِ ایران کے متعلّق دی ہیں، ایک اور لاطینی مؤرّخ جو سنہ ۳۶۳ ع کی لشکر کشی

[1] Aurelian عہد سلطنت سنہ ۲۷۰ ع - سنہ ۲۷۵ ع (مترجم)،
[2] (Flavius Vopiscus) [3] Eusebius (Bishop) of Cæsarea
[4] Rufinus [5] Aurelius Victor ، لاطینی مؤرّخ ، [6] Eunapius ،
[7] Ammianus Marcellinus ، دیکھو اوپر ص ۳ ،

ہیں شریک تھا یوٹروپیوس[1] ہے جو روم کی ایک مختصر تاریخ کا مصنّف ہے خطبات و مکتوبات لیبانیوس[2] (متوفّی ۳۹۳ء) جو فنّ خطابت کا ماہر لیکن مشرک تھا اور راہب سول پی سیوس سیویروس[3] (متوفّی مابین ۴۲۰ء و ۴۲۵ء) کی تاریخ اس عہد میں ایران و روم کے باہمی تعلّقات کو جاننے کے لیے مفید مطلب ہیں،

ایک عالم مسیحی مسمّی تھیوڈور دو موپسوئشت[4] (متوفّی ۴۲۸ء) ہمارے لیے قابل توجّہ ہے بسبب اس بات کے کہ اُس نے زرتشتیوں کے زُروانی عقیدے کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ ہمیں فوٹیوس[5] نے دیا ہے، اس کے مرید تھیوڈورٹ[6] (متوفّی ۴۶۰ء) نے جو شہر کرُس[7] کا پادری تھا اور پانچویں صدی کے نصف اوّل کے مذہبی مباحثوں میں مستعدی کے ساتھ حصّہ لیتا رہا یوسیبیوس کی تاریخ کلیسا کا ذیل لکھا ہے جس میں ۳۲۴ء سے ۴۲۹ء تک کے واقعات درج کیے ہیں، یہاں مناسب ہے کہ ہم یونانی زبان کے مؤرّخین کلیسا کی تصانیف کا بھی ذکر کریں جن میں مشرقی عیسائیت کے مذہبی مناقشات نیز ایران و روم کی دو بڑی سلطنتوں کے درمیان سیاسی اور مذہبی عداوتوں کا ذکر ہے، ان تصانیف میں ایک تو سقراط سکولاسٹیکوس[8] (متوفّی

---

[1] Eutropius، قسطنطین بزرگ کا سیکرٹری تھا، پھر قیصر جولین کی ملازمت میں رہا جس کی معیّت میں وہ ایران گیا، اس کی تاریخ روم بزبان لاطینی دس جلدوں میں تھی (مترجم)، [2] Libanius، انطاکیہ میں ۳۱۴ء میں پیدا ہوا، قسطنطنیہ میں مدّت العمر فن بلاغت اور ادب کی تعلیم دیتا رہا، اس کی سب تصانیف یونانی زبان میں تھیں، (مترجم)، [3] Sulpicius Severus، فرانس کا رہنے والا تھا اس کی اکثر تصانیف (بزبان لاطینی) تاریخ کلیسا پر ہیں (مترجم)،

[4] Theouore of Mopsuest موپسوئست ایشیائے کوچک کے جنوبی علاقے میں ایک شہر کا نام تھا، (مترجم)، [5] Photius، قسطنطنیہ کا پادری تھا، نویں صدی میں گزرا ہے اور بہت سی کتابوں کا مصنّف ہے، (مترجم)، [6] Theodoret، [7] Cyrrhus، شام میں ایک شہر تھا جس کو سلوکیوں نے آباد کیا تھا، (مترجم)، [8] Socrates Scholasticus، قسطنطنیہ میں ۳۷۹ء میں پیدا ہوا، اس کی تاریخ کلیسا ۳۰۶ء سے ۴۳۹ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے اور سات

۴۴۴ء) کی کتاب ہے ایک سوزومین[1] (متوفّی بعد از ۴۴۳ء) کی تصنیف ہے، نیز ایواگریئوس[2] (متوفّی بعد از ۶۰۰ء) کی کتاب اور اوروسیوس[3] (قرن پنجم) کی کتاب موسوم بہ ردّ کفار ہے جو عیسائیت کی حمایت میں لکھی گئی ہے اور اس میں تاریخِ عالم تا ۴۱۷ء درج ہے، ان کے علاوہ تاریخ قیاصرۂ روم (تا ۴۱۰ء) ہے جس کا مصنّف زوسیموس[4] مشرک ہے اور ۵۰۰ء کے قریب لکھی گئی ہے، پرسکوس[5] (متوفّی ۴۷۱ء) نے ہمیں شاہ پیروز[6] کے عہد کے متعلق تاریخی اطلاعات دی ہیں،

پروکوپیوس[7] (قیساریہ کا رہنے والا) جو بیلی ساریوس[8] کے ساتھ فوجی مہموں میں شریک رہا ایک نہایت بلند پایہ مصنّف ہے، اس کی تاریخ شاہ کواذ اوّل اور خسرو اوّل کے عہد کے حالات پر اہم ترین مآخذ میں سے ہے، اس میں بالخصوص ایرانیوں کے ساتھ جنگ کے واقعات، ایران کی اندرونی حالت اور نظامِ حکومت پر کارآمد باتیں ملتی ہیں،

---

[1] Sozomen، فلسطین کا رہنے والا تھا لیکن قسطنطنیہ میں مقیم تھا، اس کی تاریخ کلیسا جو آج موجود ہے نو جلدوں میں ہے (مترجم)، [2] Euagrius، [3] Orosius، ہسپین کا رہنے والا تھا، (مترجم)
[4] Zosimus، اس کی تاریخ چھ جلدوں میں ہے اور آج موجود ہے، وہ عیسائیت کا سخت مخالف ہے اور روم کے عیسائی بادشاہوں (قیاصرہ) پر سختی کے ساتھ نکتہ چینی کرتا ہے (مترجم)، [5] Priscus، تھریس کا رہنے والا تھا، اس کی تاریخ آٹھ جلدوں میں تھی جس کے صرف چند اجزاء باقی ہیں (مترجم)

[6] پیروز یا فیروز انوشیرواں کا دادا ہے، عہد سلطنت ۴۵۹ء - ۴۸۴ء (مترجم)،

[7] Procopius، قیساریہ (فلسطین) کا رہنے والا تھا، ۵۰۰ء میں پیدا ہوا، قسطنطنیہ میں فنّ بلاغت وادب کا پروفیسر تھا، بعد میں بڑے بڑے ملکی عہدوں پر مامور رہا، ۵۶۵ء میں فوت ہوا، (مترجم)، [8] Belisarius، قیصر جسٹینین Justinian کا قابل ترین سپہ سالار تھا جس نے ۵۳۴ء اور ۵۴۴ء کے درمیان ایشیا، افریقہ اور اٹلی میں نمایاں فتوحات حاصل کیں، ان مہموں میں پروکوپیوس اس کے سکرٹری کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہا، ۵۶۵ء میں فوت ہوا، (مترجم)،

پیٹرُوس پیٹریسیوس[1] جس کو دربارِ قیصر روم کی طرف سے سیاسی سفیر بنا کر خسرو اوّل کے پاس بھیجا گیا تھا اور ۵۶۲ء کے صلح نامے کی شرائط پر اسی نے گفت وشنید کی تھی ایک تاریخی روئداد کا مصنّف ہے جس کے بعض اجزاء "اقتباساتِ سفارت نامہ ہا"[2] میں محفوظ ہیں،

پروکوپیوس کی تاریخ کو اگاتھیاس سکولاسٹیکوس[3] (متوفی ۵۸۲ء) نے آگے جاری رکھا، اس کی تاریخ مشتمل بر زمانِ حیاتِ جسٹینین ایران کے تاریخی حالات کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ (جیسا کہ وہ خود کہتا ہے) منجملہ اور مآخذ کے اس نے تاریخ کی اُن کتابوں کو استعمال کیا ہے جو سرکاری طور پر لکھوائی گئی تھیں اور طیسفون میں قدیم کاغذات کے دفاتر میں محفوظ تھیں، اگاتھیاس کی درخواست پر سرجیوس[4] مترجم نے جس کو خسرو اوّل روم و ایران کا فاضل ترین مترجم مانتا تھا محافظین دفاتر سے التجا کی کہ یہ کتابیں اُسے دکھائیں، بعد ازآں اجازت لے کر اُس نے ان کتابوں میں سے شاہانِ ایران کے نام، ہر ایک کی مدّتِ سلطنت اور اہم ترین واقعات لکھ لیے، پھر ان سب چیزوں کا یونانی میں ترجمہ کر کے اگاتھیاس کو دے دیا، لیکن اگاتھیاس نے ساسانیوں کی تاریخ لکھنے میں اس کے علاوہ بیشک اور روایات سے بھی مدد لی ہے جو اُس نے دوسرے ذرائع سے حاصل کی تھیں، مثلاً اردشیر اوّل کے نسب اور اس کی جوانی کے زمانے کے حالات یقیناً اس نے کسی مقبولِ عام روایت سے

۱؎ Petrus Petricius، ۲؎ Excerpta de legationibus،

۳؎ Agathias Scholasticus؛ ۵۳۶ء میں پیدا ہوا، قسطنطنیہ میں وکالت کا پیشہ کرتا تھا، اس کی تاریخ جو پانچ جلدوں میں ہے اور ۵۵۲ء سے ۵۵۸ء تک کے حالات پر مشتمل ہے آج موجود ہے، (مترجم)، ۴؎ Sergius،

اخذ کیے ہیں، یہ صحیح ہے کہ دین زرتشتی کے متعلق اس کے بیانات اغلاط سے خالی نہیں تاہم ان سے ہمیں بعض قیمتی مطالب حاصل ہوتے ہیں،

ملالاس[1] (متوفی درحدود سنہ ۵۷۸ء) کی تاریخ سے ہمیں کم از کم مزدکیت کی تاریخ کے متعلق بعض دلچسپ باتوں کا پتہ چلتا ہے،

سنہ ۵۵۸ء سے سنہ ۵۸۲ء تک کی تاریخ میناندر پروٹیکٹر[2] کے قلم کی مرہون منت ہے جو ساتویں صدی کے نصف اوّل میں گزرا ہے، سنہ ۵۸۲ء سے سنہ ۶۰۲ء تک کے حالات تھیوفی لیکٹس سموکتا[3] (قرن ہفتم) نے اپنی تاریخ میں قلمبند کیے ہیں جس میں بعض قیمتی اطلاعات ایرانی آئین و آداب کے متعلق ملتی ہیں، تاریخ شاہان ساسانی جو سینکیلوس[4] (متوفی بعد از سنہ ۸۱۰ء) نے تالیف کی ہے تاریخ اگاتھیاس سے ماخوذ ہے،[5] خسرو دوم (پرویز) اور اس کے جانشینوں کی تاریخ کے عمدہ مآخذ میں سے ایک تو تھیوفنیس[6] (متوفی درحدود سنہ ۸۱۸ء) کی کتاب ہے اور ایک وہ جو تاریخ پاسکال[7] کہلاتی ہے اور نویں صدی کی تصنیف ہے، ان کے علاوہ ساسانی ایران کا ذکر کہیں کہیں اُن بازنتینی[8] مصنّفین کی کتابوں میں آجاتا ہے جو زیادہ متأخر زمانے میں گزرے

---

[1] Malalas، اس کا پورا نام Joannes Malalas ہے، ملالاس کے معنے سریانی زبان میں "خطیب" کے ہیں، انطاکیہ کا رہنے والا تھا، وہ ایک تاریخ کا مصنّف ہے جو ابتدائے آفرینش سے لے کر جسٹینین کے زمانے تک ہے، چھپ چکی ہے، (مترجم)،

[2] Menandre Protector، [3] Theophylactus Simocatta، مقیم قسطنطنیہ، قیصر ہرقل کی ملازمت میں تھا اور سنہ ۶۱۰ء سے سنہ ۶۲۹ء تک بڑے بڑے عہدوں پر مامور رہا، اس کی تاریخ آٹھ جلدوں میں ہے اور ایک سے زیادہ مرتبہ چھپ چکی ہے، (مترجم)،

[4] Synkellos، [5] دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۴۰۰، [6] Theophanes، اس کی تاریخ (Chronicon) سنہ ۲۷۷ء سے سنہ ۸۱۱ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے اور موجود ہے، (مترجم)، [7] Chronicon Paschale، [8] Byzantine،

ہیں مثلاً نیکیفورس[۱] جو سنہ ۸۰۶ء سے سنہ ۸۱۵ء تک قسطنطنیہ کا اسقف تھا اور کیڈرینوس[۲] (قرن یازدہم) اور زونارس[۳] (متوفّی بعد از سنہ ۱۱۱۸ء) اور گلیکس[۴] (قرن دوازدہم)، عہد ساسانی کے یونانی اور لاطینی مصنّفین میں سے کچھ اقتباسات جن سے ایرانی مذہب پر روشنی پڑتی ہے پروفیسر ولیمز جیکسن[۵] اور کلیماں[۶] نے جمع کیے ہیں اور ان کا انگریزی ترجمہ مسٹر شرووڈ فوکس[۷] نے کیا ہے،

۴۔ ارمنی مآخذ

دورِ ساسانی میں آرمینیہ کی تاریخ کا سلطنت ایران کی تاریخ کے ساتھ نہایت گہرا لگاؤ رہا، لہٰذا آرمینیہ کے معاصر مؤرّخین نہ صرف ہمیں شاہانِ ایران کے حالات کے متعلّق نہایت قیمتی اطّلاعات دیتے ہیں خصوصاً جن حالتوں میں کہ ایران کو آرمینیہ سے سابقہ پڑا بلکہ عہد ساسانی میں ایران کے آئین و آداب، مذہب اور تمدّن کے بارے میں بھی بیشمار تفاصیل بیان کرتے ہیں،[۸]

---

[۱] Nicephorus، سنہ ۸۲۸ء میں مرا، اس کی تاریخِ بائی زنٹیوم سنہ ۶۰۲ء سے سنہ ۷۷۰ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے، (مترجم)، [۲] Kedrenos یا Cedrenus، اس کی تاریخ ابتدائے آفرینش سے سنہ ۱۰۵۷ء تک ہے، (مترجم)، [۳] Zonaras، اس کی تصنیف اٹھارہ جلدوں میں ابتدائے آفرینش سے سنہ ۱۱۱۸ء تک کی تاریخ ہے، (مترجم)، [۴] Glycas، اس کا پورا نام Michael Glycas ہے، وہ بھی زونارس کی طرح ایک تاریخ کا مؤلف ہے جو ابتدائے آفرینش سے سنہ ۱۱۱۸ء تک ہے، (مترجم)، [۵] A. V. Williams Jackson، دیکھو اس کی کتاب "حیات زرتشت پیغمبر ایران قدیم" (نیویارک سنہ ۱۹۱۹ء) ص ۲۴۲ بعد، [۶] C. Clemen، "سرچشمہ ہائے تاریخ مذہب ایران" (بون سنہ ۱۹۲۰ء) ص ۶۹ بعد، [۷] مطبوعات کاما انسٹیٹیوٹ ۱۴ (بمبئی)، مانویت کے متعلّق یونانی اور لاطینی مآخذ کے لئے دیکھو آگے باب چہارم، [۸] پاتکانیان۔ "تاریخ ساسانیان مبنی بر اطّلاعات مأخوذ از مؤرّخین ارمنی" (جواب مضمون در زبان روسی) اس کا فرانسیسی ترجمہ موسیو پرودم (Prud'homme) نے مجلّۂ آسیائی (پیرس سنہ ۱۸۶۶ء) میں شائع کیا تھا، ارمنی تاریخ کی کتابوں میں سے جو زیادہ اہم ہیں وہ طبع ہو چکی ہیں،

تیرداد شاہ آرمینیہ[1] کے عہد کی تاریخ اور سینٹ گریگوری ملقب بہ "نور بخش"[2] کی دعوت و تبلیغ پر ایک کتاب ہے جو ایک شخص مسمّی اگاتھانگ (اگاتھانگلوس)[3] کی طرف منسوب کی جاتی ہے، اس کے متن کا ایک نسخہ یونانی زبان میں اور ایک ارمنی زبان میں ہے، اس کتاب کے کئی حصے ہیں جو اصل میں ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق تھے لیکن ۴۵۶ء کے بعد ان کو یکجا کیا گیا[4]، اس کتاب میں سرزمین آرمینیہ میں عیسائیت کی ابتدا کے متعلق افسانوی روایات جمع کی گئی ہیں اور سلطنت ساسانی کے ابتدائی دور کے متعلق بھی کچھ اطلاعات دی گئی ہیں[5]، اسی طرح سینٹ نرسس[6] کی سوانح عمری جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ایک قدیم (ارمنی) کتاب ہے[7] جو انھی مطالب کے لئے قابل توجہ ہے، تاریخ تارون (جو آرمینیہ کا ایک صوبہ ہے) شام کے ایک پادری مسمّی زینوب[8] نے لکھی ہے اور سینٹ گریگوری کے زمانے سے بحث کرتی ہے[9]، لیکن وہ پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہے، اس کا ذیل یوحنّا مامیکونی[10] نے لکھا ہے[11]،

---

[1] تیرداد شاہ آرمینیہ کا عہد سلطنت ۲۸۶ء سے ۳۱۴ء تک ہے، (مترجم)

[2] Saint Gregory the Illuminator جس کی دعوت و تبلیغ سے تیرداد نے عیسائی مذہب قبول کیا، (مترجم)، [3] Agathange (Agathangelos) [4] دیکھو گوٹ شمٹ (Gutschmid) "نوشتہ ہائے کوچک" (KleineSchriften) ج ۳ ص ۳۹۴ ببعد، اگاتھانگ ارمنی کی کتاب ناقدانہ تصحیح کے ساتھ تیر مکرتیچیان اور کانایانس (Ter-Mkrtitschian and Kanayeans) نے شائع کی ہے (تفلیس ۱۹۰۹ء)، [5] کتاب مذکور کا یونانی متن دو لاگارد (de Lagarde) نے طبع کرایا تھا، (گوٹنگن ۱۸۸۷ء) اور ارمنی متن کی اڈیشن وینس میں چھپی تھی (۱۸۶۲ء)، فرانسیسی ترجمہ از موسیو لانگلوا (Langlois) در "سلسلۂ تصانیف مؤرخین ارمنی" (ج ۱ ص ۱۰۵ ببعد)، [6] St. Nerses. جس کو سینٹ نرسس اعظم (St. Nerses the Great) کہا جاتا ہے آرمینیہ کے عیسائی اولیا میں سب سے مشہور ہے (مترجم)، [7] وینس میں چھپی (۱۸۵۳ء)، ترجمہ فرانسیسی از لانگلوا (ج ۲ ص ۲۱ ببعد)، [8] Zenob. [9] طبع وینس (۱۸۳۲ء)، ترجمہ فرانسیسی از لانگلوا (ج ۱ ص ۳۳۷ ببعد)، [10] John the Mamikonian. خاندان مامیکون کے متعلق دیکھو اوپر، ص ۱۹، (مترجم)،

[11] وینس میں طبع ہوئی (۱۸۳۲ء)، ترجمہ فرانسیسی از لانگلوا (ج ۱ ص ۳۶۱ ببعد)،

فاؤسٹوس بازنتینی[1] کی تاریخ جو پانچویں صدی کے نصف اوّل میں تالیف ہوئی اور تقریباً سنہ ۳۲۰ء سے سنہ ۳۸۵ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے[2] قرنِ چہارم میں ایران کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک حد تک مفید ہے،

ازنیک کولبی[3] نے سنہ ۴۴۵ء اور سنہ ۴۴۸ء کے درمیان اپنی کتاب موسوم بہ "ردِّ مذاہب" لکھی جس میں اُس زمانے کے زرتشتی عقاید کے متعلّق مفید معلومات ہیں[4]،

پانچویں صدی عیسوی میں دو اہم تاریخی کتابیں (بزبان ارمنی) لکھی گئیں، ایک تو ایلیزے وارداپت[5] کی تصنیف ہے جس کا نام "تاریخ وزدان[6] و جنگ ارمنیان" ہے، اس میں سنہ ۴۳۹ء سے سنہ ۴۵۱ء تک کے واقعات لکھے گئے ہیں، اس کتاب میں اگرچہ بیحد تعصب دکھایا گیا ہے تاہم سلطنت ایران اور اس کی سیاسی اور مذہبی تشکیلات کے جاننے کے لیے اس کی اہمیّت اس تعصّب کی وجہ سے کم نہیں ہوئی[7]، دوسری کتاب

---

[1] Faustus of Byzantium. بائی زنتیوم قسطنطنیہ کا پُرانا نام تھا، قیصر قسطنطینِ بزرگ (سنہ ۳۰۶ء۔ سنہ ۳۳۷ء) کے نام پر اس کا نام بدلا گیا، فاؤسٹوس خود ارمنی تھا لیکن اس نے تاریخ آرمینیہ یونانی زبان میں لکھی ہے، (مترجم)

[2] وینس میں طبع ہوئی (سنہ ۱۸۳۲ء و سنہ ۱۸۸۹ء)، دوبارہ پطرز بورغ میں (بہ تصحیح پاٹکانیان سنہ ۱۸۸۳ء) ترجمہ فرانسیسی از لانگلوا (ج ۱ ص ۲۰۹ بعد)، جرمن ترجمہ از لاؤر (Lauer) کولون سنہ ۱۸۷۹ء، نیز دیکھو پیٹرز (Peeters): "بلجیم کی رائل اکیڈمی کے ادبی رسالوں میں سے اقتباسات" (سلسلہ پنجم ج ۱۷ سنہ ۱۹۳۱ء ص ۱۶ بعد)،

[3] Eznik of Kolb.

[4] مطبوعہ وینس (سنہ ۱۸۲۶ء)، طبع ثانی سنہ ۱۹۱۴ء، فرانسیسی ترجمہ از وایان دو فلوریوال (Le Vaillant de Florival) پیرس سنہ ۱۸۵۳ء نیز از لانگلوا (ج ۲ ص ۳۷۵ بعد)، جرمن ترجمہ از شمِٹ (J. M. Schmid) ویانا سنہ ۱۹۰۰ء، کتاب موسوم بہ (Le De Deo d'Eznik de Kolb) از ماری ایس (Maries) پیرس سنہ ۱۹۲۴ء،

[5] Elisee Vardapet.

[6] Vardan. خاندان مامیکون سے تعلّق رکھتا تھا، جب یزدگرد دوم (سنہ ۴۳۸ء۔ سنہ ۴۵۷ء) نے اہل آرمینیہ کو بزورِ شمشیر زرتشتی بنانا چاہا تو وردان نے تقریباً ایک لاکھ ارمنیوں کو (جو عیسائی ہو چکے تھے) جمع کرکے اس کا مقابلہ کیا اور کئی سال تک لڑتا رہا لیکن آخر ایک لڑائی میں مارا گیا، (مترجم)

[7] مطبوعہ وینس سنہ ۱۸۵۹ء، دوبارہ بتصحیح میکائیل پورتوگال (Michæl Porthugal) سنہ ۱۹۰۳ء، ترجمہ لانگلوا (۲، ص ۱۷۷ بعد)، اکینیان (P. N. Akinian) "واردا پت اور اس کی تاریخ جنگ ارمنیان" (بزبان جرمن)،

لازار فرپی[1] کی تاریخ آرمینیہ ہے جو سنہ ۳۸۸ع سے سنہ ۴۸۵ع تک کے واقعات بیان کرتی ہے[2]
یہ کتاب ایک ممتاز مؤرخ کی تصنیف ہے جس کی تحریر میں انصاف اور غیر جانبداری نمایاں ہے[2]
ایران پر ہرقل کے حملوں کی "تاریخ" جو سیبیوس[3] نے لکھی ہے عہد شاہ پیروز[4] سے لے کر
سنہ ۵۹۱ع تک کے واقعات کو اختصار کے ساتھ بیان کرتی ہے لیکن سلطنت ایران کی آخری
نصف صدی کے حالات اور عربوں کی حکومت کے آغاز کو اس میں زیادہ تفصیل کے
ساتھ لکھا گیا ہے[5]

تاریخ آرمینیہ منسوب بہ موسیٰ خورینی[6] بظاہر نویں صدی کی تصنیف ہے جس میں ساسانی
ایران کی تاریخ کے متعلق بہت سی دلچسپ باتیں مذکور ہیں[7]، اس تاریخ کے ساتھ ایک مختصر
سا ضمیمہ ملحق کیا گیا ہے جس میں مملکت ساسانی کی مختلف ولایتوں اور صوبوں کا حال ہے،
یہ ضمیمہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، موسیٰ خورینی کے اس جغرافیائی ضمیمے کی آخری اشاعت
وہ ہے جس کو مارکوارٹ[8] نے جرمن ترجمے کے ساتھ بہ عنوان "ایرانشہر از روی جغرافیہ
موسیٰ خورینی" طبع کرایا ہے، فاضل جرمن مؤلف نے اپنی اس اشاعت میں جو مفصل
ناقدانہ حواشی اور تاریخی اور جغرافیائی مباحث اضافہ کیے ہیں ان کی وجہ سے یہ اشاعت اُن

---

[1] Lazare of Pharp.، [2] مطبوعہ وینس (سنہ ۱۸۷۳ع) مطبوعہ تفلیس سنہ ۱۹۰۴ع، ترجمہ لانگلوا (۲، ص ۲۵۹ ببعد)، [3] Sebeos [4] سنہ ۴۵۹ع سے سنہ ۴۸۷ع، [5] اشاعت بتصحیح پاتکانیان (پطرزبورغ سنہ ۱۸۷۹ع)، [6] Moses of Khorene. [7] مطبوعہ وینس سنہ ۱۸۶۵ع، دوبارہ بتصحیح و تنقید آبیلیان و ہروتھیونیان (Abelian and Haruthiunian) تفلیس سنہ ۱۹۱۳ع، ترجمہ لانگلوا (۲، ص ۵۳ ببعد) "نقلی موسیٰ" کے زمانۂ حیات کے متعلق دیکھو مارکوارٹ کی کتاب "تحقیقات دربارۂ ایران" (بزبان جرمن) ج ۲ ص ۲۲۵، نیز (Caucasica) سنہ ۱۹۳۰ع ص ۱۰-۷۷، اکینیان کا مضمون ویانا کے علوم مشرقی کے رسالے میں، (سنہ ۱۹۳۰ع ص ۲۰۴ ببعد)، ملاکر (Mlaker) آرمینیا کا (Armeniaca) سنہ ۱۹۲۶ع ص ۱۲۲، اور "ویانا کا رسالۂ علوم مشرقی" سنہ ۱۹۳۵ع ص ۲۶۷ - ۲۶۸،
[8] Marquart.

لوگوں کے لئے جو عہد ساسانی کا مطالعہ کرنا چاہیں معلومات کا ایک گنجینہ بن گئی ہے ،

عہد ساسانی کی تاریخ پر جو (ارمنی) کتابیں کمتر درجے کی اہمیّت رکھتی ہیں اُن میں لیووند (یا گیووند)[1] کی تاریخِ حملۂ عرب (تألیف قرن ہشتم) قابلِ ذکر ہے ، اس کے علاوہ اُن مؤرّخین کی تصانیف جو زیادہ مؤخّر زمانے میں گزرے ہیں مثلاً تاریخ آرمینیہ از ٹامس اَرٹسرونی[2] (قرن دہم) ، تاریخ آلبان[3] از موسٰی کلن کٹوسی[4] (قرن دہم) ، تاریخ آرمینیہ از اسولیک[5] (قرن یازدہم) ، میکائیل سریانی کی تاریخ کا ترجمہ بزبان ارمنی (قرن دوازدہم) وغیرہ مفید مطلب ہیں ، پاتکانیان نے اپنے اُس جواب مضمون میں جس کا اوپر ذکر ہوا ان تمام کتابوں سے استفادہ کیا ہے ،

۵- سریانی مآخذ

سریانی زبان میں عیسائی مذہب کی کتابیں ہمارے لیے عہد ساسانی کی تاریخ کے نہایت قیمتی مآخذ ہیں ، ان میں سب سے پہلے تو چند تاریخ کی کتابیں ہیں جن میں کم از کم چار ایسی ہیں جو معاصر مصنّفین کی لکھی ہوئی ہیں ، وہ یہ ہیں :-

۱- تاریخ کی وہ کتاب جس کو غلطی سے جوشوا اسٹائی لائٹ[6] کی طرف منسوب کیا جاتا

---

[1] Ghevond. Levond,

[2] Thomas Artsruni. ، ترجمۂ فرانسیسی از موسیو بروسے (Brosset) پطرزبورغ ۱۸۷۴ء

[3] Albans. یعنی ساکنانِ البانیا ،

[4] Moses Kalankatvasi.

[5] Asolik.

[6] Joshua the Stylite.

ہے[1]، وہ تقریباً ۵۰۷ء میں لکھی گئی اور ۴۹۴ء سے ۵۰۶ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے، شاہ کواذ اوّل کے عہدِ سلطنت کے نصفِ اوّل کی تاریخ کے لئے وہ اہم ترین مآخذ میں سے ہے، مقدّمے کے ابواب میں زمانۂ ماقبل کی تاریخ کو شاہ پیروز کے عہد سے شروع کر کے خلاصے کے طور پر دُہرا دیا گیا ہے،

۲- تاریخ اڈیسہ[2] یعنی شہر الرُّہا کی تاریخ جو ۵۴۰ء کے بعد کی تصنیف ہے، وہ ۱۳۲ قبل مسیح سے ۵۴۰ء تک کی تاریخ ہے، اس کے مآخذ میں منجملہ اور کتابوں کے ایک تاریخ ایران بھی تھی جو آج موجود نہیں ہے،

۳- تاریخ اربیلا (یا اربل) جس کی تاریخ تصنیف چھٹی صدی کا وسط ہے، اس کا موضوع صوبۂ اربل میں عیسائیت کی تاریخ ہے جو دوسری صدی سے شروع کر کے ۵۵۰ء کے قریب ختم کی گئی ہے، موسیو پال پیٹرز[3] کے نزدیک اس کتاب کے معتبر ہونے میں بہت شبہ کی گنجائش ہے[4]،

۴- تاریخ مختصر جس کو گوئیڈی نے شائع کیا ہے[5]، اس کے مصنف کا نام معلوم

---

[1] سریانی متن مع انگریزی ترجمہ پروفیسر رائٹ (Wright) نے شائع کیا تھا (کیمبرج ۱۸۸۲ء)، دیکھو کرسٹن سین: "عہد شاہ کواذ اوّل" ص ۵ بعد، نیز دیکھو ابّے نو (Abbe'Nau) کا مضمون در "تتمۂ مشرقِ نصرانی" (بابت ۱۸۹۷ء) اور دو وال (Duval) کی کتاب ادبیات سریانی (طبع دوم ص ۱۸۸)،

[2] Edessa. متن مع تنقیدی مقالہ (بزبان جرمن) مطبوعہ در سلسلۂ "متون و انتقادات" (ج ۹ لیپزگ ۱۸۹۲ء) طبع جدید از گوئیڈی (Guidi) مع ترجمہ لاطینی (پیرس ۱۹۰۳ء)،

[3] Paul Peeters. [4] دیکھو منگانا (Mingana): "مآخذ سریانی" (ص ۷-۱۱ از مقدّمہ و ص ۱-۱۵۹)، سخاؤ: "تاریخ اربیلا" (بزبان جرمن) در روئداد پرشین اکیڈمی" (۱۹۱۵ء نمبر ۶)، ہارناک (Harnack) کتاب موسوم بہ "تبلیغ و اشاعت نصرانیت" (بزبان جرمن) طبع چہارم، ج ۲ (لیپزگ ۱۹۲۴ء) ص ۶۸۳ بعد، پیٹرز: (Analecta Bollandiana) ج ۴۳، ص ۲۶۳، ۳۰۲ بعد، [5] گوئیڈی (Guidi) نے اس کا متن "انجمن مستشرقین بین الاقوامی" کے آٹھویں اجلاس (منعقدہ سٹاک ہالم ۱۸۸۹ء) کی روئداد میں شائع کیا تھا اور نولڈکہ نے تاریخی اور تنقیدی حاشیوں کے ساتھ اس کا ترجمہ "ویانا اکیڈمی" کی روئداد میں طبع کرایا تھا (۱۸۹۳ء)،

نہیں لیکن وہ سنہ ۶۷۰ء سے کچھ عرصہ بعد لکھی گئی تھی، اس میں شاہ ہرمزد چہارم کی وفات (واقع در سنہ ۵۹۰ء) کے بعد کے واقعات ایک عمدہ مأخذ کی روایت سے لکھے گئے ہیں، لیکن آگے چل کر وہ واقعات بیان ہوئے ہیں جن کو مصنّف نے بچشمِ خود دیکھا تا بعد از اختتامِ عہد ساسانی،

ان کتابوں کے علاوہ تاریخ الیاس نصیبینی[1] ہے جو سنہ ۱۰۰۸ء کی تصنیف ہے، مقدمے کے طور پر اس میں سنین کی جدولیں دی گئی ہیں جن میں سے شاہانِ ساسانی کی جدول کو موسیو لامی[2] طبع کر چکا ہے[3] اور پوری کتاب کو مع ترجمہ لاطینی بروکس اور شابو[4] نے شائع کیا ہے[5]،

ایک اور اہم تاریخ میکائیل سریانی کی کتاب ہے جو انطاکیہ کا بطریق تھا، (سنہ ۱۱۶۶ء - سنہ ۱۱۹۹ء)[6]،

گریگوری بار ہبریئس[7] (ابو الفرج) نے جس کی وفات سنہ ۱۲۸۶ء میں ہوئی تاریخ کی دو کتابیں لکھی ہیں ایک تاریخ سریانی اور دوسری تاریخ کلیسا، میکائیل سریانی کی کتاب اس کے متقدم ترین مآخذ میں سے تھی[8]، اس کی عربی تاریخ (مختصر الدّول)[9]

---

[1] Elias. نصیبین کا اسقفِ اعظم تھا، (مترجم)، [2] Lamy. [3] برسلز سنہ ۱۸۸۸ء،
[4] Brooks and Chabot. [5] "مجموعۂ تصانیف مسیحیانِ مشرق: تصانیف سریانی" (سلسلہ سوم، ج ۷ — ۸)، [6] متن مع ترجمہ فرانسیسی از موسیو شابو در چہار مجلّد (پیرس سنہ ۱۸۹۹ء - سنہ ۱۹۱۰ء)، [7] Gregory Barhebræus. [8] تاریخ سریانی کا متن بیجن (Bedjan) نے شائع کیا تھا (پیرس سنہ ۱۸۹۰ء) اور تاریخ کلیسا کو ابیلوس (Abbeloos) اور لامی نے تین جلدوں میں طبع کرایا تھا (لووین سنہ ۱۸۷۲ء - سنہ ۱۸۷۷ء)، مصنّف۔ اس کا سریانی متن مع انگریزی ترجمہ سر والس بج (Sir Wallis Budge) نے دو جلدوں میں شائع کیا ہے' (آکسفورڈ سنہ ۱۹۳۲ء) مترجم،
[9] طبع صالحانی (بیروت سنہ ۱۸۹۰ء)،

تاریخ سریانی ہی کی تبدیل شدہ صورت ہے ،

عہد ساسانی میں ایران کے اندر عیسائیت کی تاریخ کو جاننے کے لیے کتب ذیل کی طرف رجوع کرنا چاہئیے :- (۱) روئداد ہائے مجالس کلیسائی[1] (۲) ٹامس مرگائی کی کتاب الولاۃ[2] جو ۸۴۰ء میں لکھی گئی ، اس میں شاہان ایران کے ساتھ فرقۂ نسطوری[3] کے تعلقات بتلائے گئے ہیں اور قیصر ہرقل اور شاہ خسرو دوم (پرویز) کے زمانے کے حالات ہیں ، (۳) تراجم بطارقۂ نسطوری جس میں ماز اَبہا اوّل ، سبریشوع ، دنخا ، یہبلاہا ثالث[4] اور ربّان ہرمزد[5] کے حالات زندگی ہیں ،

تاریخ ایران کا ایک اور نہایت اہم مآخذ وقائع شہدائے ایران[6] ہے جو نہ صرف ایران میں عیسائیوں پر مظالم کے حالات بیان کرتی ہے بلکہ مجموعی طور پر عہد ساسانی کے تمدّن کی کیفیت بھی پیش کرتی ہے ،

سریانی زبان میں دینیات کی کتابیں جو ایران میں عیسائیوں کی حالت پر روشنی ڈالتی ہیں ان میں مواعظِ اَفرات[7] کا ذکر کرنا ضروری ہے جو در اصل ساسانیوں کے "مجموعۂ قوانین[8]" کی سریانی اشاعت ہے ،

---

[1] Acts of the Councils. اشاعتِ دولاگارڈ (de Lagarde) ویانا ۱۸۵۶ء ، [2] The Book of Governors. متن سریانی و ترجمۂ انگریزی از والس بج (Walhs Budge) در دو جلد (لنڈن ۱۸۹۳ء) ، [3] Nestorian. [4] بیجن (Bedjan) "تاریخِ ماریہبلا و سہ بطارقۂ دیگر" (پیرس ۱۸۹۵ء) ، [5] "تاریخ ربّان ہرمزد ایرانی" متن و ترجمۂ انگریزی از والس بج (لیوزک اینڈ کمپنی لنڈن) [6] طبع ایسمانی (Assemani) ج ۱ ، روما ۱۷۴۸ء ، جلد دوم و چہارم طبع بیجن پیرس ۱۸۹۱ء ، ۱۸۹۴ء ، ہوفمن (Hoffmann) " اقتباسات از وقائع شہدائے ایران بزبان سریانی " مع حواشی بسیار مفید (لیپزگ ۱۸۸۰ء) بروُن (Braun) : "منتخب وقائع شہدائے ایران" (میوُنش ۱۹۱۵ء) وغیرہ ، [7] طبع پریسو (Parisot) پیرس ۱۸۹۴ء ، جرمن ترجمہ از برُٹ مطبوعۂ درسلسلۂ " متون و انتقادات " ج ۳ (لیپزگ ۱۸۸۸ء) ، [8] دیکھو اوپر ص ۶۷ ،

ان کے علاوہ بعض مناظرہ و مباحثہ کی کتابیں ہیں جو ہمیں اُن مذہبی عقاید سے واقف کرتی ہیں جو اس زمانے میں ایران اور مغربی ایشیا میں مروّج تھے، مثلاً "مناظرۂ آذرہرمزد و اناہیذ با موبدان موبد"[1] جو یقیناً عصر ساسانی کی تصنیف ہے اور "حواشیِ تھیوڈور بار کونائی" جو غالباً سنہ ۸۰۰ء کے قریب لکھی گئی، اس کی گیارھویں جلد میں نہایت اختصار کے ساتھ عرفانیوں کے عقاید کا ذکر ہے لیکن زرتشتی اور مانوی عقیدوں کو اس میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے[2]، مانویت کے متعلق اس کے علاوہ بعض اور تفاصیل سیویروس[3] (بطریق انطاکیہ از سنہ ۵۱۲ء تا سنہ ۵۱۸ء) کے ایک سو تیئیسویں خطبے کے سریانی ترجموں میں ملتی ہیں، اس خطبے کا اصلی متن تلف ہو چکا ہے[4]،

۶- چینی مآخذ

بدھ مذہب کے زائر اور چینی سیّاح ہیوئن سیانگ نے (جس نے سنہ ۶۲۹ء تا سنہ ۶۳۰ء میں سیاحت کی) اپنے سفرنامے میں اُس زمانے کے ایران کے متعلق

[1] دیکھو نولڈکہ کا مضمون بہ عنوان "مناظرہ سریانی با مذہب ایرانی"۔ مجموعہ مضامین بیادگار روٹ (Roth) ص ۳۵ ببعد، [2] پونیون (Pognon) "کتیبہ ہاے مندائی در پیالہ ہاے خوابر" (بزبان فرانسیسی)، پیرس سنہ ۱۸۹۸ء، ص ۱۰۵ — ۲۳۲، کیومون (Cumont) "تحقیقات در بارۂ مانویت" (فرانسیسی) برسلز سنہ ۱۹۰۸ء، ص ۱ — ۸۰، بین ونشت کا مضمون در رسالۂ "مشرقی دنیا" (Monde Orientale) سنہ ۱۹۳۲ء ص ۱۷۰ - ۲۱۵، [3] Severus. [4] کیومون: "تحقیقات در بارۂ مانویت" (برسلز سنہ ۱۹۰۸ء) ص ۸۳ - ۱۷۲،

ایک جگہ مختصر سا ذکر کیا ہے ، یہ واضح رہے کہ وہ خود ایران نہیں گیا بلکہ وہاں سے کے حالات اور وہاں کے لوگوں کے متعلّق جو کچھ اُس نے سُنا اس کو قلمبند کیا ہے[۱]

نولڈکہ نے ترجمۂ تاریخِ طبری کے ضمیمے میں[۲] شاہانِ ساسانی کے عہد کے واقعات مشرقی اور مغربی مآخذ اور سکوکات سے اخذ کرکے تاریخ وار ثبت کر دئے ہیں، اس ضمیمے کے آخر میں اُس نے ساسانیوں کا شجرۂ نسب دیا ہے جس میں ہرتسفلٹ[۳] نے اُن اطلاعات کی روشنی میں جو اُس نے کتبۂ پای کُلی سے حاصل کی ہیں بعض دُرستیاں کی ہیں[۴]،

---

۱ - دیکھو ترجمۂ سفرنامۂ ہیون سیانگ بزبان انگریزی از بیل (Beal) موسوم بہ "دنیائے مغرب میں بدھائی آثار" ج ۲ (لنڈن ۱۹۰۶ء)، ص ۲۷۷ - ۲۷۹ ، نیز رسالہ بہ عنوان Iranica. از شیڈر (Schæder) از جملہ رسائل انجمن علمی در گوٹنگن (۱۹۳۴ء)، ص ۵۴ ،

۲ کتاب مذکور ص ۴۰۰ بعد، ۳ Herzfeld. ،

۴ پای کُلی ص ۵۱ ،

باب اوّل

خاندان ساسانی کی تأسیس

فارس در زمان سلوکیاں و اشکانیان ــ بازرنگیان و خاندان ساسانی ــ پابگ اور اس کے بیٹوں کی بغاوت ــ اردشیر کی فتوحات اور خاندانِ اشکانی کا خاتمہ ــ اردشیر کی تاجپوشی کا کتبہ ــ شہر اصطخر ــ فیروزآباد کا محل اور آتشکدہ ــ حیرہ اور غسان کی ریاستیں ــ اردشیر کی شخصیت ــ اردشیر افسانوں میں ــ

سلوکیوں اور اشکانیوں کے زمانے میں فارس کے تاریخی حالات بہت کم معلوم ہیں، بعض سکے جو وہاں پائے گئے ہیں[1] اُن سے چند بادشاہوں کے نام ہمارے علم میں

[1] لیوی (Levy) :- "رسالۂ انجمن مشرقی المانی" (Z. D. M. G.) ج ۲۱ ص ۴۳۰ ببعد، موردتمن (Mordtmann) : "مجلۂ مسکوکات" (بزبان جرمن) ج ۴ ص ۱۵۲ ببعد و ج ۷ ص ۴۰ ببعد، گوٹشمٹ (Gutschmid) : "تاریخ ایران" (جرمن) ص ۱۵۷ ببعد، یُوسٹی (Justi) ، گرونڈرِش (Grundriss) ج ۲ ص ۴۸۶ ببعد، الوت دولافوئی (Allotte de la Fuye) : "مطالعۂ مسکوکات فارس" در رسالۂ آسیائی (فرانسیسی) سنہ ۱۹۰۶ء ص ۵۷۷ ببعد، مورگن (Morgan) : "روئداد اجلاس ہائے اکادمی کتبہ ہا و ادبیات" (فرانسیسی) سنہ ۱۹۲۰ء ص ۱۳۴ ببعد، ہِل (Hill) : "فہرست مسکوکات یونانی در عرب، بین النہرین و ایران" (لنڈن سنہ ۱۹۲۲ء)، ہرتسفلٹ : پای کُلی ص ۶۸ ببعد،

آئے ہیں لیکن یہ ممکن نہیں ہو سکا کہ ہر ایک کا عہدِ سلطنت یقین کے ساتھ تاریخ وار معین کیا جا سکے، ان میں سے بعض، تو ہخامنشی بادشاہوں کے ہم نام ہیں مثلاً ارتخشتر یا داریاوَ (داریوش) اور بعضوں کے نام قدیم ایرانی اساطیر سے لیے گئے ہیں مثلاً منوچِتر (منوچہر) جو اوستا کے ایک یشت میں افسانوی بادشاہ کی حیثیت سے مذکور ہے، ان سکوں پر جو نام یا تصاویر دیکھنے میں آتی ہیں اُن سے اُس دیانتداری کا ثبوت ملتا ہے جس کے ساتھ قدیم روایات اس صوبے میں (جو عہدِ قدیم میں ہخامنشیوں کا مہد سلطنت تھا) محفوظ رہی ہیں،

جہاں تک معلوم ہو سکا ہے فارس کے فرمانرواؤں کا پہلا سلسلہ (یہ سلسلے تعداد میں چار ہیں) تیسری صدی قبل مسیح میں سلوکیوں کے ماتحت حکومت کر رہا تھا، ان کا لقب فْرَترک[1] تھا جس کے معنی والی یا گورنر کے ہیں، ان کے سکوں پر (جن پر آرامی حروف منقوش ہیں) سامنے کی جانب بادشاہ کی تصویر ہے اور پشت کی جانب بادشاہ کو تخت پر بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے کہ ہاتھ میں جھنڈا لیے ہوئے ہے جو بالکل اُس جھنڈے سے مشابہ ہے جو "جنگِ سکندر" کی مشہور پچی کاری کی تصویر میں دکھایا گیا ہے[2]، بعض سکوں پر اس کو معبد یا آتشگاہ کے سامنے استادہ دکھایا گیا ہے اور اس کے پہلو میں وہی جھنڈا ہے، شاہ وات فْرداتِ اوّل کے سکوں پر اوہرمزد

[1] آندریاس نے اس لفظ کو اسی طرح پڑھا ہے (دیکھو "روزنامۂ کتیبہ ہائے سامی" بزبان جرمن ج ۲ ص ۲۱۳، و "صرف و نحو پہلوی قدیم" از مے یلے و بین ونِشت ص ۱۵۹) لیکن ہرتسفلٹ نے اس کو فْرَتَدار پڑھا ہے، [2] یہ مشہور تصویر شہر پومپیائی کے کھنڈرات میں کسی دیوار پر بنی ہوئی پائی گئی ہے جس میں سکندر و دارا کی جنگ دکھائی گئی ہے، اس کے فوٹو تاریخ کی کتابوں میں جابجا دیے ہوئے ہیں (مترجم)، درفش کاویانی کا حال دیکھو آگے باب دہم میں،

کی تصویر دیکھنے میں آتی ہے جس کو آتش گاہ کے اوپر ہوا میں معلق دکھایا گیا ہے، ان فرترکو (یعنی والیانِ فارس) میں سے ایک کا نام وُہُوبُرز ہے جو غالباً وہی اوبُرزوس[1] ہے جس نے (تیسری صدی قبل مسیح میں) فارس میں مقدونیوں کی محافظ فوج کا قتل عام کرایا تھا[2]، دوسری صدی قبل مسیح میں فارس کے دو فرمانرواؤں کا حال معلوم ہوا ہے جن کو شاہانِ فارس کا دوسرا سلسلہ کہنا چاہیئے، ان کے سکّوں پر اُسی طرح آتش گاہ اور جھنڈے کی تصویر دکھائی گئی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ جھنڈے کے اوپر ایک پرندہ (شاید عقاب) بنایا گیا ہے، ان فرمانرواؤں نے (جیساکہ بعد کے تمام والیانِ فارس نے کیا) "شاہ[3]" کا لقب اختیار کر رکھا تھا، سلسلۂ سوم کے تین بادشاہ ہیں جو پہلی صدی قبل مسیح میں ہوئے ہیں، ان کے سکّوں پر پُشت کی جانب بادشاہ کو ایک چھوٹے سے اٹھاؤ آتشدان کے آگے عبادت کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے سلسلۂ چہارم پہلی صدی قبل مسیح اور تیسری صدی عیسوی کے درمیان حکمران رہا، ان بادشاہوں کے سکّوں پر بالعموم پشت کی جانب بادشاہ کی تصویر ہوتی ہے جس کا داہنا ہاتھ دراز ہوتا ہے اور اس کے سامنے ہلال اور ستارے کی شکل بنی ہوتی ہے،

تیسری صدی عیسوی میں فارس کے اندر جو بدنظمی پھیلی اس سے اشکانیوں کی طاقت کے انحطاط کا اندازہ ہوتا ہے[4]، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شہر میں جو ذرا سی بھی ہمّت اے

---

[1] Oborzos.، [2] تاریخ گوٹ شمٹ ص ۲۸، ہرتسفلٹ: پای کُلی ص ۶۹، [3] بقول سٹرابو (Strabo جغرافیہ دانِ یونانی) اہل فارس کے اپنے علیحدہ بادشاہ تھے لیکن اُن کے اختیارات کچھ نہیں تھے بلکہ پارتھی یعنی اشکانی بادشاہوں کے ماتحت تھے، (جغرافیہ سٹرابو ج ۱۵ ص ۳ س ۳ د س ۲۴،

[4] سنہ ۱۹۶ء کے قریب شاہ بدولاگاسس (بلاش) چہارم نے فارس میں ایک نہایت خطرناک بغاوت کو فرد کیا تھا، دیکھو اس کا بیان تاریخ اربیلا میں، اس حصّے کا ترجمہ مارکوارٹ (Markwart) نے "فہرست پایہ تخت ہائے صوبجات ایران" (طبع مینا) میں کیا ہے، ص ۹۲-۹۳،

رکھتا تھا ایک چھوٹا سا خود مختار بادشاہ حکومت کر رہا تھا، ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں سب سے زیادہ اہم اصطخر کی ریاست تھی جو فارس کے قدیم بادشاہوں کا پایہ تخت تھا، اس زمانے میں یہ شہر ایک شخص گوچہر نامی کے قبضے میں تھا جو بازرنگی خاندان سے تھا اور غالباً اُس گوچہر کی اولاد میں سے تھا جو پہلی صدی عیسوی میں گزرا ہے اور جس نے اپنے بھائی اَرتخشتر کو مروا دیا تھا[1]، اسی طرح چھوٹے چھوٹے مقامی بادشاہوں کے خاندان گوپانان (علاقۂ دارابجرد) اور کونس (؟) اور لُرُوِیر (؟) میں حکومت کر رہے تھے، ان جگہوں کے نام طبری کے ہاں مذکور ہیں[2] لیکن ان کا صحیح تلفّظ معلوم نہیں ہو سکا، با این ہمہ اس میں کوئی شک نہیں کہ طبری کا بیان کسی معتبر روایت سے مأخوذ ہے،

ساسان جو ایک اونچے گھرانے کا آدمی تھا اور جس کی شادی بازرنگی خاندان میں ہوئی تھی[3] اصطخر میں اناہیذ (اناہِتا) کے معبد کا رئیس تھا، اس کے بعد اس کا بیٹا پابگ اس کا جانشین ہوا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پابگ نے بازرنگی خاندان کے ساتھ اپنے رشتے کا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنے بیٹوں میں سے (جو فوجی تعلیم پا رہے تھے) ایک کو جس کا نام اردشیر (اَرتخشتر) تھا دارابجرد میں ارگبد[4] کے اعلیٰ فوجی عہدے پر مامور کرا دیا[5]، ۲۱۲ء کے قریب یا اس کے بعد اردشیر فارس

[1] دیکھو یوستی: "ایرانی ناموں کی کتاب" (جرمن) تحت کلمۂ گاوچِتر،

[2] طبع یورپ ص ۸۱۵، ترجمۂ نولڈکہ ص ۶، [3] ساسان کی بیوی کا نام بقول طبری "رام وِہِشت" ہے اور بقول بلعمی "میناہ شب" [4] ارگبد کے معنے کوتوال یا قلعہ دار کے ہیں، دیکھو آگے باب دوم

[5] اردشیر کے شجرۂ نسب کے بارے میں "کارنامگ اردشیر" کا بیان خُوذای نامگ اور کتبہ ہائے اردشیر و شاپور کے بیان سے مختلف ہے،

کے بہت سے مقامی بادشاہوں کے ساتھ نبرد آزما ہوا اور انہیں مروا کر اُن کے شہروں پر قابض ہوگیا، ساتھ ہی پابگ نے اپنے قرابت دار بادشاہ گوچہر کے خلاف بغاوت کی اور اُس کے محل موسوم بہ "قصرِ سفید"[1] پر حملہ کر کے اس کو قتل کرادیا اور اس کی جگہ پر خود بادشاہ بن بیٹھا،

اردشیر بظاہر تختِ فارس کا آرزومند تھا اور پابگ نے غالباً اپنے جاہ طلب بیٹے کے منصوبوں کو معطل کرنے کی نیت سے وہ خط شہنشاہ اردوانِ اشکانی (ارتبان پنجم) کو لکھا جس میں اس سے اجازت طلب کی کہ شاہ گوچہر کا تاج اس کے فرزندِ اکبر شاہ پُہر (شاپور) کے سر پر رکھا جائے، اردوان نے جواب میں لکھا کہ اس کے نزدیک پابگ اور اس کا بیٹا اردشیر دونوں باغی ہیں، اِس کے تھوڑا عرصہ بعد پابگ نے وفات پائی اور شاپور اس کی جگہ پر تخت نشین ہوا، اس پر اُس کے اور اُس کے بھائی اردشیر کے درمیان جنگ چھڑ گئی لیکن شاپور اسی اثنا میں ناگہانی طور پر مرگیا، روایت یہ ہے کہ دارابجرد کی طرف کوچ کرتے ہوئے راستے میں وہ ایک پرانی عمارت میں ٹھہرا اچانک اُوپر سے ایک پتھر اس پر گرا جس کے صدمے سے اس نے انتقال کیا، دوسرے بھائیوں نے تاجِ شاہی اردشیر کو پیش کیا جس کو اُس نے قبول کیا لیکن بعد میں اس کو اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا وہ اس کے خلاف سازش کریں لہٰذا اس نے ان سب کو مروا دیا، دارابجرد میں ایک بغاوت کو فرو کرنے کے بعد اردشیر نے پڑوس کے صوبے کرمان کو فتح کر کے اپنی طاقت بڑھائی اور شاہ کرمان ولگش کو قید کرلیا، اس کے علاوہ اس نے ساحلِ خلیج فارس کو بھی تسخیر

[1] اسی کو اب شہر نسا کہتے ہیں جو شیراز کے شمال میں ہے،

کیا جہاں کا بادشاہ ایک معبود کی حیثیت سے پُوجا جاتا تھا لیکن اس فاتح کی تلوار نے اُس کو بھی زیر کر لیا، اردشیر اب فارس اور کرمان کا مالک تھا جو بلحاظ جغرافیہ ساحلِ سمندر کے عقب کا علاقہ تھا، اُس نے حُکم دیا کہ گور میں جس کا نام اب فیروز آباد ہے ایک محل اور ایک آتشکدہ تعمیر کیا جائے، اس کے بعد اُس نے اپنے ایک بیٹے کو کہ اس کا نام بھی اردشیر تھا کرمان کا حاکم مقرر کیا،

آخر کار اس غاصبِ سلطنت اور شہنشاہ اشکانی کے درمیان جنگ چھڑ گئی، اردوان نے شاہ اہواز (خوزستان) کو حکم بھیجا کہ اردشیر سے لڑنے کے لیے جائے اور اُسے پابہ زنجیر طیسفون لائے، لیکن قبل اس کے کہ شاہ اہواز اس پر چڑھائی کرے اردشیر نے شاذ شاپور فرمانروائے اصفہان کو مغلوب اور ہلاک کر کے شاہ اہواز پر دھاوا کر دیا اور اسے شکست فاش دے کر اس کے ملک پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد اس نے میسین کی چھوٹی سی ریاست کو مطیع کیا جو خلیج فارس کے کنارے دریائے دجلہ کے دہانے پر واقع تھی، اس وقت اِس ریاست پر عمّان کے عربوں کا قبضہ تھا جو اُن عربی قبائل کے پیشرو تھے جنھوں نے تقریباً اُسی زمانے میں جبکہ ساسانی خاندان کا آغاز ہو رہا تھا دریائے فرات کی طرف حیرہ میں اپنی حکومت قائم کی، بالآخر اردشیر اور سپاہ اشکانی کے درمیان جس کا سالار خود شہنشاہ اردوان تھا ہرمزگان کے میدان میں جس کی جائے وقوع معلوم نہیں ہو سکی ایک زبردست لڑائی ہوئی، ساسانی روایت کی رُو سے اردوان اردشیر کے ہاتھ سے مارا گیا، اسی روایت میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اردشیر نے شہنشاہ کے سر کو اپنے پاؤں سے روندا، اس وحشیانہ حرکت کی روایت جو محض افسانوی معلوم ہوتی ہے غالباً نقش رستم

کے کتبے کی برجستہ تصویر سے پیدا ہوئی ہے[1]، اس لڑائی کے بعد جو ۲۸ر اپریل ۲۲۴ء سنہ کو واقع ہوئی[2] اردشیر فاتحانہ طور پر طیسفون میں داخل ہوا اور اشکانیوں کے جانشین ہونے کا دعویدار ہوا، اس سے قبل اس نے بابل کو بھی مطیع کرلیا تھا جہاں وَلگش (وولاگاسس) پنجم برادر اردوان نے اپنی حکومت قائم کررکھی تھی، چند سال پیشتر اردوان نے اس سے تخت چھینا تھا لیکن اب بھائی کے مرنے کے بعد موقع پاکر وہ بابل پر قابض ہوگیا اور دوبارہ شاہی اقتدار حاصل کرلیا[3]،

روایت کی رُو سے اردشیر نے اشکانی خاندان کی ایک شاہزادی سے شادی کی جو شاہ اردوان کی بیٹی[4] یا اس کے چچا کی لڑکی[5] یا فرمخان پسر اردوان کی بھتیجی[6] تھی، عربی اور فارسی مصنفوں نے اس شادی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ محض قصے کہانیاں ہیں بااں ہمہ موسیو ہرتسفلٹ اس کی تاریخی واقعیت کے قائل ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ اردشیر کی ضرور یہ خواہش ہوگی کہ اشکانی خاندان کے ساتھ وصلت کرکے اپنے خاندان کے حقوق کو واجب تسلیم کرائے، لیکن مجھے دو وجہ سے اس شادی کی حقیقت مشکوک معلوم ہوتی ہے ایک تو اس لیے کہ اردوان کے ساتھ زوجۂ اردشیر کے رشتے کے بارے میں بیانات بیحد مختلف ہیں، دوسرے اس لیے کہ عربی اور فارسی کتابوں میں اس روایت کا مقصد اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ چونکہ شاپور پسر اردشیر کی ماں پرانے شاہی خاندان کی شاہزادی تھی لہذا وہ اشکانیوں کا جائز جانشین تھا، لیکن واقعہ یہ ہے

[1] دیکھو آگے، [2] بقول نولڈکہ (ترجمہ طبری ص ۴۱۱)، [3] طبری ص ۸۱۳ بعد، گوٹشمٹ تاریخ ایران ص ۱۵۹ – ۱۶۳، [4] بقول طبری ص ۸۲۳ و فارس نامہ ص ۵۹، [5] بقول نہایہ (براؤن ص ۲۱۸)، [6] بقول دینوری ص ۴۴،

کہ شاپور پیشتر اس کے کہ اس کے باپ نے سلطنت کو فتح کیا سنّ بلوغ کو پہنچ چکا تھا اور یہ بات طبری کی روایتِ اوّل سے مستنبط ہوتی ہے کیونکہ اس نے لکھا ہے کہ شاپور ہرمزدگان کی لڑائی میں شریک تھا،[۱] طبری کی یہ روایت غالباً خُوذای نامگ سے نکلی ہے، برخلاف اس کے اشکانی شہزادی کے ساتھ اردشیر کی شادی اور اس کے بطن سے شاپور کی پیدایش کا قصّہ (جو طبری کے ہاں شاپور کے عہد کی تاریخ میں درج ہؤا ہے[۲]) کسی مقبول عام افسانے سے ماخوذ ہے[۳]،

اس کے بعد چند سالوں کے دوران میں اردشیر نے سب سے پہلے تو شہر ہترا (الحضر[۴]) کا محاصرہ کیا لیکن چونکہ وہ بہت مستحکم تھا اس لیے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہؤا، پھر اُس نے آذربائجان اور آرمینیہ پر حملہ کیا جس میں پہلے تو اُسے کامیابی نہ ہوئی لیکن کچھ عرصہ بعد اس نے ان دونو ملکوں کو فتح کر لیا، مشرق کی طرف اُس نے ممالک سکستان (سیستان)، ابرشہر (یعنی وہ علاقہ جس کو اب خراسان کہا جاتا ہے)، مرگیانا (مرو)، خوارزم اور باختر کو زیرنگیں کر کے اپنی سلطنت کی توسیع کی، طبری کی ایک روایت کی رُو سے جس کی صحت کی تصدیق ہرتسفلڈ نے

۱؎ طبری ص ۸۱۹، ۲؎ Acta Orientalia. ج ۱۰ ص ۴۴ - ۴۵، ۳؎ ہرتسفلڈ کا عقیدہ یہ ہے کہ پہلوی داستان "کارنامگ" کے اس بیان میں کہ اردشیر کی پرورش اردوان کے دربار میں ہوئی ضرور ایک تاریخی صداقت محفوظ ہے، اس نے یہ فرض کیا ہے کہ اردشیر نے اسی زمانے میں جبکہ اس کا عالم جوانی تھا اور وہ زمرۂ امرائے دربار میں تھا بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی ہوگی جس کے کچھ عرصہ بعد شاپور کی پیدایش ہوئی، لیکن کارنامگ اور دوسرے تمام مآخذ اس بارے میں متفق ہیں کہ اشکانی شہزادی کے ساتھ اردشیر کی شادی اردوان کے مرنے کے بعد ہوئی، ۴؎ Hatra، دجلہ اور فرات کے درمیان واقع تھا، اس کے کھنڈرات شہر نینوا کے کھنڈرات سے تقریباً اسّی میل جنوب مغرب کی طرف ہیں (مترجم)،

کی ہے شاہِ کوشان نے جس کے قبضے میں اس وقت وادی کابل، پنجاب، طوران و مکوران (یعنی علاقۂ قصدار جس کو کوئٹہ کے جنوب میں سمجھنا چاہیئے) اور مکران (یعنی خلیج عمان اور بحر ہند کے ساحل کا علاقہ) وغیرہ تھے اردشیر کے پاس سفیر بھیجے اور اس کی حکومت کو تسلیم کیا، اب اس کی سلطنت کی وسعت اتنی تھی کہ اس میں ایران، افغانستان، بلوچستان، صحرای مرو، علاقۂ خیوہ تا جیحون در سمت شمال اور مغرب میں بابل اور عراق شامل تھے، شاہی خاندان کے شاہزادے جو خراسان کی حکومت پر مامور کیئے جاتے تھے کوشان شاہ کے لقب سے ملقّب ہوتے تھے،

غالباً دارالسلطنت طیسفون کی فتح کے تھوڑا عرصہ بعد اردشیر نے "شہنشاہِ ایران" کا لقب اختیار کر کے باضابطہ تاجپوشی کی رسم ادا کی، لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ رسم کس مقام پر ادا کی گئی، اغلب یہ ہے (جیسا کہ موسیو زارہ[۲] کا خیال ہے[۳]) کہ بانیٔ خاندانِ ساسانی کی تاجپوشی فارس میں ہوئی ہو گی جو اس خاندان کا مولد و منشا تھا اور غالباً اس کی باضابطہ رسم اصطخر میں اناہیتا کے معبد میں ادا کی گئی ہو گی جہاں اس کا دادا ساسان موبدِ اعلےٰ تھا اور جہاں چار سو برس بعد خاندان ساسانی کے آخری بادشاہ کو تاج پہنایا گیا تھا، یا پھر یہ تاجپوشی درۂ نقشِ رجب میں ہوئی ہو گی جو اصطخر سے قریب ہے اور جہاں اردشیر اور اس کے جانشین شاپور اوّل نے ایک چٹان پر اپنی برجستہ تصاویر کے ذریعے سے اپنی تخت نشینی کی

---

[۱] پائی کُلی ص ۳۶ ببعد، نیز ص ۲۰۴-۲۰۵،

[۲] Sarre. [۳] زارہ — ہرتسفلٹ: "ایران کی برجستہ منبّت کاری" (بزبان جرمن) ص ۹۸،

یادگار کو امٹ بنا دیا ہے ،
برجستہ تصاویر جن میں اہورامزدا کے ہاتھ سے اردشیر کی تاجپوشی دکھائی گئی ہے دو جگہ پر ہیں ایک تو نقش رجب میں اور دوسرے نقش رستم میں شاہان ہخامنشی کے مقبروں کے نزدیک ایک چٹان پر جو عمودی طور پر کاٹ کر ہموار کی گئی ہے۔ موسیو زارہ کے قیاس کی رُو سے نقش رجب کی منبت کاری زیادہ پرانی ہے، افسوس ہے کہ وہ اچھی حالت میں محفوظ نہیں ہے، پتھر کے ٹوٹ پھوٹ جانے کی وجہ سے بہت سے نقوش ناقابلِ شناخت ہو گئے ہیں، تصویر میں اہورامزدا کو اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اپنے داہنے ہاتھ میں حلقۂ سلطنت کو لیے ہوئے ہے اور بائیں ہاتھ میں عصائے شاہی کو تھامے ہوئے ہے اور عہدۂ بادشاہی کی ان دو علامتوں کو ہاتھ پھیلا کر بادشاہ (اردشیر) کے حوالے کر رہا ہے، بادشاہ اپنے داہنے ہاتھ سے حلقے کو لے رہا ہے اور بایاں ہاتھ (جس کی انگشتِ شہادت آگے کو اٹھی ہوئی ہے) مؤدبانہ فرمانبرداری کے اظہار کے لیے اوپر کو اٹھا رکھا ہے، خدا (اہورامزدا) ایک دیواردار تاج[۱] پہنے ہوئے ہے، بادشاہ کو اس تصویر میں اسی وضع کے ساتھ دکھایا گیا ہے جو اس کے آغازِ عہد کے سکوں پر دیکھنے میں آتی ہے جس میں اس کی ڈاڑھی لمبی اور مربع شکل کی ہے اور سر کے بال چھوٹے ہیں، خدا اور بادشاہ اور باقی تمام اشخاص جو تصویر میں دکھلائے گئے ہیں پیادہ پا ہیں، شاہ و خدا کے درمیان موسیو زارہ نے دو بچوں کی تصویریں شناخت کی ہیں، بادشاہ کے پیچھے ایک خواجہ سرا اس کے سر کے اوپر چوری تھامے ہوئے ہے اور اعیان سلطنت میں سے کوئی بڑے رتبے کا شخص جس کے

[۱] دیواردار تاج سے ایسا تاج مراد ہے جس میں صرف دیوار ہو اور اوپر چندوا نہ ہو (مترجم)۔

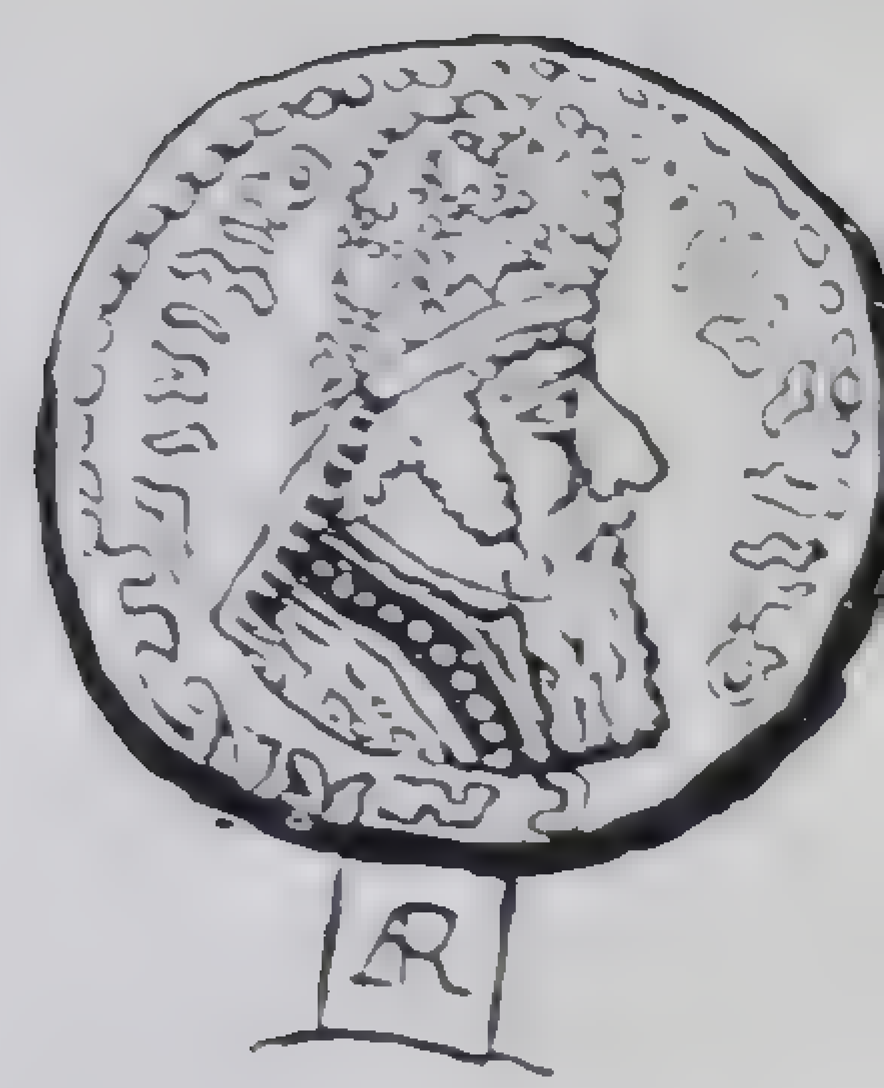
ڈاڑھی ہے اپنا دایاں ہاتھ اُسی طرح مؤدّبانہ طور پر اوپر کو اٹھائے ہوئے جس طرح اوپر بتلایا گیا ہے، وہ تصویریں جو غالباً عورتوں کی ہیں اہورامزدا کے پیچھے ہیں اور علیحدہ ایک شامیانے کے نیچے خدا کی طرف پیٹھ کئے ہوئے ہیں، موسیو زارہ کا خیال ہے کہ یہ شاہی گھرانے کی خواتین ہیں جو علیحدہ طور سے محل میں یا آتشکدہ میں بادشاہ کے ساتھ اظہار عقیدت کر رہی ہیں[۱]،

نقش رستم کی برجستہ تصاویر زیادہ بہتر حالت میں محفوظ ہیں، ان میں اہورامزدا اور بادشاہ کو گھوڑوں پر سوار دکھایا گیا ہے لیکن تناسب میں گھوڑوں کے جثّے سواروں سے بہت چھوٹے بنائے گئے ہیں، گھوڑے ایک دوسرے کی طرف مُنہ کئے ہوئے ہیں اور ایک نے اپنا اگلا سُم اُٹھا رکھا ہے، نقش رجب کی طرح یہاں بھی اہورامزدا بائیں ہاتھ میں عصائے شاہی تھامے ہوئے ہے اور دائیں ہاتھ سے حلقۂ سلطنت کو جو شکن دار فیتوں سے مزیّن ہے آگے بڑھا کر بادشاہ کو دے رہا ہے، بادشاہ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کو لے رہا ہے اور بایاں ہاتھ جس کی انگشتِ شہادت استادہ ہے اظہار احترام کے لئے اٹھا رکھا ہے، اردشیر سر پر ایک مدوّر خود پہنے ہوئے ہے جس کے ساتھ ایک گردن پوش لگا ہوا ہے، خود اوپر کی طرف بلند ہو کر ایک ایسے گولے کی سی شکل بن گیا ہے جس کے اوپر گویا ایک مہین کپڑے کا غلاف چڑھا ہے، سر کا یہ عجیب لباس بعد کے تمام ساسانی بادشاہوں کی تصویروں میں دیکھنے میں آتا ہے خواہ وہ تصویریں عمارتوں پر ہوں یا سکّوں پر، البتّہ اردشیر اوّل کے آغازِ عہد کے سکّوں پر بجائے اس کے بادشاہ کے سر پہ اشکانی وضع کا اونچا تاج ہوتا ہے، اردشیر کے لمبے اور گھونگر والے بال لہریں مارتے ہوئے اُس کے

[۱] زارہ - ہرتسفلٹ، کتاب مذکور ص ۹۴، بعد، دیولافوا (Dieulafoy) : "ایران کی قدیم صنعت کاری" (بزبان فرانسیسی) ج ۵، تصویر نمبر ۱۷،



سکۂ اردشیر بطرز نو



سکۂ اردشیر بطرز اشکی



نقش رستم میں اردشیر اور هورمزد کی برجستہ تصویر

ت

کندھوں پر پڑے ہیں، ڈاڑھی کا نچلا سرا جو تراش کر نوکدار بنایا گیا ہے ایک تنگ چھلّے میں پرو دیا ہوا ہے اس طرح پر کہ بالوں کا طرّہ چھلّے سے نیچے نکلا ہوا ہے، گلے میں موتیوں کا گلوبند اور بدن میں آستین دار چغہ ہے جو جسم پر بالکل چسپاں ہے، چوڑے چوڑے فیتے جن میں چنٹ پڑی ہے خود کے ساتھ آویزاں ہیں اور اس کی پیٹھ پر لٹک رہے ہیں، اہورامزدا نے دیوار دار تاج پہن رکھا ہے جس میں سے اس کے سر کی چوٹی کے گھونگر والے بال دکھائی دیتے ہیں، اس کے بالوں کے گول حلقوں اور اس کی لمبی مربّع ڈاڑھی کی بدولت اس کی ہیئت قدیمانہ بن گئی ہے، سوائے اس کے باقی اس کا لباس تقریباً وہی ہے جو بادشاہ کا ہے، اس کے تاج کے ساتھ بھی وہی چنٹ دار فیتے آویزاں ہیں، دونو گھوڑوں کا ساز و سامان ایک جیسا ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ بادشاہ کے گھوڑے کی زین کے اگلے حصّے میں جو تختیاں لگی ہیں ان پر آرایش کے طور پر شیروں کے سر برجستہ بنائے گئے ہیں اور اہورامزدا کے گھوڑے کی تختیوں پر اسی طرح پھول بنے ہوئے ہیں، دونوں گھوڑوں کی اگلی اور پچھلی ٹانگوں کے درمیان ناشپاتی کی شکل کی ایک بڑی لیکن ہلکی گیند لٹک رہی ہے جو زنجیر کے ذریعے گھوڑوں کے پہلوؤں کے ساتھ آویزاں ہے اور یہ چیز عہد ساسانی کی برجستہ تصاویر میں گھوڑوں کے ساز میں ہمیشہ دیکھنے میں آتی ہے، بادشاہ کے پیچھے ایک خواجہ سرا مندے کی اونچی سی ٹوپی پہنے جس پر امتیازی نشان لگا ہوا ہے اس کے سر پر چوری بلند کئے کھڑا ہے، ایک شخص سر پر خود پہنے بادشاہ کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے زمین پڑا ہے، گمان غالب یہ ہے کہ وہ شاہ

اردوان ہے جو مغلوب ہوکر اردشیر کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اسی طرح اہورامزدا کے گھوڑے کے نیچے بھی ایک شخص پڑا ہے اور بظاہر برہنہ معلوم ہوتا ہے، اِس کے سر اور ڈاڑھی کے بال پریشان ہیں اور بالوں کے حلقوں میں سے سانپوں کے سر باہر نکلے ہوئے ہیں، یہ غالباً اہرمن (روحِ شر) یا کوئی اور دیو ہے جس کو اہورامزدا پاؤں کے نیچے پامال کر رہا ہے، بادشاہ کے گھوڑے پر ایک کتبہ یونانی، اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی میں ہے جس میں لکھا ہے کہ اس گھوڑے کا سوار پرستندۂ مزدا، اردشیر ربّانی شہنشاہِ ایران از نژادِ ایزدی پسرِ شاہ پاپگ ہے، اسی طرح اہورا مزدا کے گھوڑے پر بھی اُنھی تینوں زبانوں میں کتبہ ہے جس میں اس کو "اہورمزد خدا" لکھا ہے اور یونانی ترجمے میں زیوس[۱]،

[۱] (Zeus)، دیکھو دیولافوا (Dieulafoy) ج ۵ تصویر ۱۴؛ زارہ - ہرتسفلٹ، "برجستہ حجّاری" ص ۶۷ بعد اور تصویر نمبر ۵، یہ کتبے ہرتسفلٹ کی کتاب پای کُلی میں دہرائے گئے ہیں (ص ۸۴ بعد)، آذربائجان میں شہر سلماس کے قریب ایک چٹان کی دیوار پر کچھ برجستہ تصاویر ہیں جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ عہدِ اردشیر سے تعلق رکھتی ہیں، ان میں دو شخص گھوڑوں پر سوار دکھلائے گئے ہیں جو ساسانیوں کا شاہی لباس پہنے ہوئے ہیں جس میں فیتے لہرا رہے ہیں اور ان کی ٹوپیوں کے اوپر کپڑے کی بنی ہوئی گیندیں لگی ہوئی ہیں اور ہاتھ تلواروں کے قبضوں پر ہیں، بائیں جانب جو سوار ہے اس کے ڈاڑھی ہے اور دائیں جانب والے سوار کی نسبت (جو بے ریش ہے) زیادہ بڑی عمر کا معلوم ہوتا ہے، ہر سوار کے سامنے ایک شخص پیادہ پا کھڑا ہے اور منہ سوار کی طرف کئے ہے، موسیو لیمن ہاؤپٹ (Lehmann-Haupt) نے ان میں سے ایک پیادے کے اوپر ایک پہلوی کتبے کے آثار شناخت کئے ہیں جو بالکل محو ہو چکے ہیں، موسیو زارہ کی رائے ہیں جس کا حوالہ لیمن ہاؤپٹ نے دیا ہے یہ تصاویر غالباً اردشیر اوّل اور اس کے بیٹے شاپور کی ہیں جو اہلِ آرمینیہ کی اطاعت قبول کر رہے ہیں، دیکھو جیکسن کی کتاب "ایران ماضی و حال" ص ۸۰؛ لیمن ہاؤپٹ: "ارمنستان ماضی و حال" (بزبان جرمن) ج ۱ ص ۳۱۶ بعد و ص ۵۳۵، ہرتسفلٹ: پای کُلی ص ۳۷،



قصر فیروز آباد کے کھنڈرات

ساسانیوں میں شروع کے بادشاہ فارس کے ساتھ ایک طبعی اُنس رکھتے تھے جو اُن کا اصلی وطن تھا، یہی حبّ الوطنی اردشیر اور اس کے جانشینوں کے لیے اس امر کا باعث ہوئی کہ اُنھوں نے اصطخر کے گرد و نواح کے چٹانی علاقے کو اپنی برجستہ تصاویر کے لیے منتخب کیا، لیکن اس کے علاوہ اس انتخاب میں بلاشبہ شاہانِ ہخامنشی کی وسیع سلطنت کی دھندلی سی یاد بھی شریک تھی جن کے قابلِ یادگار مقبرے نقشِ رستم کی چٹانوں کو کھود کر بنائے گئے ہیں[1]، اصطخر جو ایک فصیل سے گھرا ہوا مستحکم شہر تھا اور قدیم پرسی پولس[2] (تختِ جمشید) کا وارث و جانشین تھا جس کے مرعوب کرنے والے کھنڈرات (ہخامنشیوں کی) گزشتہ عظمت کی یاد دلاتے تھے روایتِ ساسانی کا مقدس شہر بن گیا[3]، اغلب ہے کہ بانیٔ خاندانِ ساسانی کبھی کبھی شہر گور میں بھی قیام کرتا تھا جو اصطخر کے جنوب کی طرف واقع تھا اور جس کے چاروں طرف گلاب اور میوہ دار درختوں کے باغ تھے، اس کا نام اب اس نے اردشیر خورّہ رکھا جس کے معنے "شوکتِ اردشیر" کے ہیں، آج کل اس کا نام فیروزآباد ہے، یہاں اردشیر نے ایامِ جوانی میں ایک محل تعمیر کرایا تھا جس کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں[4]، نہ

---

[1] ایران کی قومی روایات میں عہد ہخامنشی کے واقعات بہت کم محفوظ رہے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد کی تاریخی باتیں جلد ہی بھولی بسری ہو گئی تھیں، دیکھو کرسٹن سین: "کیانیان" ص ۱۴۶ بعد

[2] Persepolis.

[3] اصطخر کے متعلق دیکھو پال شوارٹس (Paul Schwarz) کی کتاب "ایران در قرونِ وسطیٰ" (بزبان جرمن) ج ۱ (لیپزگ ۱۸۹۶ء) ص ۱۳ ببعد، پہلوی کتاب "شہرستانہائے ایران" (نمبر ۴۲) کی رُو سے اس شہر کا بانی ایک اشکانی بادشاہ اردوان نام تھا، عربی اور فارسی مصنفوں نے اس شہر کی بنا کو افسانوی تاریخ کے مختلف بادشاہوں کی طرف منسوب کیا ہے، نیز دیکھو مارکوارٹ: "فہرست پایہ تخت ہائے صوبجات ایران" (بزبان انگریزی) ص ۹۱ ببعد۔

[4] دیکھو تصویر نمبر ۳،

ایران کی اُن اوّلین عمارتوں میں سے ہے جن کی چھتیں محراب دار بنائی گئی ہیں، سامنے والا کمرہ جس میں پہلے داخل ہوتے ہیں اور اس کے پہلوؤں کے کمروں پر گنبد دار چھتیں پڑی ہیں، بیرونی دیواروں میں کوئی کھڑکی نہیں ہے لیکن اُن میں باہر کو نکلی ہوئی محرابیں اور برجستہ ستون ہیں[۱]، اردشیر نے اس شہر میں ایک آتشکدہ بھی تعمیر کرایا تھا، اس کے کھنڈرات بھی موجود ہیں،

سلطنت ہخامنشی کے ساڑھے پانچ سو برس بعد دوبارہ اہل فارس نے تمام ایران کے لوگوں پر اپنا تسلّط قائم کیا اور ایک نئی مشرقی سلطنت وجود میں آئی جو رومن امپائر کے دوش بدوش چلتی رہی، تمدّنِ ساسانی اگرچہ اشکانی تمدّن کا تسلسل تھا تاہم اسے محض تسلسل ہی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ وہ اس کی تجدید اور اس کا تکملہ بھی تھا، عہد اشکانی کی روایات کا تحفّظ ایک تو ہمیں زبان میں نظر آتا ہے، فارس یعنی جنوب مغرب کی زبان کو جب ساسانیوں نے بجائے شمال مغربی زبان کے (جو اشکانیوں کے عہد میں مروّج تھی) سرکاری زبان بنایا تو بیشمار الفاظ جو تمدّن کے مختلف شعبوں سے تعلّق رکھتے تھے اشکانی پہلوی سے مستعار لیے[۲]، علاوہ اس کے تیسری صدی کے ساسانی بادشاہوں نے اپنے کتبوں میں ساسانی پہلوی کے ساتھ ساتھ اشکانی پہلوی کو بھی استعمال کیا، لیکن صوبۂ فارس اور اس کا پایۂ تخت اصطخر شہنشاہ ایران کی رہایش

[۱] زارہ - ہرتسفلٹ "حجّاری برجستہ" (ص ۱۲۸ بعد)، نیز "رسالہ انجمن مشرقی المانی" (Z. D. M. G.) سنہ ۱۹۲۶ ص ۲۵۴، موسیو دیولافوا نے "ایران کی قدیم صنعت کاری" (ج ۴ ص ۴ بعد) میں غلطی سے قصر فیروز آباد کو عہد ہخامنشی کی عمارت تصوّر کیا ہے،

[۲] دیکھو اوپر ص ۵۲ - ۵۳،

کے لیے موزون نہ تھے، ارتقائے تاریخی نے ضرورۃً میسوپوٹیمیا کو مشرقی سلطنت کا مرکز بنا دیا تھا، بابل کی سیاسی حیثیت سلوکیہ۔طیسفون کی طرف منتقل ہو گئی تھی جیسا کہ بعد میں وہ بغداد کے حصّے میں آئی، لیکن اس میں ایک خرابی یہ تھی کہ مغرب کی طاقتور سلطنت (روم) پایۂ تخت کے عین دروازے پر تھی، شہر طیسفون حقیقت میں سرزمینِ ایران سے باہر آرامی علاقے میں واقع تھا اور عرب کی سرحد تقریباً شہرِ وبہ اردشیر کی فصیل سے ملی ہوئی تھی، وبہ اردشیر نیا سلوکیہ تھا جس کو اردشیر نے پرانے سلوکیہ کی بجائے (جس کو ۱۶۵ء میں رومن سپہ سالار اویڈیوس کیسیوس[1] نے ویران کر دیا تھا) آباد کیا تھا، اسی زمانے میں دریائے فرات کے پرلی طرف (جس جگہ وہ بل کھا کر دجلہ کی طرف مڑتا ہے اور دونو دریاؤں کا درمیانی فاصلہ تقریباً پچاس کیلومیٹر رہ جاتا ہے) ایک عرب مملکت کی بنا پڑی جو ساسانیوں کی باجگذار تھی یعنی مملکت حیرہ جس نے آیندہ چل کر ان کو خانہ بدوش بدویوں کے خلاف ایک فصیل کا کام دیا[2]، صحرائے شام کے شمال میں ایک اور عربی مملکت تھی جو مملکتِ غسّان کہلاتی تھی، وہ روم کی باجگذار اور حلیف تھی[3]،

افسوس ہے کہ ہمارے مآخذ ایسے نہیں ہیں جن میں اردشیر کی شخصیت کا گہرا مطالعہ کیا جا سکے، مشرق کے مؤرخین صفات شخصی کی توصیف میں ماہر

---

[1] Avidius Cassius. ، [2] روٹ شٹائن (Rothstein)، "حیرہ کا لخمی خاندان" (برلن ۱۸۹۹ء)، اولنڈر (Olinder): "شاہان کندہ" ۱۹۲۷ء (بزبان انگریزی)،
[3] نولڈکہ: "خاندان جفنہ کے غسّانی بادشاہ" (بزبان جرمن)، برلن ۱۸۸۷ء

نہیں ہوتے بلکہ بجائے اس کے خاص نوعیت کے اشخاص کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، عربی اور فارسی کتابوں کے ذریعے سے جو روایات ہمیں پہنچی ہیں ان کے مصنّف بھی مؤرّخ ہیں، انھوں نے شاہان ساسانی میں سے جن کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے ان کو ہمارے سامنے شاہانِ نیک سیرت، متّقی اور مستعد بنا کر پیش کیا ہے جو اپنی رعایا کی مادی اور روحانی ترقی کے لیے سرگرم کار ہیں اور ان کے مواعظ اور حکیمانہ اقوال بھی لکھے ہیں، اردشیر کی تصویر بھی اسی طرز میں کھینچی گئی ہے اور اس کے مواعظ و حکم بکثرت موجود ہیں، لیکن قطع نظر اس سے خود اس کے کارنامے اس کی جنگی قابلیّت، اس کی روحانی قوّت اور اس کی سیاسی بلند نظری پر دلالت کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس امر کا ثبوت بھی موجود ہے کہ اپنی اغراض کو پورا کرنے میں وہ ضمیر کی آواز پر کان نہیں دھرتا تھا اور انسانی زندگی کے تلف ہونے کی اس کو چنداں پروا نہ تھی، چند سال کے عرصے میں اس نے ایک طاقتور ہاتھ کے ساتھ سلطنت اشکانی کی تمام مخالف جماعتوں کو ایک مستحکم اور پائدار دوستی کے اندر متّحد کر دیا اور اُن مشرقی ممالک کو اپنی سلطنت میں شامل کیا جو کبھی اشکانیوں کے زیر فرمان نہیں ہوئے تھے، سیاسی اور مذہبی نظام جو اس نے پیدا کیا وہ ایسا پائدار ثابت ہوا کہ چار سو سال سے زیادہ قائم رہا، ایک امتیازی وصف جو مشرقی مؤرّخ اچھے بادشاہوں کی خصلت میں ہمیشہ بیان کیا کرتے ہیں وہ شہروں کا آباد کرنا، معابد کی تعمیر، نہروں کا بنوانا اور اسی طرح کے اور رفاہ عام کے کام ہیں، اس بات کا ثبوت کہ اردشیر ایسے کاموں میں بہت مستعد تھا نہ صرف ہمیں مؤرّخوں کے بیانات سے

ملتا ہے بلکہ ایسے متعدد شہروں سے جن کے ناموں کی ترکیب اردشیر کے نام کے ساتھ ہے مثلاً شہر سلوکیہ جس کو اس نے وِہ اردشیر کے نام سے دوبارہ آباد کیا، اس کے علاوہ اردشیر خورہ، ریو اردشیر اور رام اردشیر جو تینوں فارس میں تھے، شہر ہرمزد اردشیر جو بعد میں سوق الاھواز کہلایا خوزستان میں تھا، میسین (کرخائے میشان) کے قدیم شہر کو اُس نے استر آباد اردشیر کے نام سے دوبارہ تعمیر کرایا اور وہشت آباد اردشیر جو عہد اسلام کے شروع میں بصرہ کے نام سے دوبارہ آباد ہُوا وغیرہ[1]،

بمرورِ زمان بانئ خاندانِ ساسانی کے گرد افسانہ و اساطیر کا ایک ہالہ پیدا ہوگیا، داستانِ "کارنامگ اردشیر پابگان"[2] میں جو اردشیر کے اعمال و افعال بیان کرتی ہے افسانۂ شاہ کُرش بزرگ کے متعدد خط و خال پائے جاتے ہیں[3]، اور اژدہا کو مارنے میں اردشیر وہی کچھ کرتا ہے جو قدیم بابل کے خدا مردوک نے کیا تھا، مردوک نے تیامت نامی عفریت کو اس طرح مارا کہ اس کے منہ میں ایک خوفناک ہوا کا جھونکا داخل کر دیا جس سے وہ ہلاک ہوگیا، اردشیر نے ہفتان بوخت اژدہا کے منہ میں پگھلی ہوئی دھات ڈال دی جس سے وہ بہت تکلیف پاکر مرا،

---

[1] طبری ص ۸۲۰، شیڈر (Schæder): "حسن البصری" (رسالۂ اسلام بزبانِ جرمن) ج ۱۴ ص ۳۱،

[2] دیکھو اوپر ص ۶۹، [3] گوٹ شمٹ (Gutschmid): "رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی (Z. D. M. G.)" ج ۳۴ ص ۵۸۶،

باب دوم

تنظیم دولتِ ساسانی

دولت ساسانی کی خصوصیّات - سیاسی اور معاشرتی جماعت بندی - مرکزی حکومت کا نظم و نسق - وزیر اعظم - مذہب - مالیّات - صنعت و حرفت، تجارت اور ذرائع آمد و رفت - فوج - وزرائے سلطنت - صوبوں کی حکومت،

رومن مؤرّخوں نے اُس تغیّر کی اہمیّت کو بخوبی نہیں سمجھا جو نئے شاہی خاندان کی آمد سے پیدا ہُوا، ڈیون کا سیوس اور ہیروڈین نے محض چند الفاظ میں اُس فتح کا ذکر کیا ہے جو اردشیر نے اردوان پر حاصل کی، رومیوں نے اتنا تو اندازہ کر لیا کہ نئی سلطنت پرانی کی نسبت زیادہ طاقتور اور لہذا رومن امپائر کی مشرقی سرحد کے امن کے لئے زیادہ خطرناک ہے لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ نئی سلطنت پہلی سے اصولاً مختلف ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ ایک ارتقائے طولانی کی آخری منزل ہے جو اشکانیوں کی غیر منظّم سلطنت میں یونانیت کی سطح کے نیچے جاری تھا، یونانی عناصر میں سے بعض کو تو ایرانی تنظیم نے نکال کر پھینک دیا بعض کو جذب کر

لیا اور بعض کی ہیئت کو بدل دیا، جس زمانے میں اردشیر نے عنان حکومت کو ہاتھ میں لیا اس وقت ایرانی دنیا ایک متحدہ قوم کی صورت میں نظر آنے لگی تھی اور اس اتحادِ قومی کے آثار تمام ذہنی اور معاشرتی حلقوں میں دن بدن زیادہ نمایاں ہوتے چلے جاتے تھے،

غرض یہ کہ تغییرِ خاندان شاہی محض ایک سیاسی واقعہ نہ تھا بلکہ وہ کشورِ ایران میں ایک نئی روح کے پیدا ہونے کا اعلان تھا، دولتِ ساسانی کی دو بڑی امتیازی خصوصیتیں تھیں ایک تو شدید مرکزیت اور دوسرے حکومتی مذہب کی پیدائش، اگر پہلی خصوصیت کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عہد داریوشِ اوّل کی روایات کا احیاء تھا تو دوسری خصوصیت بالکل نئی ایجاد تھی لیکن وہ ایک تدریجی ارتقا کا نتیجہ تھی ٹھیک جیسا کہ تیرہ سَو سال بعد شیعیت کا مذہبِ حکومت قرار پانا اسی قسم کے ارتقا کا نتیجہ تھا،

اردشیر کا خاندان چار سَو سال تک برسرِ حکومت رہا۔ اس طویل عرصے میں سلطنتِ ساسانی کے اندر عوام الناس کی زندگی اور نظامِ حکومت میں بیشک مختلف قسم کی تبدیلیاں ہوتی رہیں[1] لیکن معاشرت اور حکومت کی جس عمارت کی تعمیر یا تکمیل بانیٔ خاندانِ ساسانی نے کی وہ اپنی مجموعی ہیئت میں آخر تک اُسی طرح قائم رہی،

اوستائے جدید میں سوسائٹی کے تین طبقوں کا ذکر ہے یعنی (۱) علماءِ مذہب (آذَرَوان)، (۲) سپاہی (رَذَا ایشتر)، (۳) زراعت پیشہ (واشتریو فشوینت)[2]، سوسائٹی کی یہ تقسیم بہت قدیم زمانے سے چلی آتی ہے، یاسنا میں[3] صرف ایک جگہ

---

[1] ان تبدیلیوں کی تفصیل ہم مناسب جگہوں پر سیاسی واقعات کے ساتھ ساتھ بیان کرتے جائینگے،

[2] بین ونِشت (Benveniste): "روایتِ اوستا کی رُو سے معاشرتی جماعت بندی" (مجلۂ آسیائی J. A. سنہ ۱۹۳۲ء ص ۱۱۷ ببعد)

[3] ۱۹، ۱۷،

ایک چوتھے طبقے کا ذکر آیا ہے یعنی اہلِ حرفہ (ہُوتُخشان)، ساسانیوں کے زمانے میں یہ تقسیم نئی طرح سے دیکھنے میں آتی ہے جس میں چار طبقے بنائے گئے ہیں تیسرا طبقہ دبیروں یعنی عمّالِ سلطنت کا ہے اور چوتھے میں زراعت پیشہ اور اہلِ حرفہ شامل ہیں، سوسائٹی کی یہ نئی جماعت بندی سیاسی صورتِ حالات کے ماتحت عمل میں آئی، عہد ساسانی میں وہی چار طبقے حسب ذیل تھے: (۱) علماء مذہب (آذُرَوان)، (۲) سپاہی (آرتیشتاران)، (۳) عمّالِ حکومت (دِبِیران یعنی دبیران)، (۴) عوام النّاس جن میں زراعت پیشہ (واشتر یوشان) اور اہلِ حرفہ اور تاجر (ہُتُخشان) شامل تھے[۱]،

[۱] دیکھو نامۂ تنسر (طبع ڈارمیسٹٹیر ص ۲۱۴، طبع مینوی ص ۱۲) ڈارمیسٹٹیر کو یہ غلط شبہ ہُوا ہے کہ دبیروں کا طبقۂ سوم قرار پانا غالباً نامۂ تنسر کے کسی مترجم (عربی یا فارسی) کی غلطی سے ہُوا ہے، اوّل تو اس طبقہ بندی کی تائید نامۂ تنسر کے ایک اور مقام سے ہوتی ہے (ڈارمسٹٹیر ص ۲۱۵، مینوی ص ۱۴) جہاں یہ لکھا ہے کہ اگر ایک شخص سوسائٹی کے چوتھے طبقے میں ہو تو اس کو مستثنےٰ طور پر ترقی دے کر اوپر کے کسی طبقے میں لایا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ یا تو عمدہ اخلاق اور با اخلاص طاعت میں ممتاز ہو (جو علماء مذہب کا خاصہ ہے) یا طاقت و شجاعت میں یکتا ہو (جو سپاہیوں کی امتیازی خصوصیت ہے) یا قابلیت، قوتِ حافظہ اور ذہانت میں بے مثل ہو اور یہ خصوصیتیں وہ ہیں جن کی توقع زراعت پیشہ لوگوں کی نسبت دبیروں سے زیادہ کی جائیگی، اور پھر یہ تقسیم اس امر کے ساتھ بھی مطابقت رکھتی ہے کہ کواذ اوّل اور خسرو اوّل کے زمانے سے پہلے بادشاہ کا انتخاب موبدِ موبدان، سالار سپاہ اور دبیر بزرگ کی مرضی پر ہوتا تھا یعنی پہلے تین طبقوں کے رؤسا کی رائے پر، (دیکھو نامۂ تنسر طبع ڈارمسٹٹیر ص ۲۳۹، مینوی ص ۳۸ بعد)، علاوہ اس کے مسعودی نے کتاب التنبیہ (ص ۱۰۳) میں سلطنت ساسانی کے سب سے اونچے عہدہ داروں کے نام لیے ہیں جن میں ایک تو وزیر اعظم (وُزُرگ فرمادار) ہے اور باقی چار یہ ہیں: (۱) موبد، (۲) سپاہ بد، (۳) دبیر بد، (۴) ہُتُخش بد (یعنی رئیس اہلِ حرفہ) جس کو "داشتریوش بد" (یعنی رئیس اہلِ فلاحت) بھی کہا جاتا تھا، مسعودی کا یہ بیان نامۂ تنسر کے ساتھ بالکل مطابقت رکھتا ہے، جاحظ کی "کتاب التاج" (طبع مصر ص ۲۵) کی رو سے اردشیر اوّل نے لوگوں کی چار جماعتیں قائم کیں:

(۱) خاندانِ شاہی کے فوجی شہسوار، (۲) موبدان و ہیربدان (جو آتشکدہ کی خدمت پر مامور ہوتے تھے)
(۳) اطبا و دبیران و منجمین، (۴) اہل زراعت و حرفت،

ان میں سے ہر ایک طبقہ کئی کئی جماعتوں میں منقسم تھا، طبقۂ علماء مذہب میں سب سے پہلی جماعت قُضاۃ کی تھی جو داذور کہلاتے تھے، اُن سے اُتر کر پیشوایانِ مذہب تھے جن میں سب سے نیچے کا درجہ مُغوں کا تھا جو تعداد میں سب سے زیادہ تھے، پھر ایک جماعت موبدوں کی تھی اور ایک ہیربدوں کی اور ان کے علاوہ اور کئی مختلف جماعتیں تھیں جن کے مختلف وظائف تھے مثلاً دستوران یادستوران (یعنی انسپکٹران) اور مغان اندرزبد (معلّمین) وغیرہ، سپاہیوں کا طبقہ سوار اور پیادہ جماعتوں میں منقسم تھا جن میں سے ہر ایک کے مدارج اور وظائف معین تھے، عمّال حکومت یا دبیروں کے طبقے میں مصنّفین، محاسبین، نقل نویس، تمسکات کے محرّر، تذکرہ نگار وغیرہم شامل تھے، ان کے علاوہ اطبّاء، شعراء اور منجّمین بھی اسی طبقے میں شمار ہوتے تھے، نچلے طبقے کے لوگوں میں کسان، تاجر اور باقی تمام پیشہ ور تھے[۱]۔

ہر ایک طبقے کا ایک رئیس ہوتا تھا، علماء مذہب کا رئیس موبدان موبد کہلاتا تھا، فوج کا رئیسِ اعلیٰ ایران سپاہ بد تھا، دبیروں کا رئیس ایران دِبِہیر بد (جس کا دوسرا نام دِبِہیران مِہَشت تھا)، چوتھے طبقے کا رئیس واشتریوشان سالار تھا جس کو واشتریوش بد بھی کہتے تھے، ہر ایک رئیس کے ماتحت ایک ناظر ہوتا تھا جس کا کام اپنے طبقے کی مردم شماری کرنا تھا، اور ایک انسپکٹر جو ہر شخص کی آمدنی کے متعلق تحقیقات کرتا تھا[۲]، پھر ایک معلّم (اندرزبد) ہوتا تھا جس کا فرض یہ تھا کہ "ہر شخص کو بچپن سے کسی پیشے یا فن کی تعلیم دے تاکہ اس کو تحصیل معاش

[۱] نامۂ تنسر [۲] ایضاً، بمبئی کی اڈیشن میں "دخل" (آمدنی) کی بجائے "دغل" ہے،

میں آسانی ہو"[1]

ساسانیوں کے ابتدائی عہد میں سوسائٹی کی ایک اور تقسیم یا جماعت بندی دیکھنے میں آتی ہے جو بلاشبہ اشکانیوں کے زمانے کی یادگار ہوگی، یہ تقسیم ہم کو حاجی آباد کے کتبے سے معلوم ہوئی ہے جو دو زبانوں میں لکھا ہوا ہے[2]، اس میں شاپور اوّل نے اپنی تیراندازی کے اُس مشہور کرتب کا حال لکھوایا ہے جو اُس نے شہرداران (شاہزادگانِ سلطنت) و واسپُہران (رؤسا، یا افراد خانوادہائے بزرگ) و وُزُرگان (امراء) و آزاذان (نجباء) کی موجودگی میں دکھایا تھا[3]، اِس تقسیم میں (جس میں سوسائٹی کی صرف ممتاز جماعتوں کا ذکر ہے) اور مذکورہ بالا تقسیم میں جو نسبت ہے اس کو ہم صحیح طور پر معین نہیں کر سکتے، معاشرتی طبقات کی تقسیم ہمیشہ ایک ہی نہیں رہی اور خلاصہ یہ ہے کہ سوسائٹی کی مختلف جماعتوں کی ترتیب ایک بہت پیچیدہ مسئلہ ہے،

اس معاشرتی اور سیاسی طبقہ بندی میں جو الجھن اور بدیہی تناقض ہے وہ مستقیماً نتیجہ ہے اُس خاص اُصولِ ثنویت کا جو اشکانیوں کے نظامِ حکومت میں ملحوظ تھا

---

[1] نامۂ تنسر طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۱۷ — ۲۱۸، مینوی ص ۱۵، [2] یعنی اشکانی پہلوی اور ساسانی پہلوی، [3] شہرداران (جس کی قدیم تاریخی املا شتر داران ہے اور عہد ساسانی کے آخر میں اس کا تلفظ غالباً شہرداران تھا) اور واسپُہران اشکانی پہلوی کے الفاظ ہیں، "واسپُہر" جو آرامی ہُزوارش میں باربیتا (بمعنی ابن البیت) ہے ویسپُہر (بمعنی فرزند قبیلہ) کی ایک مختلف شکل ہے، ہخامنشیوں کے عہد میں بھی ہم کو بزبان آرامی "بنی بیتا" (بنوالبیت) کی اصطلاح ملتی ہے، ویسپُہر اور واسپُہر دونو ارمنی زبان میں بطور الفاظِ دخیل موجود ہیں بشرطیکہ ارمنی لفظ سپوہ واقعی وہی ایرانی لفظ ویسپُہر ہے، لفظ واسپُہر ایک ارمنی صوبے واسپُرکان کے نام میں موجود ہے دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۵۰۱، نیز ہین ورنشت: "تبصرۂ مطالعاتِ ارمنی" ج ۹ ص ۹ — ۱۰، و ہرتسفلڈ: پای کُلی (فرہنگ نمبر ۳۰۰)،

اور جو ساسانیوں کو ورثے میں ملا یعنی اصول جاگیرداری (یا منصبداری) اور استبداد، انھی دو عنصروں کا تناقض ہے جو امتیازی خصوصیت ہے اُس معاشرتی اور سیاسی ارتقا کی جو اردشیر پاپگان کے زمانے سے خسرو کے زمانے تک چلتا رہا،

شہرداران دولت ساسانی میں طبقۂ اوّل کے افراد شاہ کے لقب سے پکارے جاتے تھے جس کی وجہ سے بادشاہ ایران کا شہنشاہ کہلانا بجا تھا، اس طبقے میں سب سے پہلے تو وہ شاہانِ ماتحت شامل تھے جو سلطنت کی سرحدوں پر حکومت کرتے تھے، دوسرے وہ چھوٹے چھوٹے بادشاہ جنھوں نے اپنے آپ کو شاہ ایران کی پناہ میں دے رکھا تھا اور اس کے عوض میں شہنشاہ نے اُن کے لیے اور ان کے جانشینوں کے لیے ان کی ریاست کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا تھا، شرط یہ تھی کہ جب شہنشاہ کو ضرورت پڑے تو وہ اپنی افواج کو اس کے اختیار میں دے دیں اور شاید کچھ خراج بھی ادا کریں، نامۂ تنسر میں ذیل کے الفاظ اردشیر کی زبان سے ادا کیے گئے ہیں[1]: "ہم ہرگز شاہ کا لقب اُن لوگوں کے نام سے علیحدہ نہیں کرینگے جو ہمارے حضور میں حاضر ہو کر فرمانبرداری کا اظہار کرینگے اور جادۂ اطاعت پر گامزن رہینگے"۔ ان شاہانِ ماتحت میں حیرہ کے عرب بادشاہ بھی شمار ہوتے تھے[2]، مؤرّخ امیان مارسیلینوس نے شاپور دوم کے ملتزمین رکاب میں شاہِ چینوئیت اور شاہِ البان کا بھی نام لیا ہے[3]،

---

[1] طبع ڈارمسٹٹر ص ۲۱۰، طبع مینوی ص ۹، [2] بحرین جو شاپور دوم کے زمانے سے سلطنت ایران میں شامل ہو گیا تھا ایک امیر کے زیر حکومت تھا جس کو حیرہ کا بادشاہ نامزد کرتا تھا، لیکن عہد ساسانی کے آخری زمانے میں ایک بڑا ایرانی افسر اس امیر کی نگرانی کے لیے موجود رہنے لگا تھا، (رد ٹشٹائن ص ۱۳)

[3] باب ۱۸، ۶، ۲۲، چینوئیت سے مراد قوم ہون (Hun) ہے، البان جن کے نام پر آرمینیہ کے مشرق میں ایک چھوٹا سا صوبہ البانیا ہے، (مترجم)،

میسوپوٹیمیا میں ایک بادشاہ پُولر (۹) نام شاپور دوم کا باجگذار تھا جس کے بچّوں کے کے ایرانی نام تھے[۱]، پای گلی کے کتبے میں جو لفظ سٹرپ ملتا ہے تو اس سے قوم ساکا کا گُشتَرپ (فرماں روا) مراد ہے[۲] کہ وہ بھی شہنشاہ کا باجگذار تھا، تسلّط ساسانی کے آغاز میں آرمینیہ جہاں کے بادشاہ اشکانی الاصل تھے شاہِ ایران کے ماتحت تھا اور وہاں کا اور گرجستان کا عاملِ سرحد اُس وقت تک "بِدَخش" کے لقب سے مُلقّب تھا[۳] لیکن سنہ ۴۳۰ء میں آرمینیہ سلطنت ایران کا ایک صوبہ بن گیا اور وہاں کی حکومت ایک مرزبان کے سپرد کر دی گئی،

ساسانیوں نے سلطنت کی قدیم تقسیم کو اس طرح قائم رکھا کہ چار سرحدی صوبے اُسی طرح رہنے دیے، پانچویں صدی کے شروع سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان سرحدی صوبوں کے حاکم مرزبان کہلانے لگے تھے، ان چاروں مرزبانوں کا رتبہ وہی تھا جو اُن شاہی خاندانوں کا تھا جن کا اوپر ذکر ہوا اور انھی کی طرح وہ شاہ کہلاتے تھے[۴]،

یہی رتبہ صوبوں کے اُن گورنروں کا تھا جو شاہی خاندان سے ہوتے تھے، قدیم دستور کے مطابق بادشاہ کے بیٹے گورنر بنائے جاتے تھے خصوصاً وہ بیٹے جنھیں یہ امّید ہو سکتی تھی کہ شاید آیندہ کسی دن وہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوں، اُن کے

---

[۱] ہوفمن: "اقتباسات" ص ۱۰، [۲] ہرتسفلٹ: پای گلی (فرہنگ - نمبر ۷۰۶)،

[۳] دیکھو اوپر ص ۱۷-۱۸؛ زبان گرجی میں لفظ بدخش کی مختلف شکلیں یہ ہیں: پِتی اَخشی، پِتی اخشی، پَتی اشخ۔ یونانی میں: پِتی اَکسِس، پِتیوَکسِس، سریانی میں: اَپِتخشا، دیکھو فرہنگ پای گلی نمبر ۲۱۴ و ۷۸۱،

[۴] مرزبانوں کے متعلق دیکھو اس باب کے آخر میں جہاں صوبوں کی حکومت پر بحث ہے،

لیے یہ ضروری تھا کہ وہ کسی صوبے کی حکومت پر مأمور رہ کر فرائض شاہی کی تربیت حاصل کریں، شاپور اوّل کے دو بھائی اردشیر اور پیروز علی الترتیب کرمان اور کوشان کے گورنر تھے، موخر الذکر کا لقب "شاہ بزرگ کوشان"[1] تھا، شاہانِ ساسانی میں سے شاپور اوّل، ہرمزد اوّل، بہرام اوّل اور بہرام دوم اپنی تخت نشینی سے پہلے خراسان کی گورنری اور کوشان کی بادشاہی پر مأمور رہ چکے تھے[2]، بہرام سوم سیستان کا گورنر رہ چکا تھا اور سگانشاہ (یعنی شاہ سگستان = سیستان) کے لقب سے ملقّب تھا، اردشیر دوم اڈیابین کا حاکم تھا، بہرام چہارم کرمان کی حکومت پر مأمور رہا تھا اور کرمان شاہ کہلاتا تھا، ہرمزد سوم بھی سیستان کا گورنر تھا اور سگانشاہ کا لقب رکھتا تھا[3]، امرا نے جب بہرام پنجم کو تخت سے محروم کرنا چاہا تو اُنھوں نے یہی عذر پیش کیا تھا کہ وہ کبھی کسی صوبے کی حکومت پر مأمور نہیں رہا اور لہذا اس کی قابلیت کا حال کسی کو معلوم نہیں[4]، لیکن انتظام امور سیاسی کی مصلحت سے ان شاہزادوں کو گورنری کے حقوق موروثی طور پر نہیں دیے جاتے تھے[5]، یہ بھی ضروری تھا کہ بہبودی سلطنت کا جو تقاضا ہو اس کے مطابق بادشاہ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتا رہے، ان شاہزادوں کے لیے اور مرزبانوں کے لیے شاہ کا لقب سوائے اس کے کچھ معنی نہیں رکھتا تھا کہ اس کے ذریعے سے ان کو سوسائٹی کے سب سے اونچے طبقے کی صف اوّل میں جگہ پانے کا حق

---

[1] ہرتسفلٹ: پای کلی (فرہنگ - نمبر ۸۱۱)، شاپور کا ایک تیسرا بھائی مہرشاہ بھی تھا جو میشن کا بادشاہ تھا، اس کا ذکر مانوی کتابوں کے اجزا ریں ملتا ہے، [2] پای کلی (ص ۴۱، ۴۵، ۴۷، ۴۸) - نیز دیکھو "آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا" - نمبر ۳۸ - "مسکوکات کوشانی ساسانی" [3] ان کے علاوہ اور القاب جو لفظ شاہ کے ساتھ مرکّب ہیں پای کلی میں مذکور ہیں (فرہنگ نمبر ۶۳۲)،
[4] طبری ص ۸۵۸، [5] نامۂ تنسر - ص ۲۱۰، طبع مینوی ص ۱۰،

حاصل ہو جاتا تھا،

شاہزادوں پر یہ واجب تھا کہ نوبت بنوبت دربارِ شاہی میں حاضر ہو کر اپنا فرضِ اطاعت بجا لائیں[1] لیکن دربار میں معیّن طور پر اُن کا کوئی عہدہ نہ ہو" کیونکہ اگر وہ دربار میں عہدوں کے دعویدار ہونے لگیں گے تو باہمی جھگڑوں، لڑائیوں، مخاصمتوں اور سازشوں میں مبتلا ہوں گے جس سے ان کا وقار جاتا رہیگا اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہونگے[2]"

واسپُہران

ساسانیوں کو نظامِ منصبداری اشکانیوں سے ورثے میں ملا تھا، لہذا اردشیر کی نئی سلطنت میں مراتب کی ترتیب میں رؤسائے طوایف کی طاقتور جماعت کو دوسرا درجہ حاصل تھا جن میں سب سے آگے سات ممتاز خاندان تھے[3]، ان میں کم سے کم تین ایسے تھے جو پارتھیوں (اشکانیوں) کے زمانے میں بھی عالی درجہ رکھتے تھے یعنی خاندان قارن (قارَن)، خاندان سُورین اور خاندان اسپاہبذ یہ تینوں خاندان اشکانی الاصل تھے اور اپنے نام کے ساتھ پہلَوْ (پارتھی) کا لقب لاتے تھے، پارتھی خاندان سے تعلق رکھنا بہت بڑا امتیاز سمجھا جاتا تھا، چنانچہ عہدِ ساسانی میں ان سات ممتاز گھرانوں میں سے بعض اور بھی (مثلاً خاندانِ سپندیاد اور خاندانِ

---

[1] نامۂ تنسر طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۱۰، طبع مینوی ص ۱۰، یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ "شہرداران" شاپور اوّل کی تیراندازی کی رسم پر بھی حاضر تھے، [2] نامۂ تنسر،

[3] دیکھو اوپر ص ۸ و ۱۲، نولڈکہ: ترجمہ طبری ص ۴۳۷، ان سات خاندانوں کے ممبروں کو ایران کے اندر تاج پہننے کا حق حاصل تھا کیونکہ وہ از روی نژاد شاہانِ ایران کے ہم پلّہ تھے، صرف اتنی بات تھی کہ ان کا تاج شاہانِ ساسانی کے تاج سے چھوٹا ہوتا تھا، (بلعمی، ترجمۂ زوٹن برگ ج ۲ ص ۴۴۸)"

مہران) اشکانی الاصل ہونے کے دعویدار تھے ؎

؎ موسی خورینی کے قول کے مطابق ارشویر شاہ پارتھیا کہ وہی فراتیس (فرہاد) چہارم ہے چار فرزندوں کا باپ تھا یعنی (۱) اردشیس (ارتخشتر)، (۲) قارین، (۳) سورین، (۴) ایک بیٹی جس کا نام کشم تھا، (مارکوارٹ کی رائے ہے کہ یہ نام کومش کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو صوبہ کومیسین کا جدید نام ہے، دیکھو Z.D.M.G. ج ۴۹، ص ۶۳۹)، ان میں پہلا بیٹا باپ کا جانشین ہوا (لہذا وہ فراتیس یا فرہاد پنجم ہے)، باقی دو بیٹے اُن خاندانوں کے مورث اعلیٰ ہوئے جو اُن کے نام سے معروف ہیں، بیٹی کی شادی ایک شخص سے ہوئی جس کا لقب "سالارِ ایرانیاں" تھا جس کے بعد اس کی اولاد اسپاہ بد پہلَو کے نام سے موسوم ہوئی، اسپاہ بد کی قدیم شکل سپاذ پتی ہے، یہی لفظ ارمنی زبان میں بہ شکل سپاراپت اختیار کیا گیا ہے جو سپہ سالار کا مترادف ہے، پانچویں صدی میں وہ باضافۂ الف (یعنی اسپاراپیت) استعمال ہوتا تھا، یونانی میں اس کی مختلف شکلیں اسپاہاپت، اسپبیدس، اسپیو بدس، اسپا بیدس اور اسپبینوس ہیں، مؤرخ تھیوفی لیکٹس کے بیان کے مطابق اسپابیدس خسرو دوم کا رشتہ دار اور وندوی اور وشتہم (بندوی اور بستہم) کا باپ تھا، سریانی میں ایک جگہ اسپابر آیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ کاتب کی غلطی ہے اور صحیح اسپابذ ہے، طبری نے سات خاندانوں کی فہرست میں باضابطہ طور پر سپاہ بذ کا نام لیا ہے،

واضح رہے کہ موسی خورینی کی روایت کے لیے کوئی تاریخی سند نہیں ہے، ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ ایک سورین میدان جنگ میں کراسوس رومی کا حریف تھا (دیکھو اوپر ص ۲۱-۲۲) اور وہ لڑائی فرہاد چہارم کے باپ کے عہد میں ہوئی تھی، لیکن بہرحال ان تین خاندانوں کا وجود ساسانیوں کے آنے سے بہت پہلے ثابت ہے اور اس زمانے میں ان کی بہت بڑی جاگیریں تھیں، خاندان سپندیاد کا تعلق اشکانیوں کے ساتھ بظاہر بعد کے زمانے میں قائم کیا گیا جبکہ اُن کی تاریخ دلوں سے محو ہو چکی تھی، اس خاندان کے ایک شخص مسمّی مہر نرسی (دیکھو طبری ص ۸۶۸ - ۸۶۹) کے شجرۂ نسب میں دارا (داریوش سوم) اور اس کے بیٹے کے اشک کا نام موجود ہے (یعنی اشک اور اس کے ساتھ ماقبل تاریخی زمانے کا بادشاہی لقب کوی جو بعد میں بدل کر کئے ہو گیا)، شجرۂ مذکور میں اس نام کے بعد چند نام ہیں جو اشکانیوں میں سے کسی کے نہیں ہیں، صرف ایک نام سیس (ا بروہ) ہے جس کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید وہ سنترُوک (شاہ اشکانی) کے نام کی بگڑی ہوئی شکل ہو اور یہ تبدیلی غالباً شجرے میں اس سے اوپر والے نام سیس بذ کے زیر اثر ہوئی ہے، اس کے علاوہ خاندان قارین کے ایک ممبر مسمّی سوخرا کا شجرۂ نسب جو طبری نے دیا ہے (ص ۸۷۷ - ۸۷۸) اس میں بھی یہی خصوصیت پائی جاتی ہے یعنی یہ کہ وہ بعد کے زمانے کا تیار کیا ہوا ہے، علیٰ ہذا القیاس ہم فرض کر سکتے ہیں کہ خاندان مہران کا اشکانی الاصل ہونا بھی اسی طرح ایک جعلی بات ہے، مارکوارٹ کا یہ خیال بیشک صحیح ہے (Z. D. M. G ج ۴۹ ص ۶۳۲) کہ افسانوی ہیرو میلاد کسی پارتھی شہزادے یا بادشاہ میتھرِ یدات (مہرداد) نام کی اولاد سے تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خاندان مہران کا شجرہ (جس کا مورث اعلیٰ گرگین پسر میلاذ دکھایا گیا ہے) کسی تاریخی میتھرِ یدات سے ملتا ہے،

سات مذکورہ بالا خاندانوں میں سب سے پہلے تو خاندان شاہی (خاندان ساسانی) ہے[۱] اور پانچ وہ ہیں جن کے نام اوپر لیے گئے ہیں یعنی قارین پہلوَ، سُورین پہلوَ[۲]، اسپاہ بد پہلوَ، سپندیاد، مہران اور ساتواں شاید خاندان زِیک[۳] ہے، طبری کے بیان کے مطابق[۴] قارین کا مسکن شہر نہاوند (میڈیا میں) تھا، سورین کا وطن سیستان تھا، سپندیاد کا علاقہ رَی (رگا، طہران کے نزدیک) اور اسپاہ بد کا دہستان (گرگان میں)، لیکن دوسری طرف ہمیں یہ بھی علم ہے کہ سوخرا جو خاندان قارین کا ایک فرد تھا ضلع اردشیر خورّہ (علاقۂ شیراز) کا رہنے والا تھا[۵] دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ خاص فارس کا باشندہ تھا، نیز ہمیں یہ بھی علم ہے کہ رَی کے قریب ایک دریا اور نیشاپور کے نزدیک ایک گاؤں سورین کے نام سے موسوم تھے[۶] اور یہ کہ مہر نرسی جو خاندان سپندیاد سے تھا ایک گاؤں آبرُوان (علاقہ دشتِ بارین ضلع اردشیر خورّہ صوبہ فارس) کا رہنے والا تھا اور اُسے یہ گاؤں اور ایک اور گاؤں زِیرہ جو پڑوس کے ضلع شاپور میں تھا اپنے آبا و اجداد سے ورثے میں ملے تھے[۷]،

---

[۱] شاپور اوّل کے بھائی شہزادہ پیروز کو "واسپہر ساسانگان" کہا گیا ہے، دیکھو ہرتسفلٹ: پای کُلی ص ۵۰۴ و ۹۴،

[۲] مؤرخ فاؤسٹوس بازنتینی کے ہاں دو سورین کا ذکر ملتا ہے جن کے ساتھ "پارسیگ" (پارسی) کی نسبت لگی ہوئی ہے، شاید وہ خاندان سورین پہلوَ کی شاخیں ہونگی، [۳] مؤرخ مینانڈر نے لکھا ہے کہ "زِیک" ایرانیوں کے ہاں ایک بڑا عہدہ ہے (تاریخ بازنتین حصہ اوّل ص ۲۰۷،۴)، لیکن بازنتینی مؤرخوں میں یہ عام بات ہے کہ وہ خاندانوں کے نام اور ایرانی خطابات میں التباس پیدا کر دیتے ہیں مثلاً پروکوپیوس یہ خیال کرتے ہوئے کہ مہران کوئی لقب یا عہدہ ہے لکھتا ہے کہ سپہ سالار پیروز کو مہران بنایا گیا، اسی طرح فاؤسٹوس اور ارمنی مؤرخ اگاتھانگ نے زیک کو ایک خاص لقب تصور کیا ہے، شاپور دوم کے زمانے میں زیک اور قارین دو بڑے سپہ سالار تھے لیکن اُن کو سائی ریکس اور ارتبانیس تصور نہیں کرنا چاہیئے جن کے نام مؤرخ مارسیلینوس کے ہاں مذکور ہیں (۲۷، ۱۲، ۵)، خاندان زیک کے دہ ممبر جن کے نام معلوم ہو سکے ہیں یُوسٹی کی کتاب "اسمارِ ایرانی" میں مذکور ہیں، نیز دیکھو ہرتسفلٹ: "آثارِ قدیمۂ ایران" ج ۴، ص ۵۷، ح ۲، [۴] ترجمہ از نولڈکہ ص ۴۳۷، [۵] طبری ص ۸۷۳، ۸۷۷، [۶] نولڈکہ ترجمہ طبری ص ۴۳۹، [۷] طبری ص ۸۷۰،

خاندانِ مہران کے ممبروں میں سے بہرام چوبین[1] اور پیران گشنسپ گرگوری رَی[2] کے رہنے والے تھے لیکن دریائے مہران کا نام جو صوبہ فارس میں ہے اس خاندان کے نام پر ہے[3]، ان حالات سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ واسپہروں کی جاگیریں ایران کے مختلف حصّوں میں بکھری ہوئی تھیں اور غالباً زیادہ تر وہ صوبجات میڈیا اور پارتھیا میں تھیں جو سلطنت اشکانی کا مولد و منشا تھے یا صوبۂ فارس میں جو ساسانیوں کا اصلی وطن تھا، خاندانوں کی یہ جاگیریں نزدیک نزدیک واقع تھیں لیکن نہ اس طرح کہ سب کو ملا کر ایک وسیع اور سالم ریاست بن سکے، غالباً منجملہ اور وجوہات کے یہ بھی ایک بڑی وجہ اس بات کی ہوئی کہ اس زمانے کے دوران میں بڑے بڑے امرائے جاگیردار رفتہ رفتہ منصبداری کی نوعیّت سے ہٹ کر نجبا و اشرافِ دربار کی نوعیّت اختیار کرتے گئے، جب تک کہ قدیم سوسائٹی قائم رہی واسپہروں کا پُرانا تعلق گاؤں (ویس) کے ساتھ برقرار رہا، یہی وجہ ہے کہ مؤرّخ جب کبھی ان میں سے کسی کے مولد و منشا

---

[1] طبری ص ۹۹۲، [2] ہوفمن، "اقتباسات" ص ۷۸، (مصنّف)، پیران گشنسپ عہد نوشیروان کا مشہور سپہ سالار ہے، عیسائی ہو کر گرگوری کے نام سے موسوم ہوا، ۵۴۲ء میں مارا گیا، (مترجم)،

[3] خاندان ہائے قارین، سورین اور مہران کے افراد کے متعلق دیکھو نولڈکہ کے حواشی (ترجمۂ طبری ص ۱۲۷، ۱۲۸، ۴۳۸-۴۳۹، ۱۳۹-۱۴۰)، اور سورین کے متعلق فرہنگِ پای گلی (نمبر ۷۱۵)، ان کے ناموں کا شمار یُوسٹی نے اپنی کتاب "اسماء ایرانی" میں مکمل کر دیا ہے (دیکھو تحت کلمۂ قارین، سورین اور مہران)، اسپاہبد کے متعلق دیکھو یُوسٹی (تحت کلمہ شپادپتی) اور فرہنگ پای گلی (نمبر ۷۲۷)، اسپندیاد کے متعلق (جس کی فارسی شکل اسفندیار اصلی لفظ کو غلط پڑھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی) دیکھو نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۴۳۹، نیز دیکھو مارکوارٹ (Z. D. M. G.) ج ۴۹، ص ۶۳۲ و بعد، کتاب ایرانشہر ص ۷۱، ہرتسفلڈ: "آثار قدیمۂ ایران" ج ۴ ص ۶۴ و بعد

ہرمزدان جو یزدگرد سوم کا مشہور سپہ سالار تھا ان سات خاندانوں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتا تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کونسا خاص خاندان تھا، اس کی ماں خوزستان میں کسی جگہ کی رہنے والی تھی اور اس صوبے کی حکومت (جس میں سترّ شہر تھے) اس کے خاندان میں متوارث تھی، (الطبری ص ۲۵۳۸ اور ۲۵۴۳ بلعمی ترجمہ زوٹن برگ ج ۳ ص ۴۴۷ و بعد

کا ذکر کرتے ہیں تو عموماً گاؤں ہی کا نام لیتے ہیں،

غالباً منصبداروں کا اعلیٰ طبقہ ان سات ہی خاندانوں پر محدود نہ تھا، مؤرخ فاؤسٹوس بازنتینی ایک سپہ سالار ماوند نامی کا ذکر کرتا ہے[1] جس کا خاندانی نام کاؤسگان ہے، بہت سے خاندانی نام جن کے آخر میں "ان" ہوتا ہے منصبداروں کے خاندانوں کو یا ان خاندانوں کی شاخوں کو ظاہر کرتے ہیں، لیکن اگر دیکھا جائے تو ان منصبداروں کی جاگیروں کا کل رقبہ بمقابلہ اُس رقبے کے بہت کم تھا جو براہ راست حکومت کے تصرف میں تھا اور جو بادشاہی گورنروں کے زیر فرمان تھا،

ہمارے پاس صحیح اطلاعات اس بارے میں نہیں ہیں کہ ان جاگیرداروں کو کیا خاص حقوق حاصل تھے، مثلاً ہمیں یہ معلوم نہیں کہ بادشاہی گورنروں کو اُن جاگیروں پر جو اُن کے صوبوں میں واقع ہوتی تھیں کسی قسم کا اختیار تھا یا نہیں یا آیا ان جاگیرداروں کو کُلی یا جزئی آزادی حاصل تھی یا نہیں، صرف اتنی بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ کسانوں پر یہ واجب تھا کہ اپنا اپنا لگان خواہ جاگیردار کو ادا کریں خواہ گورنمنٹ کو خواہ دونو کو، نیز وہ اس بات پر مجبور تھے کہ اپنے اپنے جاگیردار کی کمان میں وقتِ ضرورت فوجی خدمت انجام دیں،

ہم دیکھتے ہیں کہ ساسانیوں کے زمانے میں بھی وہ پرانی رسم موجود ہے کہ سات خاندانوں کے رؤسا کے لئے خاص خاص فرائض موروثی طور پر مقرر تھے، مؤرخ تھیوفی لیکٹس ہمیں بتلاتا ہے[2] کہ یہ موروثی فرائض کیا کیا تھے، وہ لکھتا ہے کہ "وہ خاندان جس کا نام ارتبیدس ہے رتبۂ شاہی رکھتا ہے اور بادشاہ کو تاج پہنانے کا

[1] طبع لانگلوا (Langlois) ج ۱ ص ۲۶۲،
[2] ج ۳ ص ۸،

فرض اس کے ذمّے ہے ، اسی طرح ایک اور خاندان کو فوجی امور کا ذمّہ دار بنایا گیا ہے ، ایک اور خاندان امور ملکی کا نگران ہے ، ایک خاندان کا عہدہ یہ ہے کہ منصفانہ طور پر متخاصمین کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے ، پانچویں خاندان کے ذمّے رسالہ فوج کی کمان ہے ، چھٹا خاندان اس بات پر مامور ہے کہ مالیّات وصول کرے اور خزانۂ شاہی کا محافظ رہے ، ساتواں خاندان اسلحہ اور فوجی سازو سامان کی حفاظت کا ذمّہ دار ہے "

ازبیدس بگڑی ہوئی شکل ہے ازگبیدس کی جو اصل میں ازگبد یا ہزگبد ہے جس کے معنی شروع میں محافظِ قلعہ[1] کے تھے لیکن بعد میں وہ ایک بڑے اہم فوجی عہدے کا نام ہو گیا ، چونکہ اردشیر کا پہلے یہ لقب تھا[2] لہذا ساسانیوں کی نئی سلطنت میں وہ شاہی خاندان کے ممبروں کے نام کے ساتھ ایک بہت بڑے فوجی خطاب کے طور پر لگایا جاتا تھا[3] ،

باقی کے چھ موروثی عہدوں میں سے جن کا شمار تھیوفی لیکٹس نے کیا ہے تین فوجی ہیں اور تین ملکی ، فوجی عہدوں میں سے ایک تو ناظرِ امورِ فوجی کا عہدہ ہے[4] ایک رسالہ

---

[1] نولڈکہ ، ترجمۂ طبری ص ۵ ، ح ۱ و ۲ ، ہرتسفلٹ : پای گلی (فرہنگ - نمبر ۴۱۶) یوسٹی کا یہ قیاس کہ یہ ازگ سے مشتق ہے جس کے معنی "قلعۂ مستحکم" کے ہیں بارتھولومی نے صحیح تسلیم کیا ہے لیکن ہرتسفلٹ کے نزدیک وہ مشکوک ہے ، [2] دیکھو اوپر ص ۱۰۹ - ۱۱۰ ، [3] ابرسام اردشیر اوّل کے زمانے میں ازگبد تھا (طبری ص ۸۲۳) ، ہرتسفلٹ ، فرہنگ پای گلی (نمبر ۴۱۶) ، کرسٹن سین :(Acta Orientalia) ج ۱۰ ص ۴۳ ببعد ، یزدگرد اوّل (۳۹۹ء - ۴۲۰ء) کے زمانے میں مہرشاپور ارگبد کے عہدے پر مامور تھا ، (لابوُر : "عیسائیت در ایران بعہد ساسانی " ص ۹۷) ، [4] ہم نے اپنی دوسری کتاب "سلطنت ساسانیان" (ص ۲۷) میں ناظر امورِ فوجی کو ایران سپاہ بد تصوّر کیا ہے لیکن اب ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ اغلب نہیں ہے کہ سارے ایران کے کمانڈر انچیف یا وزیرِ جنگ کا سا ذمّہ داری کا عہدہ وراثت کے توکّل پر چھوڑا جاتا ہوگا ، ہمارا قیاس یہ ہے کہ یہ کوئی کمتر درجے کا فوجی عہدہ ہے مثلاً کنارنگ کا عہدہ (بزبان یونانی کنارنگس ، بزبان سریانی قنارق) جس کو مؤرخ پروکوپیوس ایک خاص خاندان میں موروثی بتلاتا ہے ، ابرشہر (خراسان) کا مرزبان کنارنگ کہلاتا تھا ، وہاں کا صدر مقام نیشاپور تھا اور یہ صوبہ ہمیشہ وحشی خانہ بدوش قبیلوں کے حملے کے خطرے میں رہتا تھا ، (مارکوارٹ : "ایرانشہر" ص ۴۷ - ۷۵ ، ہرتسفلٹ : "آثار قدیمۂ ایران " ج ۲ ص ۱۱۰) ، یزدگرد سوم کے عہد میں جب عربوں کے ساتھ لڑائیاں جاری تھیں طوس

فوج کے سردار کا[1] اور ایک میگزین کے محافظ (ایران انبار گبد)[2] کا جس کو تھیوفنی لیکٹس نے ساتویں خاندان کے ذمّے بتلایا ہے، ملکی عہدوں میں سے ایک ناظرِ امور ملکی کا عہدہ ہے جس کی نوعیت کسی قدر غیر واضح ہے دوسرے حاکم عدالت کا اور تیسرے کلکٹر اور خزانہ دار شاہی کا[3] یہ واضح رہے کہ تھیوفنی لیکٹس کا یہ بیان ساسانیوں کے آخری زمانے کے متعلّق ہے،

(گذشتہ سے پیوستہ) کا مرزبان کنارنگ کہلاتا تھا، (ثعالبی ص ۴۴۷، بلاذری ص ۴۰۵، س ۷، بلاذری میں اس لفظ پر غلط اعراب لگائے گئے ہیں)، فارسی کے فرہنگ نگار لفظ کنارنگ کے معنی 'حاکم صوبہ' کے لکھتے ہیں'

[1] ہماری کتاب "سلطنت ساسانیاں" (ص ۲۷) میں اس عہدے کا نام اسپ بد لکھا ہے لیکن یہ نام یقینی نہیں ہے، ہمارا خیال ہے کہ اسپ وار بد یا اسوار بد زیادہ قرین صحت ہوگا،

[2] دیکھو نولڈکہ (ترجمہ طبری ص ۴۴۴)، ہرتسفلٹ: پای کُلی (فرہنگ۔ نمبر ۶۶)،

[3] ہمارا خیال نہیں ہے کہ یہ عہدہ وہی ہے جس کو واستریوشان سالار (مستوفی ممالک) کہتے تھے، طبری (ترجمہ نولڈکہ ص ۱۱۰) اُن بڑے بڑے عہدوں کا شمار کرتے ہوئے جو وزیر مہرنرسی نے اپنے تین بیٹوں کو دلوائے لکھتا ہے کہ منجھلا بیٹا ماہ گشنسپ بہرام پنجم کے عہد میں شروع سے آخر تک واستریوشان سالار کے عہدے پر مامور رہا، اگر یہ عہدہ موروثی تھا تو پھر ماہ گشنسپ کو بڑا بیٹا ہونا چاہیئے تھا، گمان یہ ہے کہ طبری سے اس بیان میں کچھ غلطی ہوئی ہے، دوسری جگہ (ترجمہ ص ۱۱۲) اس نے تینوں بیٹوں کو ایک اور ترتیب سے ذکر کیا ہے اور وہاں ماہ گشنسپ کو سب سے چھوٹا بیٹا بتلایا ہے، لیکن اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ماہ گشنسپ سب میں بڑا تھا اور لہذا اس کو واستریوشان سالار کا عہدہ ورثے میں ملا تو پھر یہ ماننا پڑیگا کہ اس سے پہلے اس کا باپ مہرنرسی اور اس کا دادا ورازگ بھی اس عہدے پر مامور رہ چکے تھے، لیکن دینوری (ص ۵۷) لکھتا ہے کہ یزدگرد اوّل کے بعد (یعنی مہرنرسی کی زندگی میں) ایک شخص مسمّی گشنسپ آذار "کاتب الخراج" تھا جس سے یقیناً واستریوشان سالار مراد ہے، پس معلوم ہوا کہ جب اس عہدے پر مہرنرسی کی زندگی میں ایک دوسرا شخص مامور تھا تو مہرنرسی کو یہ عہدہ کبھی نہیں ملا، اگر دینوری کے اس بیان کو غلط بھی کہا جائے تب بھی یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ ماہ گشنسپ کو اپنے باپ کی زندگی میں اپنے خاندان کا موروثی عہدہ کیونکر مل گیا؟ غرض یہ کہ ہمارا قیاس ہے کہ کلکٹر اور خزانہ دار شاہی کے عہدے سے مراد واسپہرگان آمارکار ہے یعنی "مستوفی خراجِ واسپہران" ۔ اس عالی مقام عہدہ دار کا ذکر ارمنی مآخذ میں بھی آیا ہے اور اس کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ اصفہان کا خراج اس کے گھر میں جمع ہوتا تھا، (ہیوبشمن، ارمنی گرامر ج ۱ ص ۱۷۸)،

یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کونسا عہدہ کس خاندان کے ساتھ مربوط تھا، ارگبد کے عہدے کے متعلق البتہ ہمیں علم ہے کہ وہ ساسانی خاندان سے متعلق تھا اور رسالہ فوج کی سرداری کے متعلق فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ خاندان اسپاہبد کے ذمے تھی، چونکہ سورین اور مہران اکثر ایرانی فوج کے سرداروں کے نام ہوتے ہیں اس سے شاید ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ باقی کے دو فوجی عہدے ان دو خاندانوں کی میراث میں تھے لیکن یہ محض قیاس ہی قیاس ہے جس کے لئے ہمارے پاس کوئی سند نہیں، ملکی عہدوں کی تقسیم کے متعلق ہمیں کسی قسم کا کوئی علم نہیں،

اگر ہم بغور ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ موروثی عہدے جتنے تھے وہ بیشک بہت اہم تھے لیکن عالی ترین اور اہم ترین نہیں تھے، درحقیقت یہ اغلب معلوم نہیں ہوتا کہ سلطنت میں چوٹی کے عہدے مثلاً وزیر اعظم یا کمانڈر انچیف کا عہدہ حقِ وراثت سے حاصل ہوتے ہوں اور بادشاہ کے ہاتھ میں اپنے مشیروں کے انتخاب کا کوئی اختیار نہ ہو اور جب کبھی وہ کسی بڑے عہدہ دار کو برطرف کرنا چاہے تو اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ ہو کہ اس کو قتل کروا کے اس کی جگہ اس کے بڑے بیٹے کو مقرر کرے، ساسانیوں کی سلطنت کی بنیاد خود مختار حکومت پر تھی پس ایسی صورت حالات ان کی خود مختاری کے ساتھ کس طرح موافقت رکھ سکتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو تھوڑے ہی عرصے میں سلطنت تباہ ہو جاتی[1]، ساسانی سلطنت میں موروثی عہدے

[1] حیرہ کی عربی ریاست میں وزیر (رِدْف) کا عہدہ خاندان یربوع میں موروثی تھا اور یہ اس بات کے صلے میں تھا کہ اس خاندان والے تخت حیرہ کے دعوے سے دست بردار ہو گئے تھے (جوہری، دیکھو انگر (Enger) کا مضمون، رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی (Z. D. M. G.) ج ۱۳ ص ۲۴۰، روٹ شٹائن (خاندان لخمی، ص ۱۱۲، ۱۲۳)، یہ وہی ایرانی دستور تھا جس کو معقولیت کی حد سے آگے بڑھا دیا گیا تھا اور ایسی بات حیرہ جیسی چھوٹی سی ریاست ہی میں ممکن ہو سکتی تھی جس کو ایک بڑی سلطنت کی پناہ اور نگرانی نصیب تھی،

عزّت و افتخار کے عہدے تھے جو سات اوّلین خاندانوں کی امتیازی حیثیّت کی علامت سمجھے جاتے تھے[۱]، لیکن اُن کی طاقت محض ان عہدوں سے نہیں تھی بلکہ اُس آمدنی سے جو اُن کو اپنی جاگیروں سے حاصل ہوتی تھی اور اس کے علاوہ (خصوصاً کواذ اور خسرو اوّل کے عہد سے پہلے) جاگیرداری کے اُس تعلّق سے جو اُن کو اپنی رعایا کے ساتھ تھا، پھر ایک اور بات یہ بھی تھی کہ چونکہ ان کے لئے بادشاہ کے حضور میں رسائی حاصل کرنا آسان ہوتا تھا لہٰذا اس کی بدولت اُنہیں حکومت کے بڑے بڑے عہدے پانے کے امتیازی حقوق مل جاتے تھے،

قدیم سوسائٹی اور خاندانِ ساسانی کے خاتمے کے بعد بھی مدّتہائے دراز تک واسپُہر صوبۂ فارس میں باقی رہے، ابنِ حوقل دسویں صدی عیسوی میں لکھ رہا ہے کہ "فارس میں یہ بڑا اچھا دستور ہے کہ قدیم خاندانوں کے لوگوں (اہل البیوتات = واسپُہران) کی بڑی عزّت کی جاتی ہے اور ممتاز گھرانوں کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ان خاندانوں میں بعض ایسے ہیں جو موروثی طور پر سرکاری محکموں

---

[۱] ممکن ہے کہ شاہانِ ہخامنشی کی یہ رسم ساسانیوں کے ہاں بھی جاری ہو کہ شہنشاہ اپنی بیویوں کا انتخاب ترجیحاً اپنے خاندان میں سے کرتا تھا اور یہ نہیں تو پھر باقی کے چھ ممتاز گھرانوں میں سے، خسرو دوم (پرویز) کی ماں خاندان اسپاہ بذ سے تھی اور وِشتہم اور وِنڈوی (بِشتہم اور بندوی) کی بہن تھی (نولڈکہ ص ۲۷۳)، بہرحال یہ ایسا قاعدہ نہیں تھا جس میں استثناء نہ ہو، یزدگرد اوّل نے یہودیوں کے ریش گالوتا (راس الجالوت) کی بیٹی سے شادی کی تھی، خسرو اوّل کی بیوی خاقان اتراک کی بیٹی تھی اور خسرو دوم ایک بازنطینی (رومی) شاہزادی سے بیاہا تھا، دوسری طرف اس امر کا ثبوت کہ ساسانی شاہزادیاں چھ ممتاز خاندانوں میں بیاہی جا سکتی تھیں یہ ہے کہ خسرو دوم کے ایک بھانجے کا نام مہران تھا (نولڈکہ: ص ۱۴۰)، یوحنا مامیکونی (مؤرّخ ارمنی) نے ایک سپہ سالار مسمّی وِخننگ اور اس کے بھائی سوربن کا ذکر کیا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ دو نو خسرو دوم کے ماموں ہیں، (لانگلوا، ج ۱ ص ۳۷۰ بعد و ص ۳۷۲)،

(دہاوین) کے رئیس ہیں اور قدیم الایام سے اب تک اسی طرح چلے آتے ہیں[۱]"،
مسعودی نے بھی اسی طرح فارس کے اہل البیوتات کا ذکر کیا ہے،

وُزُرگان

ساسانیوں کی تاریخ میں جس کا ایک حصہ ہمارے لئے طبری کی تصنیف میں محفوظ رہا ہے تقریباً ہر صفحے پر بزرگان و آزادگان (العظماء و اهل البیوتات) کا نام ملتا ہے، جب کبھی کوئی نیا بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا تو بزرگان و آزادگان اظہارِ اطاعت کے لئے اور بادشاہ کا خطبہ سننے کے لئے جس کے ذریعے سے وہ اپنا تعارف اپنی رعایا سے کرتا تھا دربار میں جمع ہوتے تھے، یہی تھے جنھوں نے اردشیر دوم کو تخت سے اتارا اور شاپور سوم کو قتل کرایا[۲]، انھی بزرگان و آزادگان میں سے بعض تھے جنھوں نے یزدگرد اوّل کی اولاد و اعقاب کو تخت سے محروم کرنے کی ٹھانی تھی[۳] اور بعد میں اس کی جانشینی کے بارے میں جو گفت و شنید منذر (شاہِ حیرہ) کے ساتھ ہوئی وہ انھی بزرگان و آزادگان نے کی تھی[۴]، بعض وقت العظماء والاشراف[۵] کی ترکیب بھی دیکھنے میں آتی ہے، عربی میں "اهل البیوتات" اور "العظماء" اور "الاشراف" لفظی ترجمہ ہیں پہلوی الفاظ "واسپُہران" اور "وُزُرگان" اور "آزاذان" کا،[۶]

---

[۱] ابن حوقل، طبع یورپ ص ۲۰۷، [۲] طبری ص ۸۴۶، ترجمہ نولڈکہ ص ۷۰ و ۷۱،
[۳] طبری ص ۸۵۸، ترجمہ نولڈکہ ص ۹۱، [۴] طبری ص ۸۵۰ بعد، منذر کے ساتھ گفت و شنید کی وجہ یہ تھی کہ امراء دربار یزدگرد اوّل کے بعد بہرام گور کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے اور وہ اُس وقت منذر کے دربار میں مقیم تھا، (مترجم)، [۵] طبری ص ۸۳۵، ۸۷۱، ۸۸۳،
[۶] نولڈکہ، ترجمۂ طبری ص ۷۱ ح ۱، اہل البیوتات کا مترادف آرامی زبان میں باربیتان ہے جو واسپُہران کے لئے بطور ہزوارش استعمال ہوا ہے، طبری کے ہاں ایک اور ترکیب "الوجوہ والعظماء" بھی استعمال ہوئی ہے (ص ۹۹۹)،

بعض وقت صرف "بزرگان" کا لفظ استعمال ہوا ہے[1]، اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ ساسانیوں کی تاریخ میں "بزرگان" کو کس قدر اہمیت حاصل رہی ہے نیز یہ کہ اُن کا نام باقاعدہ طور پر ہمیشہ جاگیرداروں (واسپُہران) کے پہلو بہ پہلو لیا گیا ہے کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ وہ حکومت کے بڑے بڑے اعلیٰ افسر اور محکموں کے عالی ترین نمایندے تھے، زمرۂ "وزرگان" میں وزراء اور حکّامِ بالادست بھی شامل تھے[2]،

آزاذان اس لفظ کا مفہوم ابھی تک اچھی طرح واضح نہیں ہوا، یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ آریا قوم کے فاتحین نے آزاذان کا لقب ملک کے اصلی باشندوں کے مقابلے میں جن کو اُنھوں نے غلام بنایا اختیار کیا ہوگا۔ رفتہ رفتہ نسلوں کا اختلاط شروع ہوا جس کی وجہ سے بہت سے آزاد آریائی خاندان اپنی اصالت کو کھو بیٹھے اور اپنی سابقہ بلندی سے اتر کر کسانوں اور شہریوں کے متوسط طبقے میں آملے، بعض اور نشیب و فراز بھی اس تنزّل میں مؤیّد ہوئے مثلاً جنگوں کے نتائج، قرضہ، اور زمین کا مسلسل حصّوں میں تقسیم ہوتے چلے جانا، آریائی خاندانوں میں سے جو نسبتہً زیادہ خالص حالت میں رہے بعض ترقی کر کے واسپُہرِوں کے قلیل لیکن طاقتور زمرے میں داخل ہوگئے اور بعض اُن سے کمتر درجے کے نجباء کی جماعت میں رہے، یہ جماعت ساسانیوں کے زمانے میں خاصی کثیر تھی اور سارے ملک میں پھیلی ہوئی تھی اور صوبوں کی حکومت میں عہدہ دارانِ زیردست

---

[1] طبری ص ۸۳۴، ۸۴۶، ۱۰۴۵، ۱۰۶۱،

[2] دیکھو آگے، "مرکزی حکومت" کے عنوان میں،

انھی میں سے منتخب ہوتے تھے ، غالباً یہی لوگ تھے جنھوں نے آزاذان کا نام اپنے لئے محفوظ کر رکھا تھا ،

غالباً اسی جماعت سے ساسانیوں کی رسالہ فوج تعلق رکھتی تھی جو اُن کے لشکر کا بہترین جزء تھی ، تاریخ یعقوبی میں ایک جگہ[۱] جہاں پانچویں صدی کے شروع میں[۲] یزدگرد اوّل کے زمانے میں مراتب کی ترتیب سے بحث کی گئی ہے ہمیں بتلایا گیا ہے کہ افسرانِ لشکر کو "سوار" کہا جاتا تھا ، قیاس یہ ہے کہ ان سواروں میں سے اکثر امن کے زمانے میں اپنی اپنی زمین پر زندگی بسر کرتے تھے ، کھیتوں میں کاشت کرتے تھے اور کسانوں سے کام لینے میں مشغول رہتے تھے ،

یہ طبعی بات ہے کہ جس قوم میں نہایت قدیم زمانے سے گھوڑوں کا شوق اور شہسواری کا مذاق رہا ہو وہ سواروں کے لشکر کی طرف خاص توجہ مبذول کرے اور نجباء کے طبقۂ اوّل کے بعد (جن کی تعداد قلیل تھی) ان کو شمار کرے ، آگے چل کر ہم اس بات کو ملاحظہ کرینگے کہ بعد کے زمانے میں سوار کا لقب سوسائٹی میں بہت بڑی وقعت رکھتا تھا[۳] ،

دوسری طرف کمتر درجے کے اشراف تھے جن کی طاقت ان کے موروثی مقامی اختیارات میں مرکوز تھی ، وہ کذک خوذایان[۴] (کدخدایان یعنی رؤسائے خانہ) اور دہقانان[۵]

[۱] طبع ہوتسما ، ج ۱ ، ص ۲۰۲ ، [۲] دیکھو باب ششم و ضمیمہ نمبر ۲ ، [۳] دیکھو باب ہشتم ،
[۴] دیکھو ہرتسفلڈ : پائی کلی (فرہنگ ۔ نمبر ۵۶۷ - ۵۷۰) ، بارتھولومی : "قرون وسطیٰ کی ایرانی زبان کے متعلق معلومات " (جرمن) ، ج ۳ ، ص ۴۳ ببعد ، اس سیاسی اور معاشرتی جماعت کا نام قدیم زمانے کے مان بد کا مترادف ہے جو مذہبی کتابوں میں مذکور ہے (دیکھو اوپر ، ص ۱۱) ، اشکانی زمانے میں شہزادے کذک خوذای کہلاتے تھے (دیکھو ص ۱۴) ، [۵] عہد ساسانی کے آخر میں دہقان کا لفظ بظاہر زیادہ وسیع معنوں میں استعمال ہونے لگا تھا اور عہد اسلامی میں بھی اس کا استعمال جاری رہا ، دہقانوں کی جماعت کو افسانوی بادشاہ ہوشنگ کے بھائی ویگرد کی نسل سے بتلایا جاتا ہے ، (دیکھو کرسٹن سین : "ایران کی افسانوی تاریخ میں اوّلین انسان اور اوّلین بادشاہ" ، ص ۱۴۴ ، ۱۵۰ ، ۱۵۱ ، ۱۵۳ ، ۱۵۵ ، ۱۵۹) ،

(رؤساء دیہ) کہلاتے تھے، حکومت کی مشین میں دہقان بمنزلہ ایسے پہیوں کے تھے جن کے بغیر اس کا چلنا دشوار تھا، اگرچہ بڑے بڑے تاریخی واقعات میں وہ کہیں نظر نہیں آتے تاہم حکومت کے نظام اور اس کی عمارت میں وہ ایسی مستحکم بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے جس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہو سکتا، دہقان پانچ جماعتوں میں منقسم تھے جن میں سے ہر ایک کا ایک امتیازی لباس تھا[1]، مجمل التواریخ میں دہقان کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ "رئیس تھے، زمینوں اور گاؤں کے مالک تھے"[2]۔ لیکن اکثر حالتوں میں دہقان کی موروثی اراضی کا رقبہ کچھ بہت زیادہ نہیں ہوتا تھا اور بعض وقت اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنے گاؤں کا سب سے بڑا کسان ہوتا تھا[3]، لہذا کسانوں کی آبادی میں دہقان کا وہ رتبہ نہ تھا جو امرائے جاگیردار کا تھا، اس کی حیثیت یہ تھی کہ وہ سرکاری علاقے کی زمینوں کے کاشتکاروں میں گورنمنٹ کا نمایندہ تھا اور اس حیثیت سے اس کا سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ کاشتکاروں سے لگان یا معاملہ وصول کرے[4]، دہقانوں کو جو معلومات اراضی اور رعایا کے متعلق حاصل تھیں انھی کی بدولت یہ ممکن تھا کہ لگان کامیابی کے ساتھ باقاعدہ وصول ہوتا رہتا تھا جس سے دربار کے تزک و احتشام اور جنگوں کے گراں مصارف پورے ہوتے رہتے تھے باوجود اس کے کہ ایران کی زمین بالعموم کچھ زیادہ زرخیز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ عرب فاتحین نے جب تک دہقانوں کی معاونت حاصل نہ کی وہ ایران سے اتنا مالیہ وصول نہ کر سکے جتنا کہ ساسانیوں کے وقت میں وصول ہوتا تھا[5]،

---

[1] مروج الذہب، ج ۲، ص ۲۴۱، [2] دیکھو ترجمہ شاہنامہ از مول ج ۱، ص ۷، اس تعریف کی رو سے دہقان وہی ہوا جو ہندوستان میں ٹھاکر ہے (مترجم)، [3] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۴۴۰، [4] یعنی وہی جو ہندوستان میں گاؤں کا نمبردار یا پٹیل کرتا ہے، (مترجم)، [5] دیکھو فان فلوٹن (Van Vloten)، "امسٹرڈم کی شاہی اکیڈمی کی روئداد" ۱۹۱۲ء ۶ ص ۱۳ بعد،

مرکزی حکومت کا نظم و نسق

وزیر اعظم

مرکزی حکومت کا صدر وزیر اعظم تھا جس کا لقب شروع میں ہزار بد تھا، ہخامنشیوں کے زمانے میں ہزار پتی بادشاہ کی محافظ فوج کے دستے کا افسر ہوتا تھا جس میں سپاہیوں کی تعداد ایک ہزار تھی، اس زمانے میں یہ افسر سلطنت کے اوّلین عہدہ داروں میں شمار ہوتا تھا اور بادشاہ اُسی کے توسط سے سلطنت کا نظم و نسق کیا کرتا تھا[1]، یہ نام اشکانیوں کے زمانے میں محفوظ رہ کر ساسانیوں کے عہد میں پہنچا، ارمنی مؤرخ ایران کے وزیر اعظم کو "ہزارپت دَرَن ارِیَتْس" لکھتے ہیں جس کے معنی "محافظِ دربارِ ایران" کے ہیں، ایک خط میں جو اہلِ آرمینیہ نے یزدگرد دوم کے وزیر اعظم مہر نرسی کو لکھا اس کے القاب میں "ہزارپت ایران و غیر ایران"[2] کا لقب شامل کیا، لیکن جب اسی وزیر اعظم نے ارمنیوں کو خط لکھا تو اپنا لقب

---

[1] بقول نیبیوس (مؤرخ لاطینی) اس کا رتبہ شہنشاہ کے بعد دوسرے درجے پر تھا، سکندر کے ہاں پہلے ہیفاسٹیون (Hephaistion) اور اس کے بعد پرڈکاس (Perdiccas) ہزار بد (Chiliarch) کے عہدے پر مامور تھا، پولی سپرکون (Polysperchon) کی ولایت کے زمانے میں کاسانڈر (Cassandre) کو ہزار بد کا عہدہ دیا گیا' اس پر مؤرخ ڈیوڈورس (۱۸ ، ۴۸) مزید اطلاع دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ شاہان ایران کے ہاں ہزار بد بلحاظ رتبہ سب سے اونچا عہدہ ہے، (مارکوارٹ' رسالہ "فلولوگس" ج ۵۵ ، ص ۲۲۷ ببعد)، پائی کلی کے کتبے میں بھی ہزار بد کا لقب مذکور ہے، (فرہنگ نمبر ۳۸۲)

[2] شاہ ایران کے لقب کی مماثلت سے جو "شہنشاہ ایران و اَنْ ایران" تھا،

"وُزُرگ فُرَماذار ایران و غیر ایران"[1] تحریر کیا[2]، طبری سے ہم کو اس بات کا پتہ چلتا ہے[3] کہ باضابطہ طور پر اس کا لقب یہی تھا اور مسعودی اور یعقوبی کے ہاں بعض عبارات ایسی ہیں جن سے اس امر کی کافی طور سے تائید ہوتی ہے کہ عہدِ ساسانی کے آخر تک وزیر اعظم کا لقب "وُزُرگ فُرَماذار" ہی تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ اس کو "در اندرزبد" (مُشیر دربار) بھی کہا جاتا تھا[4]،

وزیر اعظم کے عہدے پر جو لوگ مامور رہے ان میں سے ایک تو ابہرسام کا نام معلوم ہے جو اردشیر اوّل کا وزیر تھا[5]، یزدگرد اوّل کے زمانے میں خسرو یزدگرد[6] تھا، مہرنرسی ملقب بہ "ہزار بندگ" (ہزار غلاموں والا) یزدگرد اوّل اور بہرام پنجم کا وزیر اعظم تھا[7]، سوربن پہلوَ بہرام پنجم کے زمانے میں اس عہدے پر مامور تھا[8]،

وزرگ فرماذار کے اختیارات اور وسعتِ اقتدار کے متعلق ہمارے پاس اطلاعات بہت کم ہیں، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا فرض منصبی بادشاہ کی نگرانی میں امور سلطنت کا سرانجام تھا لیکن اکثر اوقات وہ اپنی رائے سے معاملات کو طے کرتا تھا اور جب کبھی بادشاہ سفر میں یا کسی مہم پر ہوتا تو وہ اس کا قائم مقام ہوتا تھا[9]، بیرونی ممالک کے ساتھ

---

[1] ارمنی زبان میں اس کو "وزرگ ہرمَنتَرَ" لکھا ہے، (ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱ ص ۱۸۲ - ۱۸۳!)- وزرگ فرماذار کے معنی "فرمانروائے بزرگ" یا حاکم اعلےٰ کے ہیں، فُرماذار (بدون کلمۂ وزرگ) مذہب زرتشتی میں ایک اونچے درجہ کا دینی عہدہ دار تھا لیکن اس کے فرائض کا حال صحیح طور سے معلوم نہیں، (ویسٹ، متون پہلوی ج ۱ ص ۱۴۵، ج ۲ ص ۱۵۲، ۲۷۶،) [2] لانگلوا، ج ۲ ص ۱۹۰، ۱۹۲، [3] ترجمہ نولڈکہ ص ۱۱۱، [4] دیکھو ضمیمہ ۲، ہرتسفلٹ: پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۱۰۰)- دراندرزبد= طیسفون کا اندرزبد، [5] طبری ص ۸۱۶، کرسٹن سین: (Acta Orientalia) ج ۱۰ ص ۴۳ ببعد، ابہرسام علاوہ وزیر اعظم کے ارگبد بھی تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساسانی خاندان سے تھا، [6] لابور (Labourt) ص ۹۷، [7] طبری ص ۸۶۹، ۸۶۸، [8] لازارفرپی (مؤرّخ ارمنی)، طبع لانگلوا، ص ۲۷۰،
[9] طبری ص ۸۶۶، ترجمہ نولڈکہ ص ۱۰۶،

سیاسی گفت و شنید کا کام بھی اُسی کے ذمّے تھا اور اگر ضرورت پڑے تو وہ سالارِ لشکر بھی ہو سکتا تھا[1]، خلاصہ یہ کہ بادشاہ کا مشیرِ خاص ہونے کی حیثیت سے نظامِ حکومت کا جزو و کُل اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ ہر معاملے میں دخل دینے کا اہل تھا[2] وزرگ فرماذار جو کامل معیار کا ہوتا تھا وہ تہذیب و شائستگی میں بے نظیر، اخلاقی قوت میں ممتاز، اپنے ابنائے زمانہ میں فائق[3]، جامعِ خصالِ حمیدہ، صاحبِ حکمت نظری و عملی[4]، اور دانائی و فرزانگی میں یکتا ہوتا تھا، اس کی شخصیت ایسی طاقتور ہوتی تھی کہ جب کبھی بادشاہ عیّاشی اور بدکرداری میں مبتلا ہو جاتا تو وہ اس کو اپنے ذاتی اثر سے راہِ ہدایت کی طرف لاتا تھا[5]،

وزیرِ اعظم کا عہدہ جس شکل میں کہ وہ زمانۂ خلافتِ اسلام میں تھا (اور اس کی وہی شکل تمام اسلامی سلطنتوں میں برقرار رہی) مستقیماً دولتِ ساسانی سے اخذ کیا گیا تھا[6]، اور فضلاءِ عرب جنھوں نے سیاسی نظریے قائم کئے وزیرِ اعظم کے عہدے کے متعلق جو اصولی باتیں لکھتے ہیں وہ ساسانیوں کے وزرگ فرماذار پر عین صادق آتی ہیں، بقول ماوردی وزیرِ اعظم تمام وہ اختیارات رکھتا ہے جو خود خلیفہ کے ہیں، صرف اتنی بات اس پر واجب ہے کہ وہ خلیفہ کو اپنے تمام انتظامات سے آگاہ کرتا رہے تاکہ اس کی زیر دستی اور اطاعت کا اظہار ہوتا رہے، دوسری طرف خلیفہ کا یہ فرض ہے کہ وزیر کے جملہ افعال کی نگرانی کرے، وزیر کے اختیارات صرف

---

[1] طبری ص ۸۶۸، ترجمۂ نولڈکہ ص ۱۰۶، [2] لیکن چھٹی صدی کے دوران میں وزرگ فرماذار کے اختیارات کم ہو گئے تھے، دیکھو بابِ ششم و ضمیمہ ۲، [3] طبری ص ۸۹۴، [4] جو نمونہ کہ وزرگ مہر (بزرجمہر) کا تھا، دیکھو کرسٹن سین (Acta Orientalia) ج ۸، ص ۸۱ بعد، [5] طبری ص ۸۹۴، [6] انگر (Enger)، رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی، ج ۱۳، ص ۲۴۰،

تین باتوں میں محدود تھے، اوّل یہ کہ اس کو اپنا جانشین یا نائب خود مقرر کرنے کا حق حاصل نہ تھا، دوسرے وہ مجاز نہ تھا کہ اپنے کام سے علیحدگی اور خانہ نشینی کی اجازت لوگوں سے طلب کرے کیونکہ وہ بادشاہ کا کارندہ ہے نہ کہ لوگوں کا، تیسرے اس کو خاص اجازت کے بغیر یہ اختیار نہ تھا کہ کسی ایسے عہدہ دار کو جسے بادشاہ نے مقرر کیا ہو برخاست کرکے اس کی جگہ دوسرا آدمی تعینات کرے[۱]، ان تین باتوں میں سے دوسری کے متعلق صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ عہد خلافت میں پیدا ہوئی جس کی بنا جمہوری حکومت پر تھی، پس خلاصہ یہ کہ وزرگ فرمادار کو شہنشاہِ ایران سے وہی تعلق تھا جو زمانۂ مابعد میں وزیر اعظم کو خلیفہ سے تھا، عربی کتاب موسوم بہ "دستور الوزرا" میں لکھا ہے کہ "شاہانِ ایران تمام بادشاہوں سے بڑھ کر اپنے وزرار کا احترام کرتے تھے، وہ یہ کہتے تھے کہ وزیر وہ شخص ہے جو ہماری حکومت کے معاملات کو سلجھاتا ہے وہ ہماری سلطنت کا زیور ہے وہ ہماری زبانِ گویا ہے وہ ہمارا ہتھیار ہے جو ہر وقت مہیّا ہے تاکہ ہم اس سے دور دور کے ملکوں میں اپنے دشمنوں کو ہلاک کریں[۲]"

نظامِ مذہب یا کلیسائے زرتشتی

مجوس (یا مغان) اصل میں میڈیا کے ایک قبیلے یا اُس قبیلے کی ایک خاص جماعت کا نام تھا جو غیر زرتشتی مزدائیت کے علماء مذہب تھے[۳]، جب

---

[۱] انگر، رسالۂ انجمن مشرقی آلمانی، ج ۱۳ ص ۲۴۲، [۲] ایضاً ص ۲۴۰، [۳] کرسٹن سین: مضمون بہ عنوان "ایرانیان" (کتابچۂ علوم قدیمہ) سلسلہ سوم، حصّۂ اوّل جلد ۳ ص ۲۸۹ بعد،

مذہب زرتشت نے ایران کے مغربی علاقوں (میڈیا اور فارس) کو تسخیر کیا تو مغان اصلاح شدہ مذہب کے رؤسائے روحانی بن گئے، اوستا میں تو یہ علماء مذہب آذروان کے قدیم نام سے مذکور ہیں لیکن اشکانیوں اور ساسانیوں کے زمانے میں وہ معمولاً مُغ کہلاتے تھے، ان لوگوں کو ہمیشہ قبیلۂ واحد کے افراد ہونے کا احساس رہا اور لوگ بھی ان کو ایک ایسی جماعت تصوّر کرتے تھے "جو قبیلۂ واحد سے تعلّق رکھتی ہے اور خداؤں کی خدمت کے لئے وقف ہے"[1]

عہد ساسانی میں علمارِ مذہب امرائے جاگیر دار کے دوش بدوش چلتے رہے اور جب کبھی ضعف و انحطاط کا دور آجاتا تھا تو یہ دونو جماعتیں بادشاہ کے خلاف ایک دوسرے کی مؤیّد ہو جاتی تھیں، لیکن ویسے یہ دو گروہ بالکل ایک دوسرے سے الگ تھے اور ہر ایک کی اپنی اپنی ترقّی کا راستہ جدا تھا، جہاں تک ہمیں علم ہے ساسانیوں کے زمانے میں امرا کے بڑے بڑے گھرانوں میں سے کوئی شخص موبدان موبد نہیں بنایا گیا[2]، موبدوں کا انتخاب ہمیشہ قبیلۂ مغان میں سے ہوتا تھا جس کی تعداد طبعی طور سے صدہا سال کے زمانے میں بہت بڑھ گئی تھی[3]، طائفۂ مغان نے بھی ایران کی شاندار افسانوی تاریخ میں سے اپنا ایک شجرۂ نسب تیار کیا جو نجباء کے عالی خاندانوں کے شجرے کے مقابلے پر تھا، ساسانیوں نے اپنا نسب (بواسطۂ ہخامنشیان) کوی وِشتاشپ تک پہنچایا جو زرتشت کا مربّی تھا اور اکثر دوسرے عالی خاندانوں نے بھی (بواسطۂ اشکانیاں) اپنا مُورثِ اعلیٰ

۱؎ مارسیلینوس، ج ۲۳، ص ۶، ص ۳۵،

۲؎ تاریخ میں لکھا ہے کہ زروان داذ پسر مہر نرسی کو جو خاندان سپندیاد سے تھا، ہیربدان ہیربد بنایا گیا تھا، ۳؎ شیعہ سوسائٹی میں سیدوں کی تعداد بھی اسی طرح بڑھی ہے،

اُسی کو قرار دیا، اُس کے مقابلے پر موبدوں کا جدِّ اعلیٰ شاہِ افسانوی مَنُوش چِثَر (منوچہر) قرار پایا جو اساطیری خاندان پَرَداتَ سے تھا کہ وشتاسپ سے بہت زیادہ قدیم ہے[1]،

طبقۂ علماء مذہب اپنے دنیاوی اقتدار کو ایک مقدّس اور مذہبی رنگ دیتے تھے اور اس ترکیب سے وہ ہر شخص کی زندگی کے اہم معاملات میں دخل دے سکتے تھے، گویا یوں کہنا چاہیئے کہ ہر شخص کی زندگی مہد سے لحد تک ان کی نگرانی میں بسر ہوتی تھی، مؤرخ اگاتھیاس لکھتا ہے[2]، کہ "فی زماننا ہر شخص ان کا (مغان کا) احترام کرتا ہے اور بیحد تعظیم کے ساتھ پیش آتا ہے، پبلک کے معاملات ان کے مشوروں اور پیشینگوئیوں سے طے ہوتے ہیں اور لوگوں کے باہمی تنازعات کا وہ غور و فکر کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں، اہل فارس کے نزدیک کوئی چیز مستند اور جائز نہیں سمجھی جاتی جب تک کہ ایک مُغ اس کے لئے جواز کی سند نہ دے"۔

موبدوں کا رسوخ اور اثر محض اس وجہ سے نہ تھا کہ ان کو روحانی اقتدار حاصل تھا یا یہ کہ حکومت نے اُن کو فصلِ خصومات کا کام دے رکھا تھا یا یہ کہ وہ پیدائش اور شادی اور تطہیر اور قربانی وغیرہ کی رسموں کو ادا کراتے تھے بلکہ ان کی زمینوں اور جاگیروں اور اُس کثیر آمدنی کی وجہ سے بھی جو اُنہیں مذہبی کفّاروں اور زکوٰۃ اور نذر نیاز کی رقموں سے ہوتی تھی، اور پھر اس کے علاوہ

[1] دیکھو ایرانی بُندہِشن (طبع انکلساریا) کا انگریزی ترجمہ از ویسٹ (باب ۳۳)، خاندان قارین کا شجرۂ نسب جو طبری نے دیا ہے (ص ۸۷۷ - ۸۷۸) اس کی رُو سے اس خاندان کا جدّ اعلیٰ بھی یہی منوش چثر ہے، [2] ج ۲، ص ۲۶،

انہیں کامل سیاسی آزادی حاصل تھی یہاں تک کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے حکومت کے اندر اپنی حکومت بنا رکھی تھی، شاپور دوم کے زمانے تک میڈیا اور بالخصوص ایٹروپیٹین (آذر بائجان) مغوں کا ملک سمجھا جاتا تھا، وہاں ان لوگوں کی زرخیز زمینیں اور پُر فضا مکانات تھے جن کے گرد حفاظت کے لئے کوئی دیوار نہیں بنی ہوتی تھی،[۱] اپنی ان زمینوں پر یہ لوگ اپنے خاص قوانین کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے،[۲] غرض یہ کہ رؤسائے مغان کے قبضے میں بلاشبہ بڑی بڑی املاک اور جاگیریں تھیں،

موبدانِ زرتشتی کی کلیسائی حکومت میں مراتب کا ایک سلسلہ تھا جو نہایت منظم اور مرتب تھا لیکن اس کے متعلق ہمارے پاس صحیح اطلاعات موجود نہیں ہیں، طائفۂ مجوس (جن کو مُغان یا مگوآن یا مگوگان لکھا جاتا ہے) پیشوایانِ مذہب میں کمتر درجے کے تھے لیکن تعداد میں کثیر تھے، بڑے بڑے آتشکدوں کے رئیس مُغان مُغ کہلاتے تھے (جس کو مگوآن مگو یا مگو مگوآن بھی لکھا جاتا ہے[۳])، ان سے اوپر کا طبقہ موبدوں (مگوپت) کا تھا،[۴] تمام سلطنتِ ایران کلیسائی اضلاع میں منقسم تھی جن میں سے ہر ایک ضلع ایک موبد کے ماتحت تھا، بہت سے نگینے آج موجود ہیں جن پر موبدوں کے نام اور تصویریں

---

۱ مطلب یہ کہ اُنھیں حفاظت کے لئے دیوار کی حاجت نہ تھی بلکہ ان کا تقدّس ان کا محافظ تھا،
۲ مارسیلینوس، ج ۲۳، ص ۶ س ۳۵، ۳ دیکھو مُہرہائے بافرگ وکواذ، بافرگ آتشِ آذرگشنسپ کا مُغان مُغ تھا، (آتشِ آذرگشنسپ کے متعلق دیکھو باب سوم)، ہرتسفلٹ: پای کُلی ص ۸۲، ۴ یونانی اور لاطینی مصنّف لفظ مگوس (Magos) سے بلاامتیاز مغ اور موبد دو نو مراد لیتے ہیں، برعکس اس کے عربی اور فارسی تصانیف میں لفظ موبد مذہب زرتشتی کے تمام کلیسائی مراتب پر حاوی ہے،

کھدی ہوئی ہیں مثلاً ایک نگینے پر خسرو شاذ ہرمز کے موبد پابگ کا نام لکھا ہوا ہے ایک پر ویذ شاپور موبدِ اردشیر خورہ کا، اسی طرح فرخ شاپور موبد ایران خورہ شاپور، بافرّگ موبدِ میشان وغیرہ،[1]

تمام موبدوں کا رئیس اعلیٰ جس کو زرتشتی دُنیا کا پوپ کہنا چاہیئے موبدان موبد تھا، تاریخ میں پہلی دفعہ اس کلیسائی عہدے کا ذکر وہاں آیا ہے جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ اردشیر اوّل نے ایک شخص جس کا نام شاید ماہ داذ تھا موبدان موبد مقرر کیا،[2] ممکن ہے کہ یہ عہدہ اس سے پہلے بھی موجود رہا ہو لیکن اس کی غیر معمولی اہمیت اُسی وقت سے ہوئی جب سے کہ مزدائیت کو حکومت کا مذہب قرار دیا گیا،

ماہ داذ کے علاوہ اور جو لوگ موبدان موبد کے عہدے پر سرفراز رہے ان میں سے ایک تو بہگ کا نام معلوم ہے دوسرے اس کا جانشین آذربذِ مہر سپندان تھا، یہ دونو شاپور دوم کے عہد میں تھے، اس کے بعد بہرام پنجم کے زمانے میں مہرورازا،[3] مہراگاویذ اور مہر شاپور تھے اور خسرو اوّل (انوشیروان) کے عہد میں آزاذ سذ موبدان موبد تھا،[4]

تمام امورِ کلیسائی کا نظم ونسق موبدان موبد کے ہاتھ میں تھا، دینیات اور عقائد کے نظری مسائل میں فتوے صادر کرنا اور مذہبی سیاسیات میں عملی معاملات کو طے کرنا اسی کا کام تھا، کلیسائی عہدہ داروں کو یقیناً وہی مقرر کرتا تھا اور وہی

---

[1] ہرٹسفلٹ: پای کُلی ص ۷۹ - ۸۱، [2] طبری ص ۸۱۶، کرسٹن سین (Acta Orientalia) ج ۱۰، ص ۴۹ - ۵۰، [3] بُندہشن (ترجمۂ ویسٹ باب ۳۳)، متن طبع انکلساریا ص ۲۳۶،
[4] "وقائع شہدائے ایران" (اقتباسات از Braun) ص ۲۱۳،

معزول کرتا تھا، دوسری طرف خود اس کا اپنا تقرر (جیسا کہ بہت سی علامات سے ظاہر ہے) بادشاہ کے اختیار میں تھا، جب کبھی ملک کے کسی حصے میں مروجہ مذہب کے خلاف مخالفت کا ہنگامہ برپا ہوتا تھا تو وہ تحقیقاتی کمیشن کے مقرر کرنے میں حکومت کے ساتھ تعاون کرتا تھا[1]، تمام مذہبی معاملات میں وہ بادشاہ کا مشیر ہوتا تھا[2] اور روحانی مرشد اور اخلاقی رہنما ہونے کی حیثیت سے سلطنت کے تمام معاملات میں وہ غیر معمولی طور پر اپنا اثر ڈال سکتا تھا[3]،

آتشکدوں میں مراسمِ نماز کا ادا کرانا جس کے لئے خاص علم اور عملی تجربے کی ضرورت تھی ہیربدوں سے متعلق تھا، ہیربد وہی لفظ ہے جو اوستا میں اَیْثْرَپایتی ہے، خوارزمی نے ہیربد کی تعریف "خادم النّار" کی ہے[4]، طبری نے لکھا ہے کہ خسرو دوم (پرویز) نے آتشکدے تعمیر کرائے جس میں اس نے بارہ ہزار ہیربد زمزمہ و مناجات کے لئے مقرر کیے[5]، ہیربد کے عہدے کی جو حرمت و توقیر ہوتی تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ ساتویں صدی میں جب عربوں نے فارس کو فتح کیا تو اس وقت اس صوبے کا حاکم ایک ہیربد تھا جو گویا دین و دنیا کی حکومت

۱؎ دیکھو باب ششم، ۲؎ طبری ص ۹۶۸، ۳؎ شاہنامۂ فردوسی میں موبد اور موبدان موبد جو اہم فرائض انجام دیتے ہیں وہ قابلِ توجہ ہیں، نیز دیکھو نہایہ (ص ۲۲۷ و ۲۴۰) جہاں موبدان موبد شاہ متوفّی کا وصیّت نامہ مرتب کرتا ہے اور پھر اس کے جانشین بیٹے کو پڑھ کر سناتا ہے، تاریخ کے خاص خاص زمانوں میں بادشاہ کے انتخاب میں موبدان موبد کو جو دخل تھا اس کے متعلق دیکھو باب ششم، طبری کے ایک مقام (ص ۸۶۲) سے پتہ چلتا ہے کہ موبدان موبد بادشاہ کے گناہوں کے اعتراف کی سماعت بھی کرتا تھا، ۴؎ مفاتیح العلوم، ص ۱۱۶، ۵؎ طبری ص ۱۰۴۱-۱۰۴۲ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تعداد بہت مبالغہ آمیز ہے، یعقوبی نے ہیربد کے معنی قیّم النّار بتلائے ہیں (طبع ہوتسما، ج ۱، ص ۲۰۲)، آگے چل کر معلوم ہوگا کہ بادشاہ کے سامنے آتشِ مقدس کے بجھنے کا اعلان ہیربذان ہیربذ ہی نے کیا تھا،

کا جامع تھا[1]،

ہیربدوں کا رئیس اعلیٰ، ہیربذان ہیربذ تھا جو کم از کم عہد ساسانی کے خاص خاص زمانوں میں موبدان موبد کے بعد سب سے بڑے صاحب منصبوں میں شمار ہوتا تھا[2]، ہیربذان ہیربذ جو تاریخ میں مذکور ہیں ان میں ایک تو تنسر ہے جو کلیسائے رسمی کی تنظیم میں اردشیر اوّل کا معاون تھا[3]، ایک زُروان داذ پسر مہر نرسی ہے جس کو بقول طبری "اس کے باپ نے مذہب و شریعت کے لئے وقف کر دیا تھا[4]"

طبری کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حاکم شریعت کے فرائض بھی ہیربذان ہیربذ انجام دیتا تھا اور مسعودی نے تو صاف صاف لکھا ہے کہ ہیربد بحیثیّت حکّامِ عدالت قانونی فیصلے صادر کیا کرتے تھے[5]،

کلیسائے زرتشتی کے دوسرے عہدہ دار جن کے فرائض کو ہم صحیح طور سے معیّن نہیں کرسکتے وَرْدَبذ (استادِ عمل)[6] اور دَستوَر تھے، دَستوَر غالباً مسائل مذہبی کے ماہر کو کہتے تھے گویا ایک طرح کا فقیہ جس کی طرف لوگ شریعت کے پیچیدہ مسائل کو حل کرانے کے لئے رجوع کرتے تھے[7]، ایک اور اعلیٰ عہدہ مُغان اندرزبد یا مگوگان اندرزبد (مُعلّمِ مُغان) کا تھا[8]،

۱؎ آتشکدوں کے متعلق جملہ تفاصیل دیکھو باب ششم میں، ۲؎ دیکھو ضمیمہ ۲، ۳؎ دین کرد طبع پشوتن سنجانا ص ۴۵۰، ۴۵۶، کرسٹن سین (Acta Orientalia) ج ۱۰، ص ۴۵-۴۷، نیز دیکھو آگے باب سوم، ۴؎ ص ۸۶۹، ۵؎ مروج الذہب ج ۲، ص ۱۵۶، ۶؎ بن وَنِشت (Benveniste) رسالہ "تبصرۂ مطالعات ارمنی" (بزبان فرانسیسی)، ج ۹، ص ۱۰، ۷؎ اردشیر اوّل نے اوستا کے متن کو معیّن کرانے کے لئے سلطنت کے تمام "دستوروں" اور "موبدوں" کو جمع کیا تھا، بعض وقت لفظ "دستور" عام معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا اطلاق جماعت علماء زرتشتی کے تمام افراد پر ہوتا ہے، ۸؎ ایلیزے، دیکھو ہیوبشمن (ارمنی گرامر ج ۱، ص ۹۹) ہوفمن ص ۵۰-۵۱ (دِہ بِناد مگوگان اندرزبد) "مَسِ مُغان" یعنی رئیس مغان کا ایک عہدہ عربوں کی فتح کے وقت دماوند میں تھا اور اسلامی زمانے میں ڈیڑھ سو برس تک قائم رہا، لیکن یہ عہدہ ساسانیوں کے آخری زمانے

یہ مذہبی عہدہ دار عامۃ الناس کے ساتھ اپنے تعلقات میں جو فرائض انجام دیتے تھے وہ متعدد اور مختلف تھے مثلاً مراسم تطہیر کا ادا کرانا، گناہوں کے اعترافات کو سُننا اور ان کو معاف کرنا، کفاروں کا تجویز کرنا، ولادت کی مقررہ رسوم کا انجام دلوانا، رشتۂ مقدس یعنی زُنار (کُستیک) کا باندھنا، شادی اور جنازہ[1] اور مختلف مذہبی تہواروں کے مراسم کی نگرانی وغیرہ، اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ کس طرح مذہب روزانہ زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے واقعات میں بھی مداخلت کرتا تھا اور یہ کہ ہر شخص دن اور رات میں کتنی دفعہ ذرا سی غفلت پر گناہ اور نجاست میں پکڑا جاتا تھا تو معلوم ہوگا کہ مذہبی عہدہ کوئی بے کام کی نوکری نہ تھی، حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص جس کو بزرگوں سے کوئی مال یا جائداد ترکے میں نہ ملی ہو مذہبی پیشہ اختیار کرکے اپنے متفرق مشاغل کی بدولت بآسانی صاحب ثروت بن سکتا تھا،[2] ان مذہبی عہدہ داروں پر واجب تھا کہ دن میں چار دفعہ آفتاب کی پرستش کریں، اس کے علاوہ چاند اور آگ اور پانی کی پرستش بھی ان پر فرض تھی، ان کے لئے ضروری تھا کہ سونے اور جاگنے اور نہانے اور زنار باندھنے اور کھانے اور چھینکنے اور بال یا ناخن ترشوانے اور قضائے حاجت اور چراغ جلانے کے وقت خاص خاص دعائیں پڑھیں، اُنھیں حکم تھا کہ اُن کے گھر کے چولھے میں آگ کبھی بجھنے نہ پائے، آگ اور پانی ایک دوسرے کو چھونے نہ پائیں، دھات کے برتنوں پر کبھی زنگ نہ آنے پائے کیونکہ دھاتیں مقدس ہیں، جو شخص کسی میت یا ..... یا زچّہ کو (خصوصاً جس نے مردہ بچّہ جنا ہو) چھو جائے اس کی ناپاکی کو دور کرنے

---

[1] مُردوں کو دخموں میں لے جاکر چھوڑ آنے کے متعلق ہم اوپر لکھ چکے ہیں (ص ۳۸-۳۹)

[2] دین کرد، ج ۸، ۲۰، ۴۴،

کے لئے جو رسوم و قواعد تھے ان کا پورا کرنا حد سے زیادہ پُرزحمت اور تھکا دینے والا تھا، اڑوگ وِیراز نے جو بہت بڑا صاحبِ کشف تھا جب عالمِ رؤیا میں دوزخ کو دیکھا تو وہاں قاتلوں اور جھوٹی قسم کھانے والوں اور . . . کرنے والوں اور دوسرے مجرموں کے علاوہ ایسے لوگ بھی دیکھے جن کا گناہ یہ تھا کہ اُنھوں نے زندگی میں گرم پانی سے غسل کیا تھا یا پانی اور آگ میں ناپاک چیزیں پھینکی تھیں یا کھانا کھانے میں باتیں کی تھیں یا مُردوں پر روئے تھے یا بے جوتوں کے پیدل چلے تھے،

ان مذہبی پیشواؤں کے رتبے اور مقام کے متعلق جملہ تفاصیل کتاب ہیربذستان (قانون نامۂ کلیسائی) اور نیرنگستان (قوانین رسوم مذہبی) میں مسطور ہیں، یہ دونو کتابیں ہُسپارم نسک کے دو باب ہیں جو ساسانی اوستا کی گم شدہ جلدوں میں سے ایک ہے[1]، ہیربذستان میں منجملہ اور باتوں کے علمار مذہب کو دیہات و قصبات میں مذہبی تعلیم دینے اور مراسم عبادت ادا کرانے کی غرض سے بھیجنے کے مسئلے پر بحث ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اُن کو اپنی غیر حاضری میں اپنی زمین کی کاشت کا کیا انتظام کرنا چاہیئے، پھر اس بات پر بحث ہے کہ خاص حالات کے اندر مراسم عبادت میں امداد کے لئے کسی عورت یا بچّے کی خدمات سے کیونکر مستفید ہونا چاہیئے وغیرہ وغیرہ، ہُسپارم نسک کے ایک اور باب میں اس امر پر بحث ہے کہ زَوتر کو (جو آتشکدہ میں آگ کے روبرو نماز ادا کرانے کا پیش امام ہوتا ہے[2]) کیا اجرت دینی چاہیئے، اس کے علاوہ اسی قسم کے دوسرے کلیسائی مراسم پر بحث ہے[3]، دیہات میں کسانوں پر یہ بات واجب کی گئی تھی کہ معلّم مذہب کو کھلانے پلانے اور اس کی باقی تمام ضروریات کے

[1] ان کا خلاصہ دینکرد (۸، ۲۸) میں دیا ہے، دونوں بابوں کا کچھ حصہ آج بھی باقی ہے، نیرنگستان (چھاپ نولو زنکو) بتصحیح داراب دستور پشوتن سنجانا (بمبئی ۱۸۹۴ء)، ترجمہ انگریزی از بلسارا (بمبئی ۱۹۱۵ء)،

کفیل ہوں[1]،

پیشوایانِ مذہب کا صرف یہی فرض نہیں تھا کہ وہ مراسم کو ادا کرائیں بلکہ لوگوں کی اخلاقی رہنمائی اور روحانی حکومت بھی ان کے ذمّے تھی، اور پھر تعلیمات کا سارا سلسلہ (ابتدائی درجے سے لے کر اعلیٰ درجے تک) ان علماء مذہب ہی کے ہاتھ میں تھا کیونکہ صرف یہی لوگ تھے جو علوم زمانہ کے تمام شعبوں پر حاوی تھے، کتبِ مقدّسہ اور ان کی تفاسیر کے علاوہ غالباً ایک کافی تعداد شریعت اور دینیات کی کتابوں کی موجود ہوگی، ایلیزے[2] نے ایک موبد کا ذکر کیا ہے جس کو علوم دینی میں تبحّر کی وجہ سے ہمگ دین (مذہب میں عالم کامل[3]) کا پُرتوقیر لقب دیا گیا تھا، اس نے قانون کی وہ پانچ کتابیں پڑھی تھیں جن میں مُغوں کے تمام عقاید درج ہیں یعنی اَنپرتک اَش[4]، بوزتپیت[5]، پہلوبگ (مجموعۂ قوانین پہلوی)، پارسیک دین (مذہب پارسی) اور ان کے علاوہ موبدوں کے مخصوص عقاید کا بھی وہ عالم تھا،

اس کتاب کے باب ششم میں ہم موبدوں کے عدالتی فرائض پر بحث کرینگے،

———— : ————

[1] دین کرد (۹، ۴۱، ۱۶)، [2] Elisee ، [3] علاّمہ کا مترادف (مترجم)؛ [4] یہ ارمنی شکل ہے جس کی تہ میں شاید پہلوی لفظ امبژدکیش چھپا ہو جس کے معنی کم و بیش "عقاید دینی کا کامل مجموعہ" ہونگے، [5] پہلوی بزپتیت بمعنی "کردہ گناہوں کا اعتراف" — گناہوں کے اعتراف کا دستور عہد ساسانی کی بدعت تھی جو بظاہر عیسائیت یا مانویّت کے اثر میں پیدا ہوئی، دیکھو پٹازونی (Pettazzoni) کا مضمون در "یادگار نامۂ مودی (Modi Memorial Volume)" ص ۴۳۷ ببعد،

مالیّات

واستریوشان سالار صاحب الخراج کو کہتے تھے[۱]، لفظ واستریوشان سالار یا واستریوش بذ کے معنے "رئیسِ کاشتکاران" کے ہیں، چونکہ خراج کا سارا بوجھ زراعت پر تھا اور لگان کی شرح ہر ضلع کی اچھی یا بُری کاشتکاری اور زرخیزی پر موقوف تھی لہذا یقیناً واستریوشان سالار پر یہ واجب تھا کہ زمینوں کے جوتنے بونے اور آب پاشی کے انتظام کی نگرانی کرے، اغلب یہ ہے کہ واستریوشان سالار محکمۂ مالیّات کا رئیس اعلےٰ تھا اور ہم یہ بھی فرض کر سکتے ہیں کہ نہ صرف خراج بلکہ شخصی ٹیکس کا وصول کرنا بھی اسی کے ذمّے تھا اس لئے کہ اس کو ہُتُخش بذ (دستکاروں کا افسر) بھی کہتے تھے اور دستکاروں میں وہ سب لوگ شامل تھے جو ہاتھ کی محنت سے روزی کماتے تھے مثلاً غلام، کسان، تاجر وغیرہم، خلاصہ یہ ہے کہ واستریوشان سالار وزیر مالیّات بھی تھا وزیر زراعت بھی اور وزیر صنعت و تجارت بھی[۲]،

واستریوشان سالاروں میں سے جو تاریخ میں مذکور ہیں ایک نوگشنسپ آذار[۳] ہے جو بہرام پنجم کی تخت نشینی سے پہلے گزرا ہے[۴]، ایک ماہ گُشنسپ پسر مہرنرسی ہے اور ایک یزدین ہے جو مذہباً عیسائی تھا اور خسرو دوم (پرویز) کے عہد میں تھا[۵]،

محکمۂ مالیات کے اعلیٰ افسروں میں ایک نو آمار کار تھے جن کو کلکٹر یا محاسبینِ اعلیٰ کہنا چاہیئے، ایک اعلیٰ عہدہ ایران آمارکار کا تھا جو غالباً وزرگ فرماذار کا قائم مقام

[۱] طبری ص ۸۶۹، ہرتسفلٹ: پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۲۷۴)، [۲] دینوری ص ۵۷،
[۳] طبری ص ۸۶۹، [۵] طبری ص ۱۰۶۰،

تھا[۱] لیکن ہم اس بات کو ٹھیک ٹھیک نہیں بتلا سکتے کہ واستریوشان سالار کے مقابلے پر اس کے فرائض منصبی کیا تھے، پھر ایک عہدہ درآمارکار کا تھا (یعنی دربار یا محلّ شاہی کا محاسب اعلیٰ[۲])، ایک واسپُہران آمارکار تھا جو واسپُہروں کی جاگیروں سے سرکاری لگان وصول کرتا تھا[۳] اور ایک شہرو آمارکار تھا جو غالباً صوبجات کی حکومت کا محاسب تھا[۴]، ایک عہدہ آذربذگان آمارکار بھی سننے میں آیا ہے جو صوبۂ آذربائجان کا محصّل تھا[۵]،

بادشاہ کا خزانچی غالباً گنزور[۶] کہلاتا تھا، ہرتسفلٹ کا خیال ہے کہ ٹکسال کے محافظ کو گنبذ کہتے تھے[۷]،

گورنمنٹ کی آمدنی کے بڑے بڑے ذرائع خراج اور شخصی ٹیکس تھے[۸]، شخصی ٹیکس کی ایک خاص رقم سالانہ مقرّر ہو جاتی تھی جس کو محکمۂ مالیّات مناسب طریقے

---

[۱] دیکھو ضمیمہ ۲ کا آخری حصّہ، [۲] ہرتسفلٹ: پای گلی، ص ۸۰ - ۸۱، [۳] ایضاً. فرہنگ (نمبر ۵۰-۵۱) [۴] ایضاً. فرہنگ (نمبر ۴۳۸)، [۵] پاخوموف (Pachomov) و نیبرگ (Nyberg) در "رسالۂ انجمن علمی آذربائجانی" (بزبان فرانسیسی)، ص ۲۶ - ۳۴، [۶] ہیوبشمن، ارمنی گرامر ج ۱، ص ۱۲۶، [۷] پای گلی، (فرہنگ نمبر ۲۴۷)، [۸] عربوں کے عہد حکومت میں خراج اور جزیہ کے لفظ استعمال ہوتے تھے جن میں سے پہلا تو پہلوی لفظ خراگ اور دوسرا لفظ گزیت ہے جو آرامی سے پہلوی میں مستعار لیا گیا تھا، دیکھو نولڈکہ (ترجمہ طبری ص ۲۴۱، ح ۱)، اسلام کی پہلی صدی میں یہ دو نو لفظ بلا امتیاز کبھی زمین کے لگان کے لئے اور کبھی شخصی ٹیکس کے لئے استعمال ہوتے تھے، نولڈکہ نے ایک پرائیویٹ خط میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں قانونِ دیوانی میں اُس رقم کو بھی خراج کہتے تھے جو ایک پیشہ ور غلام اپنی آمدنی میں سے اپنے آقا کو دیتا تھا، تلمود میں لفظ خرگا شخصی ٹیکس کے معنوں میں آیا ہے، غرض یہ کہ عہد ساسانی میں ان دو لفظوں کا الگ الگ استعمال ہم ٹھیک طور پر معیّن نہیں کر سکتے، آٹھویں صدی عیسوی کے نصفِ اوّل میں جاکر عربوں نے ان دو اصطلاحوں کے معنی معیّن کئے یعنی خراج زمین کا ٹیکس اور جزیہ شخصی ٹیکس، (دیکھو ویلہاؤزن (Wellhausen)، "سلطنتِ عرب" ص ۱۷۳ و ۲۹۹، نیز بیکر (Bekker) "تاریخ مصر" ص ۸۷ و ۱۱۰)؛

سے ادا کنندگان پر تقسیم کر دیتا تھا، خراج کی وصولی اس طرح ہوتی تھی کہ زمین کی پیداوار کا حساب لگا کر ہر ضلع سے اس کی زرخیزی کے مطابق چھٹے حصّے سے ایک تہائی تک لے لیا جاتا تھا[1]،

باایں ہمہ خراج اور ٹیکس کے لگانے اور وصول کرنے میں محصّلین خیانت اور استحصال بالجبر کے مرتکب ہوتے تھے، اور چونکہ قاعدۂ مذکور کے مطابق مالیّات کی رقم سال بسال مختلف ہوتی رہتی تھی یہ ممکن نہ تھا کہ سال کے شروع میں آمدنی اور خرچ کا تخمینہ ہو سکے، علاوہ اس کے ان چیزوں کو ضبط میں رکھنا بھی بہت مشکل تھا، بسا اوقات نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اِدھر تو جنگ چھڑ گئی اور اُدھر روپیہ ندارد، ایسی حالت میں پھر غیر معمولی ٹیکسوں کا لگانا ضروری ہو جاتا تھا اور تقریباً ہمیشہ اس کی زد مغرب کے مالدار صوبوں خصوصاً بابل پر پڑتی تھی،

تاریخ میں اکثر اس بات کا ذکر آتا ہے کہ بادشاہ نے اپنی تخت نشینی پر پچھلے خراج کا بقایا معاف کر دیا، نئے بادشاہ کے لئے یہ بات ہر دلعزیزی کا باعث ہوتی تھی، بہرام پنجم نے اپنی تخت نشینی کے موقع پر حکم دیا تھا کہ مالیات کا بقایا جو سات کروڑ درہم کی خطیر رقم بنتی تھی معاف کر دیا جائے اور اس کے سال جلوس کا خراج بھی بقدر ایک تہائی کے کم کر دیا جائے[2]، شاہ پیروز نے قحط کے زمانے میں اپنی رعایا کو خراج اور جزیہ اور خیراتی ٹیکس (جو رفاہِ عام کے کاموں کے لئے لیا جاتا تھا) اور بیگار اور تمام دوسرے بوجھ بار معاف کر دئے تھے[3]،

---

[1] یا بقول دینوری (ص ۷۲) پیداوار کے دسویں حصّے سے نصف تک، گاؤں یا شہر کے کم یا زیادہ فاصلے کو بھی حساب میں لایا جاتا تھا، [2] طبری ص ۸۶۶،

[3] طبری ص ۸۷۴،

باقاعدہ ٹیکسوں کے علاوہ رعایا سے نذرانے لینے کا بھی دستور تھا جس کو آئین کہتے تھے، اسی آئین کے مطابق عید نوروز اور مہرگان کے موقعوں پر لوگوں سے جبراً تحائف وصول کئے جاتے تھے[۱] خزانۂ شاہی کے ذرائع آمدنی میں سے ہمارا خیال ہے کہ سب سے اہم ذریعہ جاگیرہائے خالصہ کی آمدنی اور وہ ذرائع تھے جو بادشاہ کے لئے حقوقِ خسروی کے طور پر مخصوص تھے مثلاً فارنگیون (علاقۂ آرمینیہ) کی سونے کی کانوں کی ساری آمدنی بادشاہ کی ذاتی آمدنی تھی[۲]، ان کے علاوہ مالِ غنیمت بھی ایک ذریعہ آمدنی کا تھا اگرچہ وہ آمدنی غیر معیّن اور بے قاعدہ تھی، خسرو دوم اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے[۳] اُن اشیا کی فہرست بیان کرتا ہے جو اس نے جنگ میں غنیمت کے طور پر حاصل کیں، اس فہرست میں سونا اور چاندی اور جواہرات اور پیتل اور فولاد اور ریشم اور اطلس اور دیبا اور مویشی اور اسلحہ اور عورتیں اور بچے اور مرد جو گرفتار ہوکر آئے وغیرہ وغیرہ تھے،

اس بات کا ثبوت کہ اس زمانے میں محصولِ درآمد بھی لیا جاتا تھا ہم کو اُس صلح نامہ کی شرائط سے ملتا ہے جو ۵۶۲ء میں خسرو اوّل (انوشیروان) اور قیصر جسٹینین[۴] کے درمیان طے ہوا، اس صلح نامے کی دفعہ ۳ میں یہ قرار پایا کہ ایرانی اور رومی تاجر ہر قسم کا مالِ تجارت اسی طرح لاتے اور لیجاتے رہیں جیسا کہ وہ ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں لیکن چاہئے کہ کُل مالِ تجارت محصول خانوں میں سے ہوکر جائے اور دفعہ ۴

---

[۱] فان فلوٹن (Van Vloten): "حکومت عرب پر تحقیقات" (بزبان فرانسیسی) ص ۹، تحفے تحائف پیش کرنے کی رسم اس وقت بھی ایران میں جاری ہے، دیکھو کرزن کی کتاب "ایران" جس میں جابجا اس کا ذکر پایا جاتا ہے، گرین فیلڈ (Greenfield): "تنظیمِ دولتِ ایرانی" (جرمن) برلن ۱۹۰۴ء، ص ۳۴۶، عید نوروز و مہرگان کے متعلق دیکھو باب سوم، [۲] پروکوپیوس، ج ۱، ص ۱۵، [۳] اس کی تفصیل کے لئے دیکھو باب نہم، [۴] (Justinian)

میں یہ شرط لکھی گئی کہ فریقین کے سفیر اور سرکاری قاصد اس بات کے مجاز ہوں کہ جب وہ فریق ثانی کے ملک میں وارد ہوں تو ڈاک کے گھوڑوں کو سواری کے لئے استعمال کرسکیں اور ان کے ہمراہ خواہ کتنا ہی مال کیوں نہ ہو اس کو بلا رکاوٹ جانے دیا جائے اور اس پر کوئی محصول نہ لیا جائے [1]،

سلطنت کے مصارف کی بڑی بڑی مدّوں میں ایک تو جنگ تھی دوسرے دربار کے اخراجات تیسرے سرکاری ملازموں کی تنخواہیں گویا حکومت کی کل کو باقاعدہ چلانے کا خرچ، چوتھے زراعت کے لئے رفاہ عام کے کام مثلاً نہروں اور بندوں کی تعمیر اور ان کی نگہداشت کے اخراجات وغیرہ، لیکن رفاہ عام کے کاموں سے جن صوبوں کی آبادی کو خاص طور سے فائدہ پہنچتا تھا ان لوگوں سے ان کاموں کے لئے چندہ لیا جاتا تھا اور شاید یوں بھی بالعموم لوگوں سے ایسی تعمیرات کے لئے خاص مالیہ وصول کیا جاتا تھا، مالیات کا بقایا معاف کرنے کے علاوہ بعض اوقات غربا کو نقد روپیہ بھی تقسیم کیا جاتا تھا جیساکہ مثلاً بہرام پنجم اور پیروز نے کیا [2]، بہرام نہ صرف غربا کو خیرات تقسیم کرتا تھا بلکہ اس کی بخششوں سے امراء و نجباء بھی بہرہ مند ہوتے تھے جن کو اس نے دو کروڑ درہم انعام و اکرام کے طور پر دیئے، لیکن پبلک کے فائدے کے لئے جتنا روپیہ شاہی خزانے سے خرچ ہوتا تھا وہ کچھ زیادہ نہ تھا، شاہان ایران کے ہاں ہمیشہ یہ دستور رہا کہ جہاں تک ممکن ہوتا اپنے خزانے میں نقد روپیہ اور قیمتی اشیاء جمع کرتے تھے،

---

[1] دیکھو گرے (Gray) کا مضمون مودی کے "یادگار نامے" میں (ص ۹۸؛)، نیز "استقلال گمرک ایران" تالیف رضا صفی نیا (طہران ۱۳۰۷ھ ہجری شمسی)، ص ۹۹ - ۱۰۲،

[2] طبری ص ۸۶۶، ۸۷۳،

ارمنی مؤرخوں کے بیان کے مطابق جب نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا تھا تو خزانے میں جتنا روپیہ موجود ہوتا اس کو گلا دیا جاتا تھا اور پھر نئے بادشاہ کی تصویر کے ساتھ نئے سکے بنائے جاتے تھے، اسی طرح جس قدر سندیں پرانے کاغذات میں محفوظ ہوتی تھیں ان میں ضروری تبدیلیاں کر کے نئے بادشاہ کے نام سے ان کو دوبارہ نقل کر کے رکھا جاتا تھا[۱]،

صنعت و حرفت۔ تجارت اور آمد و رفت کے راستے

مشہور چینی سیاح ہیوئن سیانگ جس نے ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں مغربی ایشیا کے ملکوں کی حالت بیان کی ہے نہایت مختصر الفاظ میں ایران کی صنعت و حرفت کے بارے میں لکھتا ہے کہ "اس ملک کی صنعتی پیداوار میں سونے، چاندی، تانبے اور بلّور کی بنی ہوئی چیزیں، نایاب قسم کے موتی اور دوسری مختلف قسم کی قیمتی اشیا ہیں، یہاں کے صنّاع ریشم کا نہایت باریک دیبا، اونی کپڑے اور قالین وغیرہ بُن سکتے ہیں[۲]"۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پارچہ بافی ایران کی عمدہ صنعتوں میں سے شمار ہوتی رہی ہے؛

نئی قسم کی صنعتوں کو رائج کرنے کے لئے اور بنجر علاقوں کو آباد کرنے کی غرض سے ایران میں یہ دستور رہا ہے کہ ملک کے مختلف حصّوں میں اسیرانِ جنگ کی نئی بستیاں

---

[۱] پاتکانیان: "مجلّۂ آسیائی" (J. A.) ۱۸۶۶ء، ج ۱، ص ۱۱۳،

[۲] انگریزی ترجمہ سفرنامہ ہیون سیانگ از بیل (Beal)، ص ۲۷۸،

آباد کی جاتی تھیں، مثلاً داریوش اوّل نے اری ٹریا [۱] کے بہت سے باشندوں کو خوزستان میں لا کر آباد کیا تھا [۲] اور شاہ اورو ڈیس [۳] نے رومن قیدیوں کی بستیاں مرو کے نواح میں بسائی تھیں، اسی طرح شاپور اوّل نے رومن قیدیوں کو جندیشاپور میں آباد کیا اور فن انجنیری میں ان کی مہارت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن سے وہ مشہور بند تعمیر کرایا جو تاریخ میں "بندِ قیصر" کے نام سے مذکور ہے [۴]، شاپور دوم نے جو قیدی آمِد میں گرفتار کئے تھے انہیں شوش، شوشتر اور اہواز کے دوسرے شہروں میں تقسیم کر دیا جہاں اُنھوں نے دیبا اور دوسرے ریشمی کپڑے بُننے کی صنعت کو رائج کیا [۵]، اگرچہ بسا اوقات اس قسم کی بستیاں تھوڑی مدت کے بعد ویران ہو جاتی تھیں لیکن کبھی کبھی ان کی آبادی پائدار بھی ثابت ہوتی تھی [۶]،

خشکی کے راستے سے جو تجارت ہوتی تھی اس کے لئے قدیم کاروانی راستے استعمال کئے جاتے تھے، طیسفون سے جو دجلہ کے کنارے پر سلطنت کا پایہ تخت تھا ایک شاہراہ حلوان اور کنگاور ہوتی ہوئی ہمدان پہنچتی تھی جہاں سے مختلف راستے مختلف سمتوں کو جاتے تھے، ایک جنوب کو جو خوزستان اور فارس میں سے گزرتا ہوا خلیج فارس تک پہنچتا تھا، دوسرا رَے کو (جو طہرانِ جدید کے قریب واقع تھا) جہاں سے وہ گیلان اور کوہستانِ البرز کی تنگ گھاٹیوں کو طے کرتا ہوا بحر خزر تک جاتا تھا یا خراسان میں سے گزر کر وادی کابل کی راہ سے ہندوستان میں جا داخل ہوتا تھا یا ترکستان اور گذرگاہِ تارم میں سے ہو کر چین پہنچ جاتا تھا،

---

[۱] (Eretria) مشرقی یونان میں ایک نہایت آباد شہر تھا، داریوش اوّل نے ۴۹۰ سنہ قبل مسیح میں اُسے فتح کر کے ویران کر دیا تھا اور اس کے اکثر باشندوں کو غلام بنا لیا تھا (مترجم)، [۲] ہیرو ڈوٹس، ج ۶ ص ۱۱۹،
[۳] Orodes، [۴] نولڈکہ: ترجمہ طبری ص ۳۳ ح ۲، [۵] مسعودی: مروج الذہب ج ۲ ص ۱۸۶،

رومن امپائر کی طرف آمد و رفت کے لئے شہر نصیبین ایک اہم مرکز تھا، سنہ ۲۹۸ء میں جو صلحنامہ شاہ نرسی اور قیصر ڈائیوکلیشین[1] کے درمیان طے ہُوا اس کی ایک شرط یہ تھی کہ دونو سلطنتوں کے درمیان آمد و رفت کا (واحد) مرکز نصیبین ہو، لیکن صلحنامے کی اس شرط کو نرسی نے منظور نہ کیا، مؤرّخ مارسیلینوس کے زمانے سے شہر بٹنی[2] میں جو فرات کے مشرقی کنارے کے قریب واقع تھا ہر سال ستمبر کے شروع میں ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا جس میں ہندوستان اور چین کا مال تجارت بکثرت آکر فروخت ہوتا تھا[3]، قیصر ہونوریوس[4] اور تھیوڈوسیوس صغیر[5] کے ایک فرمان مجریہ سنہ ۴۱۰ء کی رُو سے جن شہروں میں ایرانیوں کے ساتھ تجارتی لین دین کی اجازت تھی اُن میں سے ایک تو مشرق میں دجلہ کی جانب شہر نصیبین تھا اور مغرب میں فرات کی جانب شہر کیلی نیکوس[6] اور شمال کی طرف آرمینیہ میں شہر ارٹکساٹا[7]، چونکہ نصیبین اور سنگارا (سنجار) کے باشندے ان شہروں کو خالی کر گئے تھے لہذا سنہ ۳۶۳ء کے صلحنامے کی رُو سے وہ سلطنت روم کے حوالے کر دیے گئے تھے[8]؛

سمندر کے راستے کی تجارت بہت اہم تھی، اردشیر اوّل نے جب میسین اور خاراسین[9] پر قبضہ کیا تو وہاں کی قدیم بندرگاہوں کی توسیع کی اور نئی بندرگاہیں تعمیر کرائیں، رینو[10] لکھتا ہے کہ "ایرانیوں نے عربوں کے ساتھ مل کر جبکہ وہ اپنے

[1] (Diocletian) [2] (Batnæ) [3] تاریخ مارسیلینوس، ج ۱۴ ص ۳،
[4] (Honorius)، [5] Theodosius the Younger [6] Callinicus
[7] Artaxata، دیکھو موسیو رینو کی کتاب موسوم بہ "مشرقی ایشیا کے ساتھ سلطنت روم کے سیاسی اور تجارتی تعلقات" (بزبان فرانسیسی)، سنہ ۱۸۶۳ء ص ۲۶۷،
[8] مارسیلینوس، ج ۱۵، ص ۷، [9] میسین اور خاراسین دو چھوٹے چھوٹے صوبے تھے جو ساحل خلیج فارس پر شط العرب کے نواح میں واقع تھے (مترجم) [10] Reinaud

حسنِ تدبیر سے اُن کے ساتھ متّحد ہو کر حکومت کر رہے تھے رفتہ رفتہ جہازوں کا ایک معقول بیڑا تعمیر کر لیا، ایرانی جہاز مشرقی سمندروں میں یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے گئے، شروع شروع میں تو رومی اور حبشی جہازوں کے ساتھ رقابت رہی لیکن آخر میں ایرانیوں کی بحری طاقت کو غلبہ ہو گیا، منجملہ اور وجوہات کے ایرانیوں کا یہ بحری غلبہ اس بات کا باعث ہُوا کہ مشرقی سمندروں میں روم کی طاقت پہلے تو زوال پذیر ہوئی اور پھر بالکل نابود ہو گئی[1]۔ ۵۲۳ء میں جب شاہ حبشہ نے اہل حجاز پر حملہ کیا تو علاوہ سات سَو ہلکی کشتیوں کے جو اس نے تعمیر کرائیں چھ سَو رومی اور ایرانی جہاز اس کے ہمراہ تھے، لیکن ہندوستان اور لنکا کی پیداوار کو اہلِ روم کے لئے اُس زمانے میں حبشی جہاز لاتے تھے[2]،

مالِ تجارت جو ایران میں سے ہو کر گزرتا تھا اس میں سب سے اہم چیز ریشم تھی[3]، چین سے جتنا ریشم اس طور پر ایران میں وارد ہوتا تھا اہل ایران اُس کا بہت بڑا حصّہ کپڑا بُننے کے لئے خود رکھ لیتے تھے اور اِس طرح ان کے لئے ہمیشہ یہ بات ممکن ہو جاتی تھی کہ ممالک مغرب میں اپنے ہاں کا بنا ہُوا ریشمی کپڑا جس قیمت پر چاہیں فروخت کریں، لیکن چھٹی صدی سے اہل روم نے اپنے ہاں کامیابی کے ساتھ شہتوت کی کاشت اور ریشم کے کیڑے کی پرورش شروع کر دی اور ریشمی کپڑا خود بُننے لگے جس کی وجہ سے کسی حد تک وہ باہر سے ریشم منگوانے سے بے نیاز

---

[1] رینو، کتاب مذکور ص ۲۴۱، ۲۹۲، نیز اسی مصنف کا مضمون بہ عنوان "مملکت ہای میسین اور خاراسین پر یادداشت" (روئداد فرنچ انسٹیٹیوٹ ... ج ۲۴ ب ص ۱۵۵ ابعد)، اور شیڈر (Schæder) کا مضمون "حسن بصری" در رسالۂ اسلام (جرمن) ج ۱۴ ص ۱۱ ابعد [2] رینو، کتاب مذکور ص ۲۶۹، [3] یوسٹی (Justi) در گرُنڈرس (ج ۲ ص ۴۷۷ ح ۱)،

ہو گئے، ترکوں نے اہلِ سغد کی تحریک سے جو ان کی رعایا تھے خسرو اوّل سے اس بات کی اجازت حاصل کرنی چاہی کہ ان کے ہاں کے ریشم کو ایران میں سے گزرنے دیا جائے لیکن اُنھیں کامیابی نہ ہوئی[1]،

اہل چین جو چیزیں ایران سے خریدتے تھے ان میں سے ایک ایران کا مشہور غازہ تھا جو چین کی عورتیں بھوؤں پر لگاتی تھیں، وہ اس کو بہت مہنگی قیمت پر لیتے تھے اور ملکۂ چین اپنے خاص استعمال کے لئے اس کو منگاتی تھی[2]، چینی لوگ بابل کے قالین بھی بہت شوق سے خریدتے تھے[3]، ان چیزوں کے علاوہ شام کے قیمتی پتھر (قدرتی اور مصنوعی)، بحر قلزم کے مرجان اور موتی، شام اور مصر کے بنے ہوئے کپڑے اور مغربی ایشیا کے مسکرات بھی چین میں ایران کے راستے سے جاتے تھے[4]،

ڈاک کا انتظام جو خلفائے نے ایران سے حاصل کیا وہ تقریباً اُسی شکل میں تھا جو عہد ہخامنشی میں تھی اور جس کا علم ہمیں یونانی مصنّفوں کے ذریعے سے ہؤا ہے، ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ساسانیوں کے زمانے میں بھی اس انتظام کی بالکل وہی صورت تھی، محکمۂ ڈاک صرف گورنمنٹ کی خدمت انجام دیتا تھا اور پبلک کے ساتھ اسے کوئی واسطہ نہ تھا، اس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ مرکزی حکومت اور صوبوں کی حکومت کے درمیان ایک سریع اور آسان ذریعۂ خبر رسانی کا کام دے، ڈاک کے ذریعے سے آدمیوں کو اور خطوط کو ایسے راستوں سے لیجایا جاتا تھا

[1] ہرٹسفلٹ کی کتاب موسوم بہ "ایشیا کا دروازہ" (جرمن) ص ۱۲۲، شیڈر: "ایرانیکا" ص ۱۴ بعد،
[2] ہرٹ (Hirth)، "مطالعات چینی" ص ۲۳۵ ببعد، [3] ایضاً: "چین و مشرق رومی" (انگریزی) ص ۲۵۳، [4] ایضاً ص ۲۳۴ - ۲۷۹،

جہاں ہر قسم کا سامان مہیّا ملتا تھا۔ ڈاک کی ہر چوکی پر اس کی اہمیت کے مطابق ملازموں کا عملہ اور گھوڑے مامور رہتے تھے[1]، ڈاک لے جانے کا کام گھوڑوں کے سوار بھی کرتے تھے اور ہر کارے بھی جو پیدل دوڑتے تھے، ہر کاروں سے زیادہ تر ایرانی علاقوں میں کام لیا جاتا تھا جہاں چوکیوں کے درمیان فاصلے بہت تھوڑے تھوڑے ہوتے تھے بہ نسبت شامی اور عربی علاقوں کے جہاں ڈاک لے جانے کا کام اونٹوں سے لیا جاتا تھا[2]، ایو بریذ، دو بریذ، سہ بریذ پہلوی میں ڈاک کی اصطلاحات تھیں جن سے مراد قاصدانِ تیز رفتار تھے جو شاہی ڈاک کے ایک یا دو یا تین گھوڑوں کو ایک ساتھ لے جا سکتے تھے[3] اور باری باری سے اُن پر سوار ہوتے تھے،

---

[1] "بگدیس پانیگ" بزبان پہلوی وہ گھوڑا جس پر شاہی قاصد سوار ہوتا ہو، دیکھو پہلوی کتاب "شاہ خسرو اور اس کا غلام" (طبع اون والا، آرٹیکل ۹۹ اور اس پر اڈیٹر کا نوٹ)،

[2] فان کریمر: "تاریخ تمدن مشرقی در عہد خلفاء" (جرمن) ج ۱، ص ۱۹۵-۱۹۶، اس اس بات کو تحقیق کرنا ممکن نہیں ہو سکا کہ آیا محکمہ ڈاک کے ڈائرکٹروں کے ذمے یہ فرض بھی تھا (جیسا کہ خلفاء کے زمانے میں تھا) کہ وہ صوبجات کی حکومت کی نگرانی کریں اور بادشاہ کو اپنی رپورٹ بھیجتے رہیں، اس قسم کی نگرانی جو کم و بیش خفیہ ہوتی تھی کم از کم بعض زمانوں میں اضلاع کے حکامِ عدالت کے ذمے لگائی جاتی رہی ہے لیکن یہ بعید نہیں ہے کہ خفیہ قسم کی نگرانی اور اور شکلوں میں موجود رہی ہو، ایران میں ہمیشہ سے جاسوسی نہایت منظم شکل میں رائج رہی ہے، نامۂ تنسر (طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۲۶) سے پتہ چلتا ہے کہ خسرو اوّل کے زمانے میں امرا خفیہ نگرانی کے بوجھ کو شدت سے محسوس کرتے تھے اور اس جاسوسی نے "لوگوں کو بحد خوف زدہ اور متحیر بنا رکھا تھا" اس کے مقابلے پر حکومت اپنی براءت کے لئے جاسوسی کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتی تھی کہ "بادشاہ کی آنکھ (یعنی جاسوس) وہی شخص ہو سکتا ہے جو دیانت دار، مطیع، پرہیزگار، وفادار، باخبر، دین دار اور پارسا ہو جو بادشاہ کو ہرگز ایسی بات کی اطلاع نہ دے جو قطعی طور سے یقینی نہ ہو اور جس کی تصدیق نہ ہو سکے، لہٰذا ایسے شخص سے بے گناہوں کو کیا خوف ہو سکتا ہے"؟

[3] گائیگر (Geiger): "ویانا کا رسالۂ علوم مشرقی" ۱۹۱۵ء ص ۳۰۹ ببعد،

فوج

خسرو اول کے زمانے تک سلطنت کی ساری فوج ایک واحد سپہ سالار کے ماتحت تھی جس کو ایران سپاہ بذ[1] کہتے تھے، لیکن اس کا حلقۂ عمل بہت زیادہ وسیع تھا بہ نسبت اُس سپہ سالار کے جس کا تصور ہمیں موجودہ زمانے میں ہے، وہ سپہ سالار بھی تھا وزیر جنگ بھی اور شرائط صلح کا طے کرنا بھی اسی کے اختیار میں تھا، اس بات کا ثبوت کہ کل سلطنت کی سپاہ کا نظم ونسق اس کے ہاتھ میں تھا ہمیں اس بات سے ملتا ہے کہ وہ بادشاہ کے مشیروں کی قلیل جماعت کا ممبر تھا، وزیر کی حیثیت سے جنگ کے محکمے کا دارومدار اُسی پر تھا لیکن ساتھ ہی اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ وُزرگ فرما دار (وزیر اعظم) کے اختیارات صاف طور پر محدود نہیں تھے اور سپاہ کے معاملات میں وہ ہمیشہ دخل دے سکتا تھا، علاوہ اس کے خود بادشاہ بھی وقتاً فوقتاً محکمۂ جنگ کے انتظام میں مداخلت کرتا رہتا تھا، شاہانِ ساسانی میں سے اکثر خود جنگ کے شوقین تھے اور لڑائیوں میں عملی طور پر حصہ لیتے تھے، لہٰذا ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اس قسم کے جنگجو بادشاہوں کے ماتحت ایران سپاہ بذ کو اپنے اختیارات میں کچھ زیادہ آزادی نہیں ہوتی ہوگی،

عہد ساسانی کے ابتدائی دور میں جو سپہ سالار تھے ہم یہ نہیں بتلا سکتے کہ ان میں سے کون کون ایران سپاہ بذ تھا، خاص خاص اضلاع کے حاکم بھی سپاہ بذ

---

[1] پورا لقب کارنامگ میں ملتا ہے (۱۰، ۷)،

کہلاتے تھے[1] اور بادشاہ کبھی کبھی مرزبانوں اور کنارنگوں کو فوج کا افسر بنا کر مہموں پر بھیج دیتا تھا، بازنطینی، ارمنی اور سریانی مؤرّخ ہمیں ایرانی سپہ سالاروں کے القاب کے متعلق صحیح اطلاعات بہت کم دیتے ہیں لیکن ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بعض وقت دوسرے عہدہ دار جن کے فرائض فوجی نوعیّت کے نہیں ہوتے تھے سپاہ کی سالاری پر مامور کر دیے جاتے تھے مثلاً آرمینیہ کے ساتھ شاپور دوم کی لڑائیوں کے حال میں فاؤستوس بازنطینی نے بہت سے ایرانی سپہ سالاروں کے نام لیے ہیں[2] ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دبیرِ دبیران ہے، ایک وزیرِ دربار ہے اور ایک داروغۂ سامان ہے،

بازنطینی مؤرّخوں کے ہاں ہمیں خاص طور پر اس بات کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ سپاہ سالاروں کو (جن میں سپاہ بد اور ایران سپاہ بد شامل ہیں) بادشاہ کی طرف سے شرائط صلح پر گفت و شنید کرنے کے لئے مقرّر کیا گیا، مثلاً سورین کو قیصر روم جووین[3] کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا[4] اور سیاؤشش ارتیشتاران سالار[5] اور سپاہ بد ماہبُذ کو سرحد روم کی طرف روانہ کیا گیا تھا تاکہ وہ شرائط عہدنامہ کے لئے سلسلہ جنبانی کریں[6]، اسی طرح مِہر مہرؤی جس کی رزم و بزم کی قابلیت کی تصدیق مؤرّخ اگاتھیاس نے کی ہے[7] قیصر جسٹینین کے پاس سفیر کی

---

[1] تاریخ میں اکثر جگہ سواد یعنی میسوپوٹیمیا کے سپاہ بذ کا ذکر آیا ہے، بقول دینوری (ص ۵۷) یزدگرد اوّل کی وفات کے بعد بِستہم (بستہم) سواد کا سپاہ بد تھا اور نہایہ (ص ۲۲۶) میں شاپور بن بہرام گور کو اوّل کے عہد میں سواد کا سپاہ بد لکھا ہے، دیکھو ضمیمہ نمبر ۲، [2] طبع لانگلوا، ج ۱، ص ۲۵۸ ببعد،
[3] Jovian (۳۶۳ء-۳۶۴ء)، [4] مارسیلینوس (۲۵-۷، ۴)، [5] دیکھو آگے،
[6] پروکوپیوس (۱، ۱۱)
[7] ۲، ۲۲،

حیثیت سے بھیجا گیا تھا، جوشوا اسٹائی لائٹ کی تاریخ میں[1] سپاہ بد ہمیشہ ایک مدبّر کی حیثیت میں جلوہ نما ہوتا ہے برخلاف اس کے میدان جنگ کی کارروائیاں مرزبان کرتے ہیں[2]،

سپاہ بد کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ لشکرگاہ میں اس کے داخلے پر نرم بجائے جاتے تھے[3]،

ارتیشتاران سالاروں یعنی سالارانِ لشکر میں سے ایک کا ذکر کارنامگ میں آیا ہے[4]، پانچویں صدی میں مہر نرسی کا ایک بیٹا کاردار اس لقب سے سرفراز تھا[5]، بقول طبری[6] ارتیشتاران سالار کا رتبہ "سپاہ بد سے اونچا اور تقریباً ارگبد کے برابر تھا"۔ کواذ اوّل کے زمانے کے بعد ہم کو تاریخی مآخذ میں اس عہدے کا ذکر نہیں ملتا، قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ارتیشتاران سالار "ایران سپاہ بد" ہی کا دوسرا لقب تھا جو عہدہ کہ خسرو اوّل جانشینِ کواذ نے منسوخ کر دیا تھا، اگرچہ مؤرّخ پروکوپیوس لکھتا ہے کہ سیاوُش سب سے پہلا اور سب سے آخری شخص تھا جو ارتیشتاران سالار کے عہدے پر مامور ہوا اور یہ کہ کواذ نے اس ذی رتبہ شخص کو قتل کروانے کے بعد اس عہدے کو منسوخ کر دیا تاہم چونکہ اس بیان کا پہلا حصّہ (یعنی سیاوُش کا سب سے پہلے یہ عہدہ پانا) صریحاً غلط ہے اس لیے کہ سیاوُش سے پہلے مہر نرسی کے بیٹے کو یہ عہدہ مل چکا تھا لہٰذا اس کا دوسرا حصّہ بھی ناقابل اعتماد ہو سکتا ہے،

---

[1] ترجمۂ رائٹ (Wright)، ص ۴۲، ۷۵، ۷ ، [2] خسرو اوّل نے فوجی انتظامات میں جو تبدیلیاں کیں (جن میں سے ایک یہ تھی کہ ایران سپاہ بد کا عہدہ منسوخ کر کے اس کی بجائے چار سپاہ بد مقرر کیئے) ان کے متعلق دیکھو آگے باب ہشتم، [3] پاتکانیان، "مجلّہ آسیائی" (J. A.) سنہ ۱۸۶۶ء ج ۱ ص ۱۱۲، [4] ۱۳، ۳، [5] طبری ص ۸۶۹، [6] دیکھو کارنامگ (۱۰، ۷)،

بادشاہ کی محافظ فوج (باڈی گارڈ) کے افسر کو پُشتیگ بان سالار کہتے تھے[1] پیادہ فوج (پایگان) کے کچھ دستے اپنے افسر کے ماتحت جس کو پایگان سالار کہتے تھے حکّام صوبجات کے زیرِ اختیار پولیس اور جلّاد کی خدمات انجام دیتے تھے،[2] اسی قسم کے فرائض انجام دینے کے لیے تیر اندازوں کا بھی ایک دستہ ہوتا تھا جس کا افسر تیر بذ کہلاتا تھا، یہ دستہ اگر سب جگہ نہیں تو ملک کے بعض حصّوں کے دیہات میں مامور رہتا تھا[3]، دربار شاہی میں بھی باڈی گارڈ کے سپاہی اکثر اوقات جلّاد کے فرائض انجام دیتے تھے،[4]

ایک بڑا عہدہ دار جس کا کام رسالہ فوج کو تعلیم دینا تھا بطور فرض منصبی شہروں اور دیہاتوں میں دورہ کیا کرتا تھا تاکہ سپاہیوں کو فنِ جنگ کے اصولوں سے آگاہ کرے اور پیشۂ سپہگری کے آداب سکھلائے،[5]

ساسانیوں کے فوجی نظام کے متعلّق باب پنجم اور ہشتم میں بالتفصیل بحث کی جائیگی،

---

[1] کارنامگ (۱۰، ۷)، [2] نولڈکہ: ترجمہ طبری ص ۴۴۸، [3] ہوفمن (Hoffmann) "اقتباسات از وقائع شہدائے ایران بزبان سریانی" ص ۶۱، [4] دیکھو طبری ص ۱۰۴۳، ترجمہ نولڈکہ ص ۳۵۶، خلافت عبّاسی کے ابتدائی دور میں باڈی گارڈ کا سردار جلّاد کا کام کیا کرتا تھا (فان کریمر: "تاریخ تمدن مشرقی بعہد خلفاء" ج ۱ ص ۱۹۰)، محکمۂ پولیس کے متعلّق ہمیں کچھ زیادہ علم نہیں ہے، ساسانی اوستا کی گم شدہ جلدوں میں سے ایک جلد موسوم بہ سکاڈُم نسک تھی جس میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پولیس کے ایک خاص افسر کے فرائض سے بحث تھی جس کا کام بازاروں میں خرید و فروخت کے قواعد کی نگرانی کرنا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ رہتا تھا (دین کرد، ج ۸، ص ۳۸)، پہرگ بذ بمعنی سنتری اور گزیرایے (جو کسی ایرانی لفظ کی سریانی شکل ہے)، بمعنی "مسلّح پولیس" کتابوں میں ملتا ہے،
[5] نامۂ تنسر: طبع دار مسٹیٹر ص ۲۱۸، طبع مینوی ص ۱۵—۱۶،

دبیرانِ سلطنت اور حکومتِ مرکزی کے دوسرے عہدہ دار

ایران میں جو رسوخ دبیرانِ سلطنت (دِبہیران[1]) کو حاصل رہا وہ بہت امتیازی قسم کا تھا، اہلِ ایران ہمیشہ دستور اور قاعدے کے بہت پابند رہے ہیں، سرکاری نوشتہ جات ہوں یا نج کے خطوط ہر ایک کو وہ ایک مقررّہ صورت اور قاعدے کے ساتھ تحریر کرنا ضروری سمجھتے تھے، ہر ایک تحریر میں علمی مقولے، امثال، مواعظ، اشعار اور لطیف معمّے وغیرہ اس طرح داخل کیے جاتے تھے کہ مجموعی طور پر وہ ایک خوش آیند چیز بن جاتی تھی، جن قاعدوں کے ساتھ خط میں مضمون اور القاب لکھے جاتے تھے ان میں کاتب اور مکتوب الیہ کے باہمی تعلّق اور اس کے تمام مدارج کا نہایت احتیاط کے ساتھ لحاظ رکھا جاتا تھا، اسی تصنّع اور عبارت آرائی کا میلان عام طور سے پہلوی کتابوں میں اور بادشاہوں کے تخت نشینی کے خطبوں میں پایا جاتا ہے[2]،

دولت ساسانی کے حکّامِ اعلیٰ ایک دوسرے کو جو خطوط لکھتے تھے یا حکومتِ ایرانی اور دول خارجہ کے درمیان جو خط کتابت ہوتی تھی ان میں یہ خصوصیت اور بھی زیادہ نمایاں ہوتی تھی، فارسی مصنّف نظامی عروضی اپنے چہار مقالہ میں لکھتا ہے کہ "پیش ازین درمیان ملوک عصر و جبابرۂ روزگار پیش چون پیشدادیان و کیان واکاسرہ و خلفا رسمی بودہ است کہ مفاخرت و مبارزت بعدل و فضل کردندی و ہر

---

[1] ہرتسفلت: پای کلی (فرہنگ - نمبر ۷۶۴)، شیڈر: ایسرا (Esra) "دبیر" (بزبان جرمن)، ٹوبنگن سنہ ۱۹۳۰ء ص ۳۹ بعد، اور ص ۴۷ - ۴۸، [2] طبری، فردوسی، ثعالبی کے ہاں یہ خطبے جابجا موجود ہیں۔

رسولی که فرستادندی از حکم و رموز و لغز مسائل با او همراه کردندی و درین حالت پادشاه محتاج شدی بارباب عقل و تمیز و اصحاب رای و تدبیر و چند مجلس دران نشستندی و برخاستندی تا آنگاه که آن جوابها بر یک وجه قرار گرفتی و آن لغز و رموز ظاهر و هویدا شدی ... پس ازین مقدمات نتیجه آن همی آید که دبیر عاقل و فاضل مهین جمالی است از تجمل پادشاه و بهین رفعتی است از ترفع پادشاهی"[1]

دول اسلامی میں محکمۂ دبیری جس میں مثال کے طور پر وزارتِ عظمیٰ کو لیا جاسکتا ہے ایرانی نمونے کی پوری پوری نقل تھی، نظامی عروضی نے اپنے زمانے (بارھویں صدی عیسوی) کے فنِ دبیری کی جو تشریح کی ہے اس کو پڑھ کر ہم عہد ساسانی کے دِبہیروں (دبیروں) کے فرائض اوران کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، نظامی لکھتا ہے کہ "دبیری صناعتی است مشتمل بر قیاسات خطابی و بلاغی منتفع در مخاطباتی که درمیان مردم است بر سبیل محاورت و مشاورت و مخاصمت در مدح و ذم و حیله و استعطاف و اغراء و بزرگ گردانیدنِ اعمال و خُرد گردانیدن اشغال و ساختن وجوه عذر و عتاب و احکام وثائق و اذکار سوابق و ظاهر گردانیدن ترتیب و نظام سخن در هر واقعه تا بر وجه اولی و احری ادا کرده آید، پس دبیر باید که کریم الاصل شریف العرض دقیق النظر عمیق الفکر ثاقب الرای باشد و از ادب و ثمرات آن قسم اکبر و حظّ اوفر نصیب او رسیده باشد و از قیاسات منطقی بعید و بیگانه نباشد و مراتب ابناء زمانه شناسد و مقادیر اهل روزگار داند و بحطام دنیوی و مزخرفات آن مشغول نباشد"[2]

ان تمام خوبیوں کے علاوہ دبیر کے لئے خوشخط ہونا بھی لازمی تھا، جو دبیر

---

[1] چهار مقاله طبع سلسلۂ گِبْ (Gibb) ص ۲۲ و ۲۵، نیز دیکھو عیون الاخبار لابن قتیبہ (طبع مصر) ج ۱ ص ۴۲ ببعد، [2] چهار مقاله ص ۱۲،

انشا پردازی اور خوشنویسی میں سب سے فائق ہوتے تھے ان کو دربار شاہی میں ملازم رکھا جاتا تھا باقیوں کو صوبجات کے گورنروں کی خدمت میں دے دیا جاتا تھا[1]، غرض یہ کہ دبیرانِ سلطنت حقیقی سیاستدان ہوتے تھے، وہ ہر قسم کے نوشتہ جات کا مضمون تیار کرتے تھے، سرکاری خط کتابت انھی کے ہاتھوں میں تھی، فرامین شاہی کا لکھنا اور اندراج کرنا انھی کے ذمّے تھا، ٹیکس اور خراج ادا کرنے والوں کی فہرستیں اور سرکاری آمدنی اور خرچ کا سارا حساب وہی رکھتے تھے[2]، بادشاہ کے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ خط کتابت کرنے میں ان کی لیاقت اس بات میں دیکھی جاتی تھی کہ مضمون کا لہجہ موقع و محل کے مطابق مصالحت آمیز یا متکبرانہ[3] اور تہدید آمیز رکھ سکیں، لیکن اگر جنگ میں دشمن فتحیاب ہو جاتا تو پھر دبیر کی جان سلامت نہیں رہ سکتی تھی مثلاً شاپور پسرِ اردشیر اوّل نے آخری اشکانی بادشاہ کے دبیر دادبُنداہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا اس لیے کہ اُس نے اپنے بادشاہ کی طرف سے ایک توہین آمیز خط اردشیر کو لکھا تھا[4]،

زمرۂ دبیرانِ سلطنت کا رئیس ایران دِبِہیربذ یا دِبِہیران مہشت کہلاتا تھا جس کا ذکر کبھی کبھی بادشاہ کے مصاحبوں میں آتا ہے[5] اور جس کو بادشاہ گاہے گاہے سفارت کی خدمت بھی سپرد کر دیتا تھا[6]،

[1] شاہنامۂ فردوسی طبع مول، ج ۵، ص ۲۵۸، شعر نمبر ۳۲۴ بعد، [2] طبری ص ۱۰۶۰، خسرو اوّل نے ایک دبیر کو "جو اپنے نسب اور قابلیت اور وقعت میں ممتاز تھا" لشکر کے سپاہیوں کی فہرست رکھنے اور عرضِ سپاہ کا کام سپرد کیا تھا، [3] طبری ص ۸۱۹، [4] کارنامگ، ۱۰، ۷، نولدکہ ترجمہ طبری ص ۴۴۴، [5] کارنامگ، مقام مذکور، نہایہ (ص ۲۳۲) میں ایک شخص یزدگرد کو دبیرِ اعلم لکھا ہے، اور صفحہ ۲۳۱ پر ایک شخص کا ذکر ہے جو دِبِہیربذ بھی تھا اور ساتھ ہی پایۂ تخت کا گورنر بھی تھا، طبری (ص ۸۵۹) میں جو ایک شخص یَوانوِیہ کا ذکر ہے کہ یزدگرد اوّل کے عہد میں دیوانِ رسائل کا رئیس تھا اس کے متعلق ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ آیا وہ ایران دِبِہیربذ تھا یا فقط محکمۂ دبیری کے کسی خاص دفتر کا حاکم تھا،

خوارزمی نے دبیرانِ سلطنت کو یوں شمار کیا ہے[1]:- (۱) داذ دبہیر (دبیر عدالت)، (۲) شہر آمار دبہیر (دبیر مالیاتِ سلطنت)[2]، (۳) کذگ آمار دبہیر (دبیر مالیۂ دربار شاہی)، (۴) گنز آمار دبہیر (دبیر خزانہ)،-(۵) آخر آمار دبہیر (دبیر اسطبل شاہی)،- (۶) آتش آمار دبہیر (دبیر محاصل آتشکدہ ہا)،- (۷) رُوانگان دبہیر (دبیر امور خیریہ)[3]،

شاہ ایران کے دربار میں ایک دبیرِ امورِ عرب بھی ہوتا تھا جس کی تنخواہ جنس کی شکل میں حیرہ کے عرب دیتے تھے، وہ ترجمان کا کام بھی کرتا تھا[4]،

کارنامگ میں بادشاہ کے اہم ترین رفقائے شکار کی فہرست میں علاوہ موبذان موبذ، ایران سپاہ بذ، دبہیران مہشت اور پشتیگ بان سالار کے اندرزبذِ واسپُہرگان[5] (معلّمِ واسپُہران) بھی مذکور ہے، لیکن اس کے علاوہ بعض اور اندرزبد بھی تاریخ میں ملتے ہیں، ایک تو در اندرزبد (منتظم دربار) ہے جو شاید وزرگ فرمادار ہی کا دوسرا لقب تھا[6]، ایک مغان اندرزبد (معلّم مغان) ہے اور ایک سگستان اندرزبد (معلّم امور سیستان) ہے[7]، حکومت کے اور بڑے بڑے عہدہ داروں میں ایک مُہر

---

[1] ہرتسفلٹ: پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۴۲۹)، اون والا، ترجمۂ اقتباس مفاتیح العلوم از خوارزمی، بمبئی ۱۹۲۸ء، ص ۱۶ و ۱۵-۱۷، [2] شیڈر: "ایسرا دبیر" ص ۴۷ بعد، [3] یعنی ناظم امور خیریہ، دیکھو دینوری (ص ۵۷)، بین ونشت: "مجموعۂ مطالعات مشرقی بیادگار ریموند لینوسیے (Raymonde Linossier) " (بزبان فرانسیسی) جزو پنجم ص ۱۰۷، آنڈریاس-ہیننگ (Andreas & Henning) : "آثار مانوی در زبان پہلوی" (بزبان جرمن) سنہ ۱۹۳۳ء ص ۳۱۷ ح ۲، شیڈر: ایرانیکا، ج ۱، سنہ ۱۹۳۴ء ص ۸ و ۱۹،

[4] روٹ شٹائن: "خاندانِ لخمی در حیرہ" (برلن سنہ ۱۸۹۹ء)، ص ۱۳۰، [5] کارنامگ ۱۰، ۷، نولڈکہ نے اس کو اندرزبذِ اسپوارگان پڑھا ہے لیکن واسپہرگان زیادہ مناسب ہے، دیکھو پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۱۰۹)،

[6] دیکھو ضمیمہ نمبر ۲، [7] پای کُلی (فرہنگ - نمبر ۱۰۱، ۱۹۴، ۷۲۳)،

بردار تھا (جس کی تحویل میں بادشاہ کی مُہر رہتی تھی)[۱] اور ایک رئیس محکمۂ اطلاعات تھا،[۲] محافظِ دفترِ تواریخ بادشاہی بھی غالباً ایک اعلیٰ عہدہ تھا،[۳]

طبری کے ہاں "وزیروں اور دبیروں" کا ذکر اکثر اس طرح آتا ہے کہ گویا وہ بزرگانِ سلطنت کے دو گروہ تھے جو ایک دوسرے کے قائم مقام تھے، مثال کے طور پر ہم اُس مقام کا حوالہ دیتے ہیں جہاں وہ یہ بیان کرتا ہے کہ بعض اوقات نئے بادشاہ کی تخت نشینی پر تمام وزیروں اور دبیروں میں ادلا بدلی ہو جاتی تھی،[۴] اس میں شک نہیں کہ وزراء اور حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کی جماعتوں میں تغیر و تبدیل ہوتی رہتی تھی اور بعض وقت وزراء کی تعداد اور ان کے مرتبوں میں بھی کچھ نہ کچھ تبدیلی کر دی جاتی تھی، زمرۂ وزراء کا پہلوی نام ہمیں معلوم نہیں[۵] لیکن جو لوگ اس زمرے میں ہمیشہ شامل رہے ہیں وہ یہ ہیں: وزرگ فرمادار، موبذان موبذ، ایران سپاہ بذ ایران دِبہیربذ، واستریوش بذ، خاص خاص زمانوں میں ہیربذان ہیربذ یعنی آتشکدوں کا رئیسِ اعلیٰ زمرۂ وزراء میں شامل رہا ہے اور ممکن ہے کہ اَشتَبَذ (میرِ تشریفات)[۶] بھی اس زمرے میں شریک رہا ہو،[۷]

---

[۱] مقابلہ کرو مقدمۂ ابن خلدون (طبع فرانس) درضمن (Notices et Extraits)، ج ۱۷ ص ۵۳ و ج ۲۰ ص ۶۱، [۲] نہایہ ص ۲۳۵، [۳] دربار شاہی کے اعلیٰ عہدہ داروں اور ندیموں کے متعلق دیکھو آگے باب ہشتم، [۴] طبری، ص ۸۳۶، [۵] نولڈکہ نے پہلے ایسا خیال کیا تھا کہ وزراء کا لقب بطور عمومی وزیربذ تھا لیکن اس فاضلِ مرحوم نے مجھے ایک خط میں لکھا تھا کہ میرا وہ خیال غلط تھا اور یہ کہ تلمود میں جو گزیرپت (= ایرانی "وزیربذ") ہے وہ پولیس کے کسی افسر کا لقب تھا، (دیکھو اوپر ص ۱۷۲ ح ۴ کے آخر میں)، [۶] ایک اشتبذ کا ذکر تاریخ سریانی منسوب بہ سٹائی لائٹ میں ۵۰۲ء و ۵۰۳ء کے واقعات میں آیا ہے، (طبع پروفیسر رائٹ ص ۵۹)، نیز مقابلہ کرو مارکوارٹ: "ایرانشہر" ص ۱۲۸، ح ۴، [۷] دیکھو ضمیمہ نمبر ۲،

صوبوں کی حکومت

حکومت کے اونچے عہدہ داروں میں صوبوں کے گورنر اور سیٹرپ[1] یعنی مرزبان بھی تھے[2]، سرحدی صوبوں کے گورنر مرزبان شہردار کہلاتے تھے اور "شاہ" کے لقب سے ملقب تھے[3]، لیکن ان کے ساتھ ساتھ کمتر درجے کے مرزبان بھی تھے جو اندرونی صوبوں کے فرماں روا تھے،

مؤرخ امیان مارسلینوس نے اُن صوبوں میں سے اکثروں کے نام گنوائے ہیں جو اُس کے زمانے میں بِذَخشوں، سیٹرپوں اور بادشاہوں (یعنی شاہانِ زیردست) کے زیرِ حکومت تھے، بذخش علاوہ گورنر ہونے کے اپنے صوبے کی رسالہ فوج کا سردار بھی ہوتا تھا، صوبوں کے نام یہ ہیں :- اسیریا (آسور)، خوزستان، میڈیا، فارس، ہرکانیا (گرگان)، پارتھیا، کارمانیِ بزرگ (کرمان)، مرگیانا (مرو)، باختر (بلخ)، سوگڈیانا (سغد)، سگستان (سیستان)، ولایت سکیتھیا ماورائے

---

[1] (Satrap) [2] لفظ "شہربان" (شَتْرَپان = سیٹرپ) جو کتبۂ پای کُلی کی ایک مسخ شدہ عبارت میں آیا ہے (طبع ہرتسفلٹ، آرٹیکل ۳۰ و فرہنگ نمبر ۹۷۸) بظاہر مرزبان کا پرانا نام ہے، اس لفظ کا مقابلہ کرو لفظ شہرپُو آمارکار کے ساتھ جس کا اوپر ذکر آچکا ہے، شہرپُو کو شَتْرپَو لکھتے تھے جو اشکانی پہلوی میں کھشَتْرپَو تھا، یہ بالکل ممکن ہے کہ ساسانیوں کے ابتدائی دور میں صوبوں کے گورنر سیٹرپ یا بِذَخش کہلاتے ہوں اور مرزبان کا لقب بعد میں رائج ہوا ہو' (پای کُلی میں بِتَخش ہے، دیکھو فرہنگ - نمبر ۲۱۴)، بہرحال لفظ مرزبان ساسانیوں کے ابتدائی بادشاہوں کے کتبوں میں کہیں دیکھنے میں نہیں آتا یہاں تک کہ کتبۂ پائی کُلی کے قطعات میں بھی وہ نہیں ملتا جہاں یہ توقع ہوسکتی تھی کہ وہ پایا جائیگا، جہاں تک ہم تحقیق کرسکے ہیں مرزبان کا لقب پہلی مرتبہ بہرام پنجم (سنہ ۴۲۰ء - سنہ ۴۳۸ء) کے زمانے میں سننے میں آتا ہے جبکہ آرمینیہ کی حکومت ایک مرزبان کے سپرد کی گئی اور بادشاہ کے بھائی نرسی نے "مرزبانِ کُوشان" (یعنی مرزبانِ سرحدِ کوشان) کا لقب اختیار کیا، (مارکوارٹ: "ایرانشہر" ص ۵۲)، [3] دیکھو اوپر ص ۱۳۰،

ایبوڈون[1]، سیریکا[2]، آریا (ہرات)، ولایت پَروپانیساد[3]، درنگیانا[4]، اراخوزیا[5]،
گڈروسیا[6]، مؤرخ مذکور نے ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے صوبوں کا ذکر کرنا غیر ضروری
سمجھا ہے، صوبوں کی یہ فہرست سوائے سیریکا (!) کے جو صریح مبالغہ ہے
صحیح معلوم ہوتی ہے، تیسری اور چوتھی صدی میں سلطنت ساسانی شمال اور مشرق
کی جانب واقعی بہت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی، ہرتسفلٹ کی تحقیقات کی رُو
سے[7] بہرام دوم کی فتوحات کے بعد جو ۲۸۴ء میں ہوئیں مشرق کی طرف ممالک ذیل
ساسانی سلطنت میں شامل تھے:۔ (۱) گرگان (ہرکانیا)، (۲) تمام خراسان
جس کی وسعت اُس زمانے میں آج کی نسبت بہت زیادہ تھی،[8] (۳) خوارزم،

---

[1] غالباً دریائے جیحوں سے مراد ہے (مترجم)، [2] (Serica) چین کا مشرقی حصہ (!)،
[3] Paropanisade، افغانستان کا مشرقی علاقہ (مترجم)، [4] Drangiana. سیستان
کے شمال اور ہرات کے جنوب میں، (مترجم)، [5] Arachosia، افغانستان کا جنوبی حصہ (مترجم)
[6] Gedrosia یعنی مکران (مترجم)، [7] پائی کُلی ص ۴۳،
[8] ساسانیوں کے زمانے میں خراسان کی وسعت ہرتسفلٹ نے معیّن کی ہے (پائی کُلی، ص ۳۷)، وہ
یہ کہ ایک خط دروازہ ہائے بحر خزر (رَے کے نزدیک) سے شروع کر کے سلسلۂ کوہ البرز کے ساتھ
ساتھ بحر خزر کے جنوب مشرقی کونے تک اور وہاں سے وادی اترک تک یعنی ٹرانس کیسپین ریلوے
لائن کے ساتھ ساتھ لطف آباد تک کھینچا جائے، دوسرا خط اُس صحرا میں سے جس میں تجند اور مرو واقع
ہیں کرکی کے نیچے سے جیحون تک کھینچا جائے، یہ خط (جیسا کہ سکیتی ساسانی سکّوں کے پائے جانے سے معلوم
ہوتا ہے) سلسلۂ کوہ حصار کی چوٹیوں پر سے گذرتا ہوا پامیر پر آکر منتہی ہوگا اور وہاں سے جنوب کی طرف مڑ کر دریائے
جیحون کے اُس حصّے کے ساتھ ساتھ جائیگا جو بدخشان کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہے اور پھر ہندوکش کی چوٹی
سے جا ملیگا، وہاں سے یہ سرحدی خط مغرب کی طرف کو مڑیگا اور سلسلۂ کوہ ہندوکش اور اس کی شاخوں کے
ساتھ ساتھ ہرات کے جنوب میں پہنچ کر علاقہ تہستان کو طے کرتا ہوا ترشیز اور خاف کے جنوب سے گذرتا ہوا
پھر دروازہ ہائے بحر خزر پر آملیگا،

(۴) سغد، (۵) سگستان جو ایک بہت وسیع ملک تھا، (۶) مکران، (۷) توران، (۸) گذرگاہ دریائے سندھ کے درمیانی اضلاع اور اس کے دہانے کے آس پاس کے صوبے یعنی کچھ، کاٹھیاواڑ، مالوہ اور ان سے پرے کے علاقے وغیرہ، صرف پنجاب اور وادی کابل اس سے خارج تھے جو شاہانِ کوشان کے زیر حکومت تھے[۱]؛

نولڈکہ نے عربی مآخذ کے حوالے سے صوبجات ذیل کی فہرست بنائی ہے جن پر مرزبان حکومت کرتے تھے[۲]:- آرمینیہ (۴۳۰ء کے بعد) بیت اَرَمائی[۳]، فارس، کرمان، سپاہان، (اصفہان)، آذربائجان، طبرستان، زرنگ (درنگیانا) بحرین، ہرات، مرو، سرخس، نیشاپور (نیوشاپور = ابرشہر)، طوس، ان میں سے بعض صوبے وسعت میں کچھ زیادہ نہ تھے اور فی الجملہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہخامنشیوں کی طرح ساسانیوں کے عہد میں بھی صوبوں کی حدّیں مستقل نہ تھیں، بادشاہ ایک مرزبان کو حسب ضرورت جس صوبے میں چاہتا مقرر کر کے بھیج دیتا تھا اور مصلحتِ وقت کے مطابق کبھی چند صوبوں کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیتا کبھی ایک صوبے کے کئی حصے کر دیتا تھا، عہدۂ مرزبان کے فرائض چنداں ملکی نوعیت کے نہ تھے بلکہ بیشتر فوجی تھے، ساسانیوں کی حکومت میں جو شدید مرکزیت کا اصول ملحوظ تھا اس کے تحت میں ملکی نظم ونسق عہدہ دارانِ زیردست کے ہاتھوں میں دیا گیا تھا جو چھوٹے چھوٹے علاقوں کا انتظام کرتے تھے، وہ شہرِیگ اور دِہیگ کہلاتے تھے، جنگ کے زمانے میں مرزبان سپاہ بذوں کے ماتحت سالارانِ لشکر کے فرائض انجام دیتے

---

[۱] دیکھو پای کُلی ص ۷۴،

[۲] طبری ص ۸۹۶،

[۳] یعنی جو عربی میں السّواد کہلاتا ہے (مترجم)،

تھے[1]،

مرزبان عالی خاندانوں میں سے انتخاب کئے جاتے تھے[2]، کبھی کبھی اس بات کا ذکر دیکھنے میں آتا ہے کہ فلاں مرزبان کا ایک محل پایہ تخت میں تھا[3]، مرزبانوں کے لئے خاص طور پر ایک اعزازی نشان یہ ہوتا تھا کہ انہیں چاندی کا ایک تخت عطا ہوتا تھا[4] اور سرحدِ آلان خزر کے مرزبان شہردار کو مستثنیٰ طور پر سونے کے تخت پر بیٹھنے کا حق حاصل تھا[5]، ابھر شہر کے مرزبان کا لقب کنارنگ تھا[6]،

صوبے اضلاع میں منقسم تھے جن کو اُستان کہتے تھے، پاذگوسپان غالباً اصل میں نائب گورنر کا لقب تھا جو ایک اُستان یا ضلع کا حاکم ہوتا تھا، یزدگشنسپ بہرام پنجم کے عہد میں پاذگوسپان تھا[7]، معمولی طور پر اُستان کے حاکم کو اُستاندار کہتے تھے، تاریخ میں کشکر اور نصیبین کے اُستاندار کا ذکر ملتا ہے[8]، نصیبین میں ایک شخص بابہائی نام کو جو شاہی خاندان سے تھا" اعزاز کے طور پر اور سرحد کی حفاظت

---

[1] تاریخ منسوب بہ جوشوآ اسٹائی لائٹ (طبع رائٹ ص ۶۱ وجاہای دیگر)، [2] خاندان سورین کا ایک شخص خسرو اوّل کے زمانے میں آرمینیہ کا مرزبان بنایا گیا تھا، (پاٹکانیان، مجلۂ آسیائی (J. A.) سنہ ۱۸۶۶ء ص ۱۸۳)، شاہ نرسی کے عہد میں آذربائجان کا مرزبان شاپور وراز اعلےٰ درجے کا شریف النسب تھا (فاؤسٹوس بازنٹینی طبع لانگلوا ج ۱، ص ۲۲۹)، شہرین جو خاندانِ مہران سے تعلق رکھتا تھا بیت درائی اور ولایت کوسین کا مرزبان تھا (ہوفمن ص ۶۹)، پیران گشنسپ جو اسی خاندان سے تھا گرزان اور اران کا مرزبان تھا اور ہزار ہا سوار اس کی کمان میں تھے، (ایضاً، ص ۷۸ - ۷۹)، وہریز جو غالباً خاندانِ ساسانی کا ممبر تھا خسرو اوّل کے زمانے میں یمن کی فتح کے بعد وہاں کا مرزبان بنایا گیا تھا، (نولدکہ، ترجمہ طبری، ص ۲۲۳ - ۲۲۴)، [3] نہایہ ص ۲۵۲، [4] طبری ص ۸۶۴، [5] نہایہ ص ۲۲۷، [6] دیکھو اوپر، ص ۱۲۷، [7] نولدکہ، ترجمہ طبری، ص ۹۶، ح ۲، پاذگوسپانوں کے مرتبے اور اختیارات میں آگے چل کر (غالباً کواذ اوّل کے عہد میں) اصولی تبدیلیاں کر دی گئی تھیں، دیکھو باب ہفتم اور ضمیمہ نمبر ۲، [8] دیکھو ہیننگ (Henning) در رسالہ "ہند و ایران شناسی" (Z II) سنہ ۱۹۳۴ء ص ۲۲۴،

کے لئے[۱] "اُستاندار بنایا گیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُستاندار جن کے ہاتھوں میں مرزبانوں کی طرح فوجی طاقت بھی ہوتی تھی[۲] اصل میں شاہی املاک کے منتظمین ہوتے تھے[۳] اور یہ فرائض وہ ہمیشہ انجام دیتے رہتے تھے حتیٰ کہ ایسی حالت میں بھی جبکہ اُنھیں کسی علاقے کا فوجی افسر بنادیا جاتا تھا، اگر اُس علاقے میں شاہی املاک ہوں تو فوجی فرائض کے ساتھ ساتھ وہ ان کا انتظام بھی کرتے تھے،

صوبوں کی تقسیم اضلاع میں محض انتظام ملکی کی رعایت سے کی گئی تھی، بقول نولڈکہ ہر ضلع (جو شہر کہلاتا تھا اور اس کے صدر مقام کو شہرستان کہتے تھے)[۴] ایک شہریگ کے ماتحت ہوتا تھا جو دہقانوں میں سے منتخب ہوتا تھا[۵]، گاؤں (دیہہ) اور اس کے سارے رقبے (رُستاگ = رُستاق) کا حاکم دیہیگ کہلاتا تھا،[۶]

۱؎ ہوفمن، ص ۹۳، ۲؎ نولڈکہ ص ۴۴۴، ۳؎ ارمنی زبان میں در اصل لفظ اُشتنان کے معنی وہ علاقہ یا شہر جو بادشاہ کی ملکیت ہو (ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۲۱۵) اور اُشتانیک وہ فوج جو استان کی حفاظت کے لئے رکھی جائے، ۴؎ نولڈکہ: ترجمہ طبری، ص ۴۴۶، ہوفمن ص ۲۳۹، واضح رہے کہ پہلوی کتابوں میں لفظ شہر ہمیشہ سلطنت کے معنوں میں آیا ہے اور وہ القاب جن کے شروع میں لفظ شہر ہو ہمیشہ اُن اعلیٰ عہدہ داروں کے لئے ہوتے تھے جن کے اختیارات تمام سلطنت پر حاوی ہوں،

۵؎ شہریگ کو عربی میں رئیس الکورۃ لکھا ہے (یعقوبی، ج ۱، ص ۲۰۳)، عراق میں شہریگ طبقۂ آزادان کی ایک جماعت تھی جن کا رتبہ دہقانوں سے ایک درجہ بلند تر تھا (مروج الذہب، ج ۲، ص ۲۴۰)، نہایہ (ص ۲۴۲) کی روایت کے مطابق خسرو دوم نے سلطنت کو نئے سرے سے ۳۵ صوبوں میں تقسیم کیا تھا،

۶؎ ہوفمن، ص ۲۳۹، دیہیگ غالباً دیہہ سالار کا مساوی ہے (بلاذری، دیکھو نولڈکہ، ترجمۂ طبری ص ۴۴۴)،

باب سوم

دینِ زرتشتی حکومت کا مذہب

مذہبِ حکومت کی تخلیق ۔ عہدِ ساسانی میں اوستا کی نئی اشاعت ۔ ساسانیوں کی زرتشتیت اور بعد کی زرتشتیت کا فرق ۔ عقاید زُروانی ۔ آتشکدے ۔ تقویم ۔ تہوار ۔ عامیانہ علم نجوم ۔

ساسانیوں نے شروع ہی سے علمائے زرتشتی کے ساتھ اتحاد پیدا کر لیا تھا اور حکومت و مذہب کے درمیان گہرا تعلق ان کے عہد میں برابر قائم رہا ، پارسی روایت کے مطابق[1] اردشیر اوّل نے اپنی تخت نشینی کے بعد ہیربدان ہیربد تنسر کو حکم دیا کہ اشکانی اوستا کے پراگندہ اجزا کو جمع کر کے تالیف کرے ، اس نئی تالیف کو مستند اور مصدّقہ قرار دیا گیا[2] ، بعد میں اردشیر کے بیٹے اور جانشین شاپور اوّل نے کتب مقدسہ کے اندر غیر مذہبی تصانیف کو جن کا موضوع علم طب اور نجوم اور فلسفہ تھا اور

---

[1] کتاب دینکرد کے تیسرے اور چوتھے باب میں دو روایتیں دی گئی ہیں جو خاص طور پر اہم ہیں ، ان میں سے جو روایت ہخامنشی اوستا کے متعلق ہے وہ تو یقیناً مجعول ہے (دیکھو نیبرگ کا مضمون در رسالۂ آسیائی (J. A.) بابت سال ۱۹۳۱ء ص ۲۰۲ بعد) ، برخلاف اس کے تالیفِ اوستا بعہدِ اشکانی کی روایت بیشک صحیح ہے ، ساسانیوں کے زمانے میں کتب مقدسہ کی تاریخ کے بارے میں جو روایت ہے اس کے متعلق ہم صرف اتنا کہ سکتے ہیں کہ اس کے اہم ترین اجزا کو صحیح مان لینا چاہیئے ، [2] دینکرد ، باب سوم (طبع پشوتن سنجانا ، متن ص ۵۰۴ ، ترجمہ ص ۵۶۹) ، وِلیِمٹ : "متون پہلوی" ج ۴ ، دیباچہ ص ۳۱ ، — ایضاً باب چہارم (ص ۴۵۶ ، ترجمہ ص ۵۷۸) ، وِلیِمٹ : "متون پہلوی" ج ۴ ، ص ۴۱۴ ، ارداگ ویراز نامگ ج ۱ ، ص ۱ - ۱۸ ،

جو ہندوستان اور یونان اور دوسرے ملکوں میں دستیاب ہوئیں داخل کر دیا، بہ روایت اس شکل میں یقیناً غلط ہے، غالباً ان غیر مذہبی تصانیف سے مراد وہ کتابیں ہیں جو فضلائے ایران نے لکھیں جن میں فلسفۂ یونان کا اثر موجود تھا لیکن بظاہر ہندوستانی اثر ان میں بہت بعد کے زمانے میں آیا،

تنسر نے اوستا کی جو اڈیشن تیار کی اس کا ایک نسخہ مع اضافاتِ جدید شاپور کے حکم سے شیز میں آتشکدۂ آذرگشنسپ میں محفوظ کر دیا گیا[1]، لیکن با ایں ہمہ مذہبی مناقشات اور اختلافات جاری رہے، ان کا خاتمہ کرنے کے لئے شاپور دوم نے موبد بزرگ آذربذِ مہر سپندان کی صدارت میں ایک انجمن منعقد کرائی جس نے اوستا کا متن قطعی طور پر معین کر دیا اور اس کو اکیس حصّوں میں تقسیم کیا جن کو نسک کہتے ہیں، اکیس کا عدد دعائے مقدس "یثا اہو وئیریو" کے الفاظ کی تعداد سے لیا گیا ہے، اس متن کے تقدس کو ثابت کرنے کے لئے آذربذ نے اپنے آپ کو بذریعۂ آتش امتحان کے لئے پیش کیا یعنی یہ کہ پگھلی ہوئی دھات اس کے سینے پر انڈیل دی جائے،

ساسانی اوستا کا بہت تھوڑا سا حصّہ آج باقی ہے لیکن اس کا خلاصہ کتاب دینکرد کے آٹھویں اور نویں باب میں دیا گیا ہے جو نویں صدی عیسوی کی پہلوی تصنیف ہے[2]، ساسانی اوستا میں نہ صرف مذہبی احکام تھے بلکہ وہ جملہ علوم کا دائرۃ المعارف تھی، مسائل مبدأ و معاد، علم الاساطیر، علم نجوم، علم کائنات،

---

[1] گنزِ شیزگان یا گنزِ شیزیگان سے مراد مقام گنزک ہے جو ولایتِ شیز (آذربائجان) میں واقع تھا، دیکھو مارکوارٹ ـ مسینا: "فہرست پایہ تخت ہائے صوبجاتِ ایران" (بزبان انگریزی)، روم سنہ ۱۹۳۱ء ص ۱۰۸، گنزک میں آتشکدۂ آذرگشنسپ کے متعلق دیکھو آگے،

[2] دیکھو اوپر ص ۶۴-۶۵

علوم طبیعی، قانون، اخلاق عملی، غرض جتنی چیزیں ساسانیوں کے وقت میں متداول تھیں وہ اوستا کے اکّیس نسکوں پر مبنی تھیں، ان نسکوں کے بہت سے متن (جو اوستائی زبان میں لکھے گئے[1]) غالباً ساسانی اوستا کے مؤلّفین نے خود تصنیف کیے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے بعض پہلوی زبان میں پہلے سے موجود ہوں اور ان کو اوستائی زبان میں ترجمہ کرکے کتاب مقدّس میں شامل کر لیا گیا ہو[2]،

دین کرد کا خلاصہ بہت غیر متناسب ہے، بعض نسکوں کے متعلق خصوصاً وہ جن میں قانونی مسائل پر بحث تھی بہت مفصّل اطّلاعات دی گئی ہیں، برخلاف اس کے اُن نسکوں کا خلاصہ جن میں مسئلۂ آفرینش بیان کیا گیا تھا بہت تھوڑے سے لفظوں میں دیا گیا ہے،

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ساسانی اوستا کا اکثر حصّہ عہد اسلامی میں کیوں تلف ہوگیا؟ ہمیں معلوم ہے کہ مسلمان زرتشتیوں کو اہل کتاب مانتے تھے لہذا اُن کی کتب مقدّسہ کی بربادی کو ہم اہل اسلام کے تعصّب کی طرف منسوب نہیں کرسکتے، علاوہ اس کے ہم اوپر اس بات کو بتا چکے ہیں کہ نویں صدی میں ساسانی اوستا کا بیشتر حصّہ باقی تھا یا کم از کم اس کا پہلوی ترجمہ موجود تھا جس کے ساتھ اس کی شرح موسوم بہ زند بھی شامل تھی، اس بربادی کی وجہ یقیناً یہ ہوئی کہ مادی زندگی کی سختیوں نے جو اُس زمانے میں زرتشتیوں کو سہنی پڑیں انھیں فرصت نہیں دی کہ کتب مقدّسہ کے اس ضخیم مجموعے کو بہیم نقل کرتے رہیں، اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ

---

[1] جس زبان میں کتابِ مقدّس اوستا لکھی گئی وہ اصل میں میڈیا یا مغربی ایران کی زبان تھی لیکن اس کو کتاب اوستا کی رعایت سے اوستائی زبان بھی کہہ دیتے ہیں (مترجم)، [2] نیبرگ (Nyberg) "مجلۂ آسیائی" (J. A.) سنہ ۱۹۳۱ء ص ۲۶ و ۴۶،

اسی زمانے میں وہ نسک جن میں قانونی مسائل پر بحث تھی بھلا دیے گئے ہونگے کیونکہ ایسی حالت میں جبکہ زرتشتی حکومت کا خاتمہ ہوگیا تو ان کی کیا اہمیت باقی رہی ؟ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ پھر وہ نسک جن میں مسئلۂ آفرینش اور دوسرے اصولی عقاید سمجھائے گئے تھے کیوں محفوظ نہ رہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض قرائن ایسے موجود ہیں جن سے ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ عربی حکومت کی ابتدائی صدیوں میں زرتشتیت کسی حد تک اصلاح پذیر ہوئی جس کی وجہ سے بعض عامیانہ اساطیر اور عقاید کو جو ساسانی اوستا میں مسطور تھے خود زرتشتیوں نے اپنی مرضی سے حذف کر دیا ، ہم اس مبحث کی طرف باب ہشتم کے آخر میں دوبارہ رجوع کرینگے ،

بہر حال جب ہم ایک طرف اُس نظامِ مذہب کو دیکھتے ہیں جو موجودہ اوستا اور پہلوی کی دینی کتابوں میں سمجھایا گیا ہے اور دوسری طرف اُن اشارات کو ملاحظہ کرتے ہیں جو عہدِ ساسانی میں ایرانیوں کے مذہب کے متعلق ہم کو بازنتینی ، سریانی اور ارمنی مصنفوں کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں تو ہمیں خصوصاً اساطیر اور مسئلۂ آفرینش کے بیان میں عجیب و غریب اختلافات نظر آتے ہیں ،

عیسائی ماخذ کے بیانات کو بغور دیکھنے سے ایک بات جو سب سے پہلے ہماری توجہ کو کھینچتی ہے وہ یہ ہے کہ ساسانی مزدائیت میں سورج کو بہت بڑھایا چڑھایا گیا ہے ۔ یزدگرد دوم قسم کھانے میں کہتا ہے کہ "قسم ہے آفتاب کی جو خدا سے برتر ہے ، جو دنیا کو اپنی شعاعوں سے روشن کرتا ہے اور اپنی حرارت سے تمام جانداروں کو گرمی پہنچاتا ہے"[1]۔ شاہ مذکور نے سورج کی قسم کو تین چار مرتبہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ

---

[1] ایلیزے (Elisée) مؤرخ ارمنی ، طبع لانگلوا ، ج ۲ ، ص ۱۹۷ ،

دہرایا ہے[1]، عیسائی پادریوں کو جب اپنا مذہب چھوڑنے کے لئے کہا گیا تو انہیں اس بات پر مجبور کیا گیا کہ ترکِ مذہب کا اظہار پرستش آفتاب سے کریں، وقائع شہدائے ایران (بزبان سریانی) میں اس بات کو بار بار جتایا گیا ہے، شاپور دوم نے سائمن بار صبّعی[2] کی جاں بخشی کا وعدہ اس شرط پر کیا تھا کہ وہ آفتاب کی پرستش پر رضامند ہو جائے[3]۔ ایلیزے لکھتا ہے[4] کہ یزدگرد دوم کے حکم سے جب آرمینیہ کے عیسائیوں پر تعدّی کی جارہی تھی تو عیسائی قسّیس لیُونس نے تن شاپور رئیس اغتساب مذہبی سے کہا کہ "شروع میں تو نے ہم کو آفتاب کی پرستش پر مجبور کیا اور اب تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ بادشاہ نے اس پرستش کا حکم دیا ہے، تو خود باواز بلند آفتاب کی ستایش کرتا ہے ....." ایک اور موقع پر "آفتاب کی پرستش اس طرح پر کی گئی کہ چند قربانیاں دی گئیں اور تمام مجوسی رسمیں ادا کی گئیں[5]"۔ بقول پروکوپیوس[6] مجوسیوں کی شریعت کا یہ حکم تھا کہ نکلتے ہوئے سورج کی پرستش کی جائے،

یہ سورج دیوتا یا خدائے آفتاب کون ہے؟ ہُوَرْ (سورج) یا ہُوَرْ خشئیت[7] (جس کے معنی بقول آندریاس "خورشید بادشاہ" کے ہیں) کتب اوستا میں دیوتاؤں کی صف میں جلوہ گر ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کبھی اس کو زیادہ اہمیّت حاصل نہیں ہوئی، حقیقت میں جس خدائے آفتاب کی پرستش عہد ساسانی کے مجوسی کرتے تھے وہ

---

[1] ایلیزے (Elisée)، مؤرخ ارمنی، طبع لانگلوا، ج ۲ ص ۱۹۸، [2] Simon Barsabba'e. سلوکیہ اور طیسفون کا بشپ تھا، سنہ ۳۴۰ء کے قریب شاپور دوم کے عہد میں اسی مذہبی تعدّی کے سلسلے میں شہید ہوا (مترجم)، [3] لابُور (Labourt)، "عیسائیت در ایران بعہد ساسانی" (سنہ ۱۹۰۴ء)، بزبان فرانسیسی، ص ۶۵، نیز دیکھو نوِن سوزدین جس کا حوالہ شرودڈ فاکس نے دیا ہے (کاما اورینٹل انسٹیٹوٹ نمبر ۱۴، ص ۱۰۲)، [4] طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۲۲۷، [5] ایضاً ص ۱۹۹، [6] ج ۱، ص ۳،

[7] ہُوَرَ اوستا میں وہی لفظ ہے جو فارسی میں خور ہے، خشئیت لفظ شاہ کی قدیم شکل ہے (مترجم)۔

ہُورْ نہیں تھا بلکہ مہر تھا جس کو قدیم یشتوں میں متھرا لکھا ہے، وہ عہد و پیمان اور نورِ صبحگاہی کا خدا تھا جو اہلِ بابل کے ہاں شَمَش (خدائے آفتاب) کے نام سے موسوم تھا اور جس کو (یورپ کے) متھرا پرستوں نے سول اِنْ وِکٹس[1] بنا لیا،

مؤرخ ایلیزے ایک جگہ شاہ ایران کے رئیسِ خلوت کی زبانی لکھتا ہے "تمہیں یہ اختیار نہیں ہے کہ آفتاب کی پرستش سے رُک جاؤ جو اپنی شعاعوں سے تمام دنیا کو روشنی بخشتا ہے اور اپنی حرارت سے انسانوں اور جانوروں کے لئے خوراک تیار کرتا ہے اور اپنی بے دریغ سخاوت اور ہمہ گیر فیاضی کی وجہ سے خدائے مہر کہلاتا ہے کیونکہ اس میں نہ مکر و فریب ہے اور نہ غفلت و جہالت"[2]۔ خدائے مہر کو بادشاہ اور خدا کا بیٹا اور سات خداؤں[3] کا دلیر مددگار مانا گیا ہے،

طاق بستان میں اردشیر دوم کی برجستہ تصویر ہے[4] جس میں وہ اہورا مزدا کے ہاتھ سے عہدۂ شاہی کا نشان قبول کر رہا ہے، اس تصویر میں متھرا کو جو اپنے سر کے گرد شعاعوں کے ہالے سے شناخت کیا جا سکتا ہے بادشاہ کے پیچھے دکھایا گیا ہے، برلن کے عجائب گھر میں ساسانی زمانے کی ایک مُہر ہے[5] جس پر پہلوی حروف میں اس کے مالک کا نام ہومہر (بحروف پہلوی ہومِتْر) کھُدا ہوا ہے، یہ نام اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مُہر پر جو تصویر بنی ہے وہ متھرا کی ہے جس میں اُس کے جسم کا بالائی حصّہ اور اس کے گرد ہالہ بنایا گیا ہے

---

[1] (Sol invictus)، سول بمعنی سورج اور اِن وکٹس بمعنی ناقابلِ تسخیر، اجیت، (مترجم)

[2] لانگلوا، ج ۲، ص ۲۳۷، [3] سات خداؤں سے مراد امیشہ سپنتہ ہیں جن کو پہلوی میں اہمر سپندان کہا گیا ہے، ایلیزے طبع لانگلوا، ج ۲ ص ۱۹۴، [4] دیکھو آگے باب پنجم کے آخر میں،

[5] ہرتسفلٹ: "سالنامۂ انجمن فنون پرشیا" (جرمن)، ج ۴۱، حصّہ دوم، ص ۱۰۸،

اور سورج کی رتھ ہے جس کو دو پر دار گھوڑے کھینچ رہے ہیں، یہ خدائے آفتاب کی چار اسپہ گاڑی کی ایک اختلافی شکل ہے[1] جس کا تصور یونانی بت سازی سے حاصل کیا گیا ہے، اسی دو اسپہ رتھ کی تصویر ایک کپڑے پر بھی بنی ہوئی ہے جو ساسانی نمونے پر بنایا گیا ہے اور برشلز میں سینکانت نیر کے عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں کے زمانے میں سورج دیوتا کی رتھ میں چار کی بجائے دو گھوڑے لگائے جاتے تھے[2]،

اوستا کے بیشمار مقامات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عناصر طبعی کی پرستش ہمیشہ دینِ زرتشتی کی اصولی خصوصیت رہی، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ زرتشتی آگ اور پانی اور مٹّی کو آلودہ کرنے سے کس قدر پرہیز کرتے ہیں، غیر ایرانی مصنّفین بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں، اگاتھیاس لکھتا ہے[3] کہ اہلِ ایران سب سے زیادہ پانی کا احترام کرتے ہیں یہاں تک کہ پانی کے ساتھ منہ دھونے سے بھی پرہیز کرتے ہیں اور سوائے پینے یا پودوں میں دینے کے اور کسی غرض کے لئے اس کو نہیں چھوتے، وندیداد میں مذہبی رسومِ تطہیر کے لئے پانی کے استعمال کی سب ہدایات لکھی گئی ہیں، تطہیر کے لئے اگر کوئی چیز پانی سے زیادہ مؤثّر ہے تو وہ گائے کا پیشاب ہے،

لیکن مذہب زرتشتی میں آگ کا رتبہ عناصر میں سب سے بلند

---

[1] مقابلہ کرو مضمون نیبرگ در مجلّۂ آسیائی (J. A.) ۱۹۳۱ء ص ۹۱ بعد،

[2] ہرٹسفلٹ، مقام مذکور، ص ۱۰۶،

[3] ۲، ۲۴،

ہے[1]، اوستا میں آگ کی پانچ مختلف قسمیں بنائی گئی ہیں جن کو یاسنا (۱۷، ۱۱) میں شمار کیا گیا ہے اور اُن کی تشریح اس کی پہلوی تفسیر میں ملتی ہے، بُندہِشن میں بھی وہی تشریح ہے لیکن اس میں وضاحت نہیں ہے، وہ پانچ قسمیں یہ ہیں :-
(۱) بَرَزِسَواہ وہ آگ جو آتشکدوں میں جلتی ہے، اس کو آتش بہرام بھی کہتے ہیں اور روزمرّہ کے استعمال کے لئے بھی یہی ہے، (۲) وُہوُفریانَ وہ آگ جو انسان اور حیوان کے جسم میں ہے، (۳) اُرْوازِشْتَ وہ آگ جو درختوں میں پائی جاتی ہے، (۴) وازِشْتَ وہ آگ جو بادلوں میں ہے یعنی بجلی، (۵) سْپِنِشْتَ وہ آگ جو بہشت میں اہورامزدا کے سامنے جلتی ہے، اس پانچویں قسم کی آگ یعنی آتشِ بہشت کا مظہر شاہانِ ایران کا شکوہ و جلال ہے جو ہمیشہ اُن کے گرد ایک ہالے کی شکل میں رہتا ہے اور جس کو اوستا میں خْوَرَنہ، پہلوی میں خُورّہ اور فارسی میں فرّ کہتے ہیں[2]،

[1] ہرٹل (Hertel) نے ایک سلسلہ رسالوں کا موسوم بہ "سلسلۂ مآخذ و تحقیقات ہندی ایرانی" (بزبان جرمن) لکھا ہے جن میں (خصوصاً رسالہ نمبر۶ میں جس کا نام "آریائی آتش پرستی" ہے) قدیم ہندیوں اور ایرانیوں کی آتش پرستی کو واضح کیا ہے، اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قدیم ایرانی زبانوں میں زرتشتیوں کی تمام مذہبی اصطلاحات حتیٰ کہ معمولی اخلاقی اصطلاحات کو بھی ابھی تک ٹھیک طور سے نہیں سمجھا گیا، درحقیقت وہ تمام اصطلاحات آگ کی پرستش کے ساتھ تعلّق رکھتی ہیں جو ان کے عقیدے میں ایک ایسا عنصر ہے جو عالم اکبر اور عالم اصغر کے تمام ذرّوں میں نافذ ہے، ہرٹل کے اس نظریے میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہے لیکن اوستا کی عبارتوں کی جو تاویلیں اس نے کی ہیں وہ ہمارے نزدیک یک طرفہ ہیں اور ان میں ذرا زیادہ جرأت سے کام لیا گیا ہے اگرچہ ڈواڈیا نے پہلوی کتابوں میں سے دلائل پیدا کر کے ہرٹل کی تائید کی ہے ("مجموعۂ مطالعاتِ ہندی ایرانی" جو وِنِہلم گائیگر کے اعزاز میں شائع کیا گیا، سنہ ۱۹۳۱ء، ص ۲۳۷ و بعد)، واقعہ یہ ہے کہ مذہبی خیالات کی ترقی کی ابتدا زرتشت سے پہلے ہوئی لیکن اُس کی رفتار سے اس ترقی میں تیز رفتاری پیدا ہوئی، پھر رفتہ رفتہ مغربی ایشیا میں غیر ایرانی عقاید کے اثر سے قدیم مذہبی اصطلاحات کے نئے نئے مفہوم پیدا ہوتے گئے،

[2] ڈارمستٹیر، ترجمہ زنداوستا ج ۱، ص ۱۵۱ و بعد، ہرٹل: "آریائی آتش پرستی" ص ۱۶،

آتشِ مجسّم کو جو اوستا میں آتر اور پہلوی میں آذر ہے بسا اوقات اہورا مزدا کا بیٹا کہا گیا ہے، لیکن عیسائیوں نے بعض وقت زرتشتیوں کی مقدس آگ کو اہورا مزدا کی بیٹی کہا ہے چنانچہ عیسائی قسّیس ہَشُو نے جب ایک مرتبہ تلوّن مزاجی کی لہر میں ایک آتشکدے کی آگ کو بجھا دیا تو کہنے لگا کہ "نہ یہ آتشکدہ خانۂ خدا ہے اور نہ یہ آگ خدا کی بیٹی ہے بلکہ وہ ایک بدکردار لڑکی ہے ....[1]" ہمارا خیال ہے کہ آگ کو اہورا مزدا کی بیٹی سمجھنے کا عقیدہ ضمنی طور پر ارمنی زرتشتیوں میں پیدا ہوا اس لئے کہ آتش مجسّم کو ارمنی عقاید عامّہ میں مؤنث تصور کیا گیا ہے[2]، اگاتھیاس نے اہل ایران کے نزدیک آگ کے مقدّس ہونے کا ذکر کیا ہے[3]، ساسانی اوستا کے تلف شدہ حصوں میں بہت سے مقامات ایسے تھے جن میں آتشِ مقدّس کا مذکور تھا اور اس کے احسانات اور انسان کے ذمّے اس کے حقوق و فرائض بیان کیے گئے تھے[4]،

مسئلۂ آفرینش، علم کائنات اور مسائلِ معاد جن کے اہم ترین آثار قدیم نشتوں میں موجود ہیں ان کو رفتہ رفتہ ترقی دے کر ایک ایسا نظامِ عقاید تیار کیا گیا جو تمام کائنات کے آغاز و انجام پر حاوی تھا[5]، اس کی رو سے کائنات کی عمر بارہ ہزار سال ہے، شروع کے تین ہزار سال کے عرصے میں عالم اہورا مزدا (یعنی عالم نور) اور عالمِ اہرمن (یعنی عالمِ ظلمت) ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو امن و آرام سے

[1] ہوفمن، ص ۳۵، [2] ابگیان: "ارمنی عقاید عامّہ" (بزبان جرمن)، لیپزگ، ۱۸۹۹ء ص ۶۷، [3] ۲، ۲۵، [4] مثلاً دیکھو دین کرد (۹، ص ۳۵ س ۱۱، ص ۵۰، س ۱۲ - ۱۵، ص ۵۸ س ۲۱، [5] اس کے لئے اہم ترین مآخذِ اطلاعات یعنی بُندہشن، زاذ سپرم اور زندِ وہمن یشت (بہمن یشت) کا ترجمہ پروفیسر ویسٹ نے "سلسلۂ متونِ پہلوی" (جلد اوّل) میں کر دیا ہے، بُندہشن کے متعلق دیکھو اوپر، ص ۶۶، ح ۱، نیز کرسٹن سین کی کتاب "کیانیان" ص ۴۴ بعد،

رہے، یہ دونو عالم تین طرف سے نامتناہی ہیں لیکن چوتھی جانب پر دونو کی حدیں ملی ہوئی ہیں عالم نور اوپر ہے اور عالم ظلمت نیچے اور دونو کے درمیان ہوا ہے، اس تین ہزار سال کے عرصے میں اہورا مزدا کی مخلوقات امکانی حالت (مینوگیہا) میں رہی، تب اہرمن نے نور کو دیکھ لیا اور اس کو نابود کرنے کے درپے ہوُا، اہورا مزدا نے جسے آیندہ کا سب حال معلوم تھا اہرمن کو نو ہزار برس کی جنگ کی دعوت دی، اہرمن جس کو صرف ماضی کا علم تھا رضامند ہو گیا، اس کے بعد اہورا مزدا نے پیشینگوئی کی کہ اس جنگ کا خاتمہ عالم ظلمت کی شکست پر ہوگا، اس پر اہرمن خوف زدہ ہو کر دوبارہ ظلمت میں جا گرا اور تین ہزار سال تک وہاں بےحس و حرکت پڑا رہا، اس اثنا میں اہورا مزدا نے مخلوقات کو پیدا کرنا شروع کر دیا، سب سے آخر میں اس نے گائے یعنی گاوِ اوّلین اور سب سے پہلا دیو ہیکل انسان بنایا جس کا نام گیومرد (اوستا = گیا مَرَتن بمعنی حیاتِ فانی) تھا جو نوع بشر کا ابتدائی نمونہ تھا، تب اہرمن نے اہورا مزدا کی مخلوقات پر حملہ کر دیا، عناصر کو ناپاک کیا اور حشرات اور موذی قسم کے کیڑے مکوڑے پیدا کیے، اہورا مزدا نے آسمان کے آگے ایک خندق کھود دی لیکن اہرمن حملے پر حملہ کرتا رہا اور بالآخر اُس نے پہلے تو گائے کو اور پھر گیومرد کو مار ڈالا، لیکن گیومرد کے تخم سے جو زمین میں پنہاں تھا چالیس برس بعد ایک درخت اُگا جس میں سے سب سے پہلا انسانی جوڑا (مَشیگ اور مَشیانگ) پیدا ہوُا، غرض اس طرح سے نور و ظلمت کی آمیزش (گُمیزِشن) کا دور شروع ہوُا، خیر و شر کی اس جنگ میں انسان اپنے اچھے یا بُرے اعمال کے مطابق اہورا مزدا یا اہرمن کا مددگار ہے، جو لوگ نیکی کے راستے پر

چلینگے وہ مرنے کے بعد چنوت پُل پر سے آسانی کے ساتھ گذر کر بہشت میں جا داخل ہونگے لیکن جب بدکار لوگ اُس پر سے گذرنے لگینگے تو وہ پُل تنگ ہو کر تلوار کی دھار کی مانند باریک ہو جائیگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ نیچے دوزخ میں جا گرینگے اور وہاں اپنے گناہوں کے مطابق عذاب سہینگے، جن لوگوں کی نیکیاں اور گناہ برابر ہیں وہ ہمیستگان[۱] میں مقیم ہونگے جو ایک طرح کا "اعراف" ہے جہاں نہ جزا ہے نہ سزا، نوعِ بشر کی ابتدا کے تین ہزار سال بعد انسان کو سچا مذہب سکھانے کے لئے زرتشت کی بعثت ہوئی، اُس وقت دُنیا کی عمر کے صرف تین ہزار سال باقی تھے، ہر ہزار سال کے بعد ایک نجات دہندہ (سوشینس) بطریقِ اعجاز زرتشت کے تخم سے (جو ایک جھیل میں پوشیدہ ہے) پیدا ہوتا ہے، جس وقت تیسرا اور آخری نجات دہندہ پیدا ہوگا جو افضل طور پر سوشینس کہلاتا ہے تو خیر و شر میں آخری اور فیصلہ کن جنگ شروع ہو جائیگی اور تمام اساطیری ہیرو اور دیو باہم لڑنے کے لئے دوبارہ زندہ ہو جائینگے، تمام مردے اُٹھائے جائینگے اور دُمدار ستارہ گوچہر زمین پر آکر گریگا اور زمین کو اس شدت کی آگ لگیگی کہ تمام دھاتیں پگھل کر ایک آتشین سیلاب کی طرح روئے زمین پر پھیل جائینگی، تمام انسانوں کو جو زندہ ہونگے یا مُردوں سے زندہ کیے گئے ہوں گے اس سیلاب میں سے گذرنا پڑیگا جو نیکوں کے لئے گرم دودھ کی مانند (خوش آیند) ہوگا، اس امتحان کے بعد پاک و صاف ہو کر سب لوگ بہشت میں داخل ہونگے، خداؤں اور دیووں کی آخری جنگ کے بعد جس کا خاتمہ دیووں کی شکست اور تباہی پر ہوگا اہرمن ابدالآباد کے لئے تاریکی

[۱] اس لفظ کے اشتقاق کے لئے دیکھو نیبرگ کا مضمون جو "مجموعۂ مطالعات مشرقی بہ اعزاز دستور جی صاحب کُرزست جی ایرج جی پادری" میں شائع ہوا تھا (اکسفورڈ سنہ ۱۹۳۴ء)، ص ۲۴۶،

میں جا پڑیگا، زمین صاف اور ہموار ہو جائیگی اور دنیا اس طرح سے پاک ہونے کے بعد ہمیشہ کے لئے سکون و امن میں رہیگی، اس تجدیدِ دنیا کو فُرشگَرد (اوستا میں فُرشوکَرِتی) کہا گیا ہے[1]،

موسیو نیبرگ نے ایک سلسلۂ مضامین میں جو اُنھوں نے مجلۂ آسیائی[2] میں شائع کئے ہیں کمال ذہانت اور ژرف نگاہی کے ساتھ اُن پراگندہ اور اُلجھے ہوئے مطالب کو مرتب کیا ہے جو مسئلۂ آفرینشِ کائنات کے متعلق بُندَہشن کی ابتدائی فصلوں میں پائے جاتے ہیں[3] منجملہ اور باتوں کے انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ "ایرانی" "بُندَہِشن"[4] کے پہلے باب میں ایک خاصی طویل عبارت جس میں زُروانی عقاید بیان ہوئے ہیں بعد میں اضافہ کی گئی ہے لیکن پھر کسی غیر زُروانی قلم نے اس میں کہیں کہیں اپنے عقیدے کے مطابق تصرفات کیے ہیں، یہ عبارت بقول نیبرگ اُس اصل نسخے میں موجود تھی جس سے ایرانی اور ہندوستانی بُندہِشن دونو مأخوذ ہیں اس لئے کہ اس کے آثار "ہندوستانی" "بُندہشن میں اب تک موجود ہیں[5]،

---

[1] اس مذہبی اصطلاح کے معنی غالباً "تبدیل ہیئت" کے ہیں، (شیڈر: "نظام مذہب مانوی" ص ۱۴۱، [2] نیبرگ: "مجلۂ آسیائی" (J. A.) سنہ ۱۹۳۱ء ص ۸۶ ببعد وغیرہ)، [2] (J. A.) مضمون نمبر ۱، رسالہ مذکور بابت سنہ ۱۹۲۹ء ص ۱۹۳ ببعد، مضمون نمبر ۲ سنہ ۱۹۳۱ء ص ۱ ببعد و ص ۱۹۳ ببعد،

[3] سب سے پہلے مضمون میں مصنف نے بندہشن کی پہلی اور تیسری فصل کا ترجمہ دیا ہے اور تتمے کے طور پر کتاب مینوگِ خرُد کے بعض مقامات نقل کئے ہیں، اس کے بعد کسی سریانی کتاب کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے جو بظاہر ساسانی عہد کی تصنیف ہے، (مضمون نمبر ۲، ص ۸۵)، [4] "ایرانی" اور "ہندوستانی" بندہشن کے متعلق دیکھو اوپر ص ۶۶، ح ۱ ، [5] نیبرگ نے جو مقامات نقل کئے ہیں ان میں بعض جگہ میرے نزدیک مفہوم مختلف ہے لیکن ان جزئی اختلافات سے ان کے اہم مطالب میں چنداں خلل نہیں پڑتا،

زُروانی عقیدے کے متعلق ہم نے مجمل طور پر اس کتاب کی تمہید میں چند باتیں بیان کی ہیں[1]، اب ہم زیادہ تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کرتے ہیں،

اوستا کے باب گاتھا (یاسنا، ۳۰، ۳) میں روح خیر اور روح شر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ "دو ابتدائی روحیں ہیں جن کا نام توأمانِ اعلیٰ ہے"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زرتشت نے ایک قدیم تر اصل کو جوان دونو روحوں کا باپ ہے تسلیم کیا ہے لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اُس نے اس باپ کا کیا نام لیا ہے[2]، ارسطو کے ایک شاگرد یوڈیموس روڈیوس[3] کی ایک روایت کے مطابق[4] ہخامنشیوں کے زمانے میں اس خدائے اوّلین کی نوعیّت کے بارے میں بہت اختلافات تھے اور علم نجوم اور الٰہیات میں اس کے متعلق بہت سے قیاسات اور مباحثات تھے، بعض اس کو "مکان" (تھواشَ بزبانِ اوستائی) سمجھتے تھے اور بعض اس کو "زمان" (زُرْوَنْ بزبانِ اوستائی و زُروان یا زَرْوان بزبانِ پہلوی) تصوّر کرتے تھے، بالآخر دوسرا عقیدہ غالب آیا اور اس زُروانی عقیدے کو متھرا پرستوں نے بھی اختیار کرلیا، کماژین[5] کے بادشاہ انٹیوکس اوّل[6] کے ایک کتبے میں (جس کا ذکر اوپر تمہید میں آچکا ہے[7] اور آگے چل کر بھی آئیگا) زُرْوَنْ اَکَرَنَ (زمانِ نامحدود) کو یونانی الفاظ "کرونوس اپیروس" میں ادا کیا گیا ہے، مانی پیغمبر نے جو شروع کے

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۳۶، نیز دیکھو بین وَنِشت (Benveniste): "مذہب ایرانی" (بزبان انگریزی)، باب چہارم، مجلّۂ آسیائی سنہ ۱۹۲۹ع، ص ۲۸۷ ببعد، نیز مضامین نیبرگ مذکورہ بالا، وغیرہ،

[2] نیبرگ کا خیال ہے (مضمون نمبر ۲ ص ۱۱۳ ببعد) کہ باپ خود اہورا مزدا ہے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ پھر وہ روحِ خیر نہیں ہو سکتا (دیکھو اوپر، ص ۳۲)، [3] Eudemos Rhodios، [4] دیکھو ڈماسیوس (Damascios)، طبع روئل (Ruelle) ج ۱، ص ۳۲۲، [5] Commagene

[6] Antiochus I.، [7] ص ۳۷-۳۸

ساسانی بادشاہوں کے زمانے میں اپنے نئے مذہب کی دعوت دے رہا تھا اپنی تعلیم کو اُس زمانے کے زرتشتی عقاید کے ساتھ موافق بنانے کی خاطر خدائے برتر کو زُروان کے نام سے موسوم کیا،

اس بات کا ثبوت کہ ساسانیوں کی مزدائیت زُروان پرستی کی شکل میں مروّج تھی نہ صرف اشخاص کے ناموں کی کثیر تعداد سے ملتا ہے جو ساسانیوں کے زمانے میں لفظ زُروان کے ساتھ مرکّب پائے جاتے ہیں[1] بلکہ اُن بے شمار مقامات سے بھی جو یونانی، ارمنی اور سریانی مصنّفین کی کتابوں میں ملتے ہیں[2] ان مصنّفین میں سب سے قدیم تھیوڈور آف موپسیوئسٹ[3] ہے جو تقریباً سنہ ۳۶۰ء - سنہ ۴۲۸ء میں گذرا ہے، تھیوڈور کی تصنیف تو ضائع ہو چکی ہے لیکن مؤرخ فوتیوس نے اس میں سے ایک مختصر سا اقتباس دیا ہے، وہ لکھتا ہے[4] کہ "اپنی کتاب کے جزء اوّل میں اس نے (یعنی تھیوڈور نے) ایرانیوں کے نفرت انگیز عقیدے کو بیان کیا ہے جو زردس (زرتشت) نے رائج کیا تھا، یہ عقیدہ زَرُوَرَم (زُروان) کے متعلق ہے جس کو اُس نے سارے جہان کا بادشاہ بتایا ہے اور جس کو وہ قضا و قدر بھی کہتا ہے، زرورم نے قربانی دی تاکہ اس کے بیٹا ہو، تب اُس کا بیٹا ہُرمزدس (اہورامزد) پیدا ہوا لیکن اس کے ساتھ اس کا دوسرا بیٹا شیطان بھی پیدا ہوا..."

آرمینیہ کے عیسائی مصنّف ازنیک[5] اور ایلیزے[6] (پانچویں صدی)،

---

[1] ویزندونک (Wesendonk) "تعلیم زرتشت کی نوعیت" (لیپزگ سنہ ۱۹۲۷ء)، ص ۱۹،

[2] کرسٹن سین: "ایران قدیم کی زرتشتیت پر تحقیقات" (فرانسیسی)، ص ۴۸ بعد،

[3] Theodore of Mopsueste [4] ص ۸۱، [5] Eznik. طبع لانگلوا، ص ۳۷۵،

[6] Elisée طبع ایضاً ص ۱۹۰، مہر نرسی کے فرمان کی تنقید جو ایلیزے نے کی ہے اس کے متعلق دیکھو

آگے باب ششم،

بطریق مار ابہا[1] (چھٹی صدی)، سریانی مصنفین آذر ہرمزد اور اناہیذ جنھوں نے ایک بڑے زرتشتی موبد کے مقابلے پر (پانچویں صدی میں یا اس کے کچھ بعد) تحریری مباحثے لکھے ہیں[2]، سریانی مصنف تھیوڈور بار کونائی[3] (آٹھویں یا نویں صدی) اور وہ گمنام سریانی مصنف جس کی کتاب کا اقتباس موسیو نیبرگ نے مع ترجمہ شائع کیا ہے[4] ان سب نے مسئلۂ آفرینشِ کائنات کا قصہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے اصلی یعنی زُرْوان ہزار سال تک قربانیاں دیتا رہا تا کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہو جس کا نام وہ اہورمزد رکھے لیکن ہزار سال کے بعد اس کے دل میں شک پیدا ہونا شروع ہوا کہ اس کی قربانیاں کارگر نہیں ہوئیں، تب اس کے . . . . دو بیٹے موجود ہو گئے ایک اہورمزد جو اس کی قربانیوں کا نتیجہ تھا اور دوسرا اہرمن جو اس کے شک کا نتیجہ تھا، زژوان نے وعدہ کیا کہ میں دنیا کی بادشاہی اس کو دونگا جو پہلے میرے سامنے آئیگا، تب اہرمن . . . . اس کے سامنے آگیا، زُژوان نے پوچھا تو کون ہے؟ اہرمن نے جواب دیا میں تیرا بیٹا ہوں، زژوان نے کہا میرا بیٹا تو معطر اور نورانی ہونا چاہئے اور تو متعفن اور ظلمانی ہے، تب اہورمزد معطر اور نورانی جسم کے ساتھ پیدا ہوا، زژوان نے اُسے بطور اپنے فرزند کے شناخت کیا اور اس سے کہا کہ اب تک تو میں تیرے لئے قربانیاں دیتا رہا اب آیندہ چاہئے کہ تو میرے لئے قربانیاں دے، اہرمن نے باپ کو اس کا وعدہ یاد دلایا کہ تو نے کہا تھا کہ جو پہلے میرے سامنے آئیگا اس کو بادشاہ بناؤنگا،

---

[1] طبع سخاو، ص ۲۶۵، [2] نولدکہ: "ایرانی مذہب کے ساتھ سریانی مناظرہ" ص ۲۴ ببعد،
[3] پوئیوں (Pognon): "پیالہ ہائے خوابر کے ماندانی کتبے" ص ۱۰۵ ببعد (بزبان فرانسیسی)، بین ورنست: "رسالۂ مشرقی دنیا" (Monde Orientale) سنہ ۱۹۳۲ء ص ۱۷۰ ببعد، [4] مضمون نمبر ا ص ۲۳۸ ببعد،

زروان نے کہا کہ میں نو ہزار سال کی بادشاہی تجھے دیتا ہوں[1] لیکن اس مدت کے گذرنے کے بعد اہورمزد اکیلا سلطنت کریگا،

کائنات کی مدتِ عمر کے بارے میں ہمارے مآخذ میں اختلافات ہیں، کہیں وہ نو ہزار سال اور کہیں بارہ ہزار سال بتلائی گئی ہے، بین ونِنست کا خیال ہے[2] کہ نو ہزار سال زُروانی عقیدے کے مطابق ہے اور بارہ ہزار سال غیر زُروانی مزدائیوں کا عقیدہ ہے، برخلاف اس کے نیبرگ کی رائے ہے[3] کہ کائنات کی مدتِ عمر زُروانی عقیدے کے مطابق بارہ ہزار سال ہے اور غیر زُروانی مزدائیوں کے نزدیک نو ہزار سال ہے اگرچہ کتاب بُندہِشن کے غیر زُروانی اجزا میں بھی بارہ ہزار سال کی تصریح موجود ہے، میری اپنی رائے یہ ہے کہ مدت کا یہ اختلاف زُروانی یا غیر زروانی عقیدے کا اختلاف نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ زروانیوں نے بھی اور غیر زروانیوں نے بھی وہ تین ہزار سال کی مدت جس میں کائنات جنینی حالت میں تھی کبھی شمار کی ہے اور کبھی نہیں کی، تمام روایات میں خواہ زُروانی ہوں یا غیر زروانی مدتِ جنگ کو نو ہزار سال بتلایا گیا ہے، لیکن اگر (جیسا کہ ازنیک اور ایلیزے لکھ رہے ہیں) اہرمن اور اہورمزد کی پیدائش سے پہلے زروان ہزار سال تک قربانیاں دیتا رہا تو پھر یہ ظاہر ہے کہ زروانی عقیدے کے مطابق نو ہزار سال کی مدت سے پہلے ایک ہزار سال کا عرصہ کائنات کی عمر میں اور زیادہ تھا،

---

[1] نیبرگ کی تعبیر کے مطابق اس مدت میں اہورمزد مسلسل اس پر فائق اور بالادست رہا (مضمون نمبر۲ ص ۷۳)، [2] "ایرانی مذہب از روئے کتب یونانی" (بزبان انگریزی)، باب چہارم،
[3] مضمون نمبر۲ ص ۲۳۲ بلعد،

اس سے معلوم ہوُا کہ کائنات کا وہ تصوّر جو زُروانیوں کا تھا عہد ساسانی کی زرتشتیت پر غالب تھا چنانچہ عیسائی مصنّفین نے آفرینشِ کائنات کا جو قصّہ اوپر بیان کیا ہے اس میں ہم وہ تصوّر ایک عامیانہ اور نامہذّب شکل میں پاتے ہیں، زُروانیوں کے علم دینیات کے متعلق اطّلاعات حاصل کرنے کے لیے پہلوی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جیسا کہ نیبرگ نے کیا ہے خصوصاً کتاب بُندہشن جس کے "ایرانی" نسخے میں زُروانی عبارات محفوظ ہیں، اس کے علاوہ کتاب مینوگِ خرَد ہے جو زُروانی تصنیف ہے لیکن اس میں علم کائنات کے مسائل کو صرف کہیں کہیں چھوُا گیا ہے[1]، کائنات (جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا شروع میں جنینی یا امکانی حالت (مینوگیہا) میں تھی، اس مدّت میں صرف زُروان (جس کو زمان اور قضا و قدر بھی کہا گیا ہے) ایک مؤثر ہستی رکھتا تھا، بقول شہرستانی[2] زروانیوں کا یہ دعوےٰ تھا کہ نورِ ازلی نے متعدّد اشخاص پیدا کیے جو سب کے سب نور ہی سے پیدا کیے گئے تھے اور روحانی طینت رکھتے تھے، ان میں سب سے بزرگ زُروان تھا، شہرستانی کے اس غیر واضح بیان کا مقابلہ ایک اور اطّلاع کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جو ہم کو بعض سریانی مصنّفین مثلاً تھیوڈور بارکونائی، آذرہرمزد اور اُس گمنام مصنّف کے ہاں جس کا اوپر ذکر ہوُا ملتی ہے[3]، وہ یہ کہ پیروانِ زرتشت

[1] آفرینشِ کائنات کا زروانی عقیدہ ایک اور پہلوی کتاب میں بیان کیا گیا تھا جو اب موجود نہیں ہے لیکن اس کا فارسی ترجمہ موسوم بہ "علمائے اسلام" موجود ہے جس کو موسیو بلوشے نے سلسلۂ "کتب تبصرۂ تاریخ مذاہب" (RHR) میں شائع کیا ہے، (دیکھو اڈیشن مذکور کا صفحہ ۴۰، نیز ویسٹ کا مضمون گرُونڈرِس Grundriss میں ج ۲، ص ۱۲۳)، مقابلہ کرو بارتھولمی: "فہرست مخطوطات زند" ص ۱۵۲ بعد، [2] طبع لنڈن ص ۱۸۳، [3] پوگنیوں، کتاب مذکور، ص ۱۶۲، نولڈکہ: "سریانی مناظرہ" ص ۳۵-۳۶، نیبرگ مضمون نمبر ا ص ۲۴۰-۲۴۱،

عناصر اربعہ کی طرح اصول اربعہ یعنی اشوکار، فرشوکار، زروکار اور زروان کو مانتے تھے[1] جن میں سے آخری (زروان) اہورمزد (اور اہرمن) کا باپ تھا، بقول مصنف گمنام اہورمزد کا باپ فرشوکار تھا، نیبرگ نے شیڈر کی قیمتی تحقیقات[2] پر تکیہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ زروان کو خدائے چہار صورت تصور کیا گیا ہے یعنی اس طرح کہ تین تین ناموں کے کئی سلسلے بنائے گئے ہیں ہر ایک سلسلے میں "زروان بلحاظ اپنے افعال و صفات کے تین مظہروں میں تصور کیا گیا ہے اور چوتھی خود اس کی ذات شامل ہو کر ایک چوکڑی بن جاتی ہے[3]" ان چوکڑیوں میں زروان کو کبھی متعلق بہ فلک اور کبھی خدائے قضا و قدر تصور کیا جاتا ہے اور بعض روایات میں یہ دو نقطۂ نظر ملا دیے گئے ہیں، بقول نیبرگ ان چوکڑیوں کے علاوہ ایک وہ ہے جس کو سریانی مصنفین نے بیان کیا ہے اور جس کو نیبرگ نے "اربعۂ زروانی ارضی" کے نام سے موسوم کیا ہے، بالفاظ دیگر وہ اربعۂ منازلِ حیات ہے: اشوکار (بجاے ارشوکار) بمعنی "بخشندۂ رجولیت و توانائی"۔ فرشوکار بمعنی "درخشاں کنندہ" اور زروکار بمعنی "بخشندۂ پیری"۔ مطلب ان تین مظاہر سے یہ ہے کہ زروان کی ذات منازل حیات کی تین حالتوں کی جامع ہے یعنی جوانی، ادھیڑپن اور بڑھاپا[4]،

ایک اور نقطۂ نظر ہے جس میں زروان دو صورتوں میں جلوہ گر ہوتا ہے، ایک تو وہ زروان اکنارگ (زمانِ ابدی و نامحدود) ہے اور دوسرے وہ

---

[1] تھیوڈور بارکونائی (نیبرگ، مضمون نمبر۲، ص ۸۵)، [2] "نظام ہائے مذہب مانوی کی ابتداء ...." (بزبان جرمن) ص ۱۳۵ بعد، [3] مضمون نمبر۲ ص ۱۰۸، [4] نیبرگ مضمون نمبر۲ ص ۸۶ بعد و ۱۰۷ بعد، بین ونیشت و رنو (Renou) "ورترا و ورترغنا" (پیرس سنہ ۱۹۳۴ء) ص ۶۴ بعد، رسالہ "مشرقی دنیا" (فرانسیسی) سنہ ۱۹۳۲ء ص ۱۷۶،

زُرْوان دیرنگ خُوَذای (زمانِ طویل التسلّط) ہے یعنی وہ کائنات کی بارہ ہزار سال کی مدّتِ عمر کا حاکم ہے،[۱]

قدیم عامیانہ اساطیر میں زروان کو نر و مادہ کا مرکّب تصوّر کیا گیا ہے لیکن زمانۂ متأخر کی ایک روایت کی رو سے اس کی بیوی ہے جس کا نام خُوَشیزگ ہے جس کو نیبرگ نے بجا طور سے لفظ "خوش" کی تصغیر بتلایا ہے جس کے معنے "عمدہ" یا "خوبصورت" کے ہیں۔[۲] زروان کے . . . . توأم بیٹے اہرمن اور اہورمزد یعنی رُوحِ خیر و رُوحِ شر یا نور و ظلمت پیدا ہوئے لیکن اہرمن چونکہ پہلے پیدا ہوا لہذا وہ شروع ہی سے دنیا کی سلطنت کا مالک بن گیا اور اہورمزد مجبور ہوا کہ سلطنت کو حاصل کرنے کے لئے اس کے ساتھ جنگ کرے[۳]، روحِ شر کے تقدّم اور اوّلیّت کا یہ عقیدہ قنوطیّت پر مبنی ہے اور اس لحاظ سے وہ عرفانیوں کے عقیدے سے مشابہ ہے[۴] اور زرتشتیت کی اصولی نوعیّت کے بالکل خلاف ہے جو ہم کو گاتھاؤں میں نظر آتی ہے، لیکن مختلف مذہبی جماعتوں کے خیالات و عقاید میں جو تباین ہے اس کو مٹانے کی کوشش مختلف طریقوں سے کی گئی ہے، کبھی یہ کہا گیا ہے کہ اہرمن اپنے تسلّط کے زمانے میں اہورمزد

---

[۱] نیبرگ، مضمون نمبر ۲، ص ۱۱۰، [۲] سُغدی زبان میں کسی مانوی کتاب کا ایک جزء موجود ہے (میولر Müller : "مخطوطات مانوی" حصہ دوم ص ۱۰۱ و ۱۰۲) جس میں "زندوں کی ماں" یعنی بادشاہِ نور (زُرْوان) کی بیوی اور انسانِ اوّلین (اہورامزد) کی ماں کا نام "رام راتُخ" لکھا ہے جس کے معنی "بخشندۂ مسرّت" کے ہیں، (بین ونِشت: "رسالۂ مشرقی دُنیا" ۱۹۳۲ء ص ۱۸۳)

[۳] جنگ برادرانِ توأم (نیبرگ، مضمون نمبر ۲، ص ۱۱۱ ببعد)، نیز مقابلہ کرو کرسٹن سین کا مضمون بزبانِ ڈنمارکی جو اس نے تین بھائیوں اور دو بھائیوں کے افسانوں پر لکھا ہے جو قبائل و اقوام کی ابتدا کے متعلق ہیں، [۴] نیبرگ، مضمون نمبر ۲، ص ۷۹ ببعد،

کا ماتحت اور تابع تھا[1] اور کبھی اہرمن کی سلطنت کو زمانۂ جنگ کے ابتدائی تین ہزار سال پر محدود کیا گیا ہے، زروانیوں کے عام اعتقاد کی رو سے اہرمن تین ہزار سال تک حکمران رہا پھر تین ہزار سال تک اہرمن اور اہورمزد کی کی طاقت برابر رہی لیکن آخری تین ہزار سال میں اہورمزد اہرمن پر غالب رہا، یہ آخری تین ہزار سال کا عرصہ زرتشت کے ظہور سے شروع ہوتا ہے اور اُس آخری اور فیصلہ کن جنگ پر ختم ہوگا جس میں اہرمن شکست کھا کر ہمیشہ کے لئے مغلوب ہو جائیگا اور کائنات کی "تبدیل ہیئت" شروع ہوگی، اس اہم مسئلے پر غیر زروانی مزدائیوں کی رائے کتاب بُندہشن کے پہلے باب میں بیان کی گئی ہے اور وہ بہ عبارت ذیل ہے[2]:-

"اہورمزد کو اپنے علم ازلی کی بدولت معلوم تھا کہ نو ہزار سال میں سے تین ہزار سال وہ بغیر کسی حریف و مدعی کے سلطنت کریگا، پھر تین ہزار سال کی مدت میں جو کہ آمیزش کا دور ہوگا اہورمزد اور اہرمن ساتھ ساتھ حکومت کرینگے لیکن جنگِ اخیر میں وہ روحِ شر کو مغلوب کرلیگا[3]"۔

---

[1] بااین ہمہ اس مسئلہ پر مؤرخ ازنیک کے متن کی جو تاویل نیبرگ نے کی ہے وہ میرے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، [2] نیبرگ مضمون نمبر ۱ ص ۲۱۰، مضمون نمبر ۲، ص ۲۳۲، [3] اس مسئلہ پر اکثر بحث کی گئی ہے کہ ایرانیوں کے مذہب کے متعلق قدیم مؤرخوں نے جو کچھ لکھا ہے (مثلاً تھیوپومپ کا بیان جو پلوٹارک کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے) آیا وہ مزدائیت کے متعلق ہے یا زروانیت کے متعلق (دیکھو بین ونشت: "مذہب ایرانیان" ۶۹ بعد، و مجلۂ آسیائی سنہ ۱۹۲۹ء ص ۲۸۷ بعد و نیبرگ مضمون نمبر ۲ ص ۲۲۳ بعد)، میری رائے میں مزدائیت اور زروانیت دو الگ الگ مذہب نہیں ہیں، زروانیت آفرینش کائنات کے متعلق محض ایک خاص مسلک کا نام ہے جس میں کسی حد تک مسائل حیات کے متعلق اعتقادات شامل ہیں، یہ مسلک ممکن ہے کہ مزدائیت بلکہ مذہب مہر پرستی (میتھرائیت) اور مانویت وغیرہ میں بھی موجود ہو، چنانچہ سابق میں ایک زروانی مزدائیت اور ایک غیر زروانی مزدائیت کا وجود تھا (دیکھو میرا مضمون رسالہ "مشرقی دنیا" میں بابت سنہ ۱۹۲۱ء ص ۳۲ بعد، نیز بین ونشت کی رائے

ہم اوپر اس بات کو دیکھ چکے ہیں کہ ہخامنشیوں کے زمانے سے کائنات کے مبدأ اصلی کے بارے میں دو مختلف رائیں تھیں ؛ بعض کے نزدیک وہ زمان (زروان) تھا اور بعض کے نزدیک مکان (تھُواشَ)، موسیو نیبرگ نے قوی دلائل کے ساتھ اس نظریے کو ثابت کیا ہے کہ تھُواشَ، وَیُو (بمعنی ہوا یا فضا) کا مترادف ہے جو پہلوی میں وای ہے، نیز یہ کہ اوستا میں مذہبِ "وای پرستی" کے بعض آثار (جو زروانیت کا مدّمقابل تھا) اب تک موجود ہیں[1]،

زروانی مذہب سلطنتِ ساسانی کے خاتمے کے بعد متروک ہو گیا، اس کی وجوہات ہم آگے چل کر بیان کرینگے[2]، اور اگرچہ عہدِ ساسانی کے بعد کے مصنفوں نے اپنی پہلوی کتابوں میں مذہبی روایات کو معیّن کرنے میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ زروانی عقاید کو بالکل حذف کر دیں تاہم اُن کے کافی آثار باقی رہ گئے ہیں،

تھیوڈور بارکونائی، اہورامزد اور اہرمن کی پیدائش کا زروانی افسانہ بیان کرنے اور اُس اچھی اور بری مخلوقات کا ذکر کرنے کے بعد جو ان دونو نے علی الترتیب پیدا کی لکھتا ہے[3] کہ "جب اہورمزد نے نیک لوگوں کو عورتیں بخشیں تو وہ بھاگ کر شیطان (اہرمن) کے پاس چلی گئیں، جب اہورمزد نے نیکوں کو امن اور سعادتمندی عطا کی تو شیطان نے بھی عورتوں کو سعادتمند بنایا اور اُنہیں اجازت دی کہ جو وہ چاہیں اس سے طلب کریں، اہورمزد کو اندیشہ ہُوا کہ کہیں وہ نیکوں

---

[1] نیبرگ، مضمون نمبر ۲ ص ۱۰۳-۱۰۴، وای دیوتا کے متعلق زرتشتی افسانے کے لئے دیکھو کرسٹن سین: "کیانیان" ص ۹۱-۹۲، [2] باب ہشتم کے آخر میں،

[3] پونیون: "کتبہ ہائے ماندائی.." ص ۱۶۳،

کے ساتھ رفاقت طلب نہ کر بیٹھیں جس سے ان پر (نیکوں پر) عذاب نازل ہو، تب اس نے ایک تدبیر سوچی اور ایک خدا نرسائی نام پیدا کیا جو پانچسو سالہ جوان تھا[1] اور اس کو . . . . شیطان کے پیچھے لگا دیا تاکہ عورتیں . . . . اُسے شیطان سے طلب کریں، عورتوں نے شیطان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور اس سے کہنے لگیں: "اے شیطان، اے ہمارے باپ! نرسائی خدا ہم کو عطا کر دے[2]"۔

اس افسانے میں فطرتِ نسوانی کا جو تصوّر ہے وہ مذہب زرتشت میں ہمارے لئے تعجّب کا باعث ہے لیکن نیبرگ نے نہایت باریک بینی کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ اُسی میلانِ قنوطیت کا نتیجہ ہے جو زروانی عقاید کی خصوصیت ہے[3]

اس کے بعد تھیوڈور بعض اور ایرانی افسانوں کی طرف اشارے کرتا ہے لیکن ایسے الفاظ میں جو نہایت مبہم ہیں، مثلاً: زمین ایک نوجوان دوشیزہ تھی جو پریسگ کے ساتھ منسوب تھی، آگ ذی عقل تھی اور گون رپ (جنگلوں کی رطوبت) کے ساتھ مصاجبت رکھتی تھی، پریسگ کبھی فاختہ کبھی چیونٹی اور کبھی بڈھے کتّے کی شکل میں جلوہ گر ہوتا تھا، گوم کبھی مچھلی اور کبھی مرغا ہوتا تھا اور پریسگ کا خیر مقدم کیا کرتا تھا، کیکوُ اوُزُ ایک پہاڑی مینڈھا تھا جو اپنے سینگوں سے

---

[1] یہ نیریوسنگ کا ذکر ہو رہا ہے، اوستائی زبان میں وہ نائریوسنہا ہے اور وہ خداؤں کا قاصد ہے "جو دنیا کو ترقی کے راستے پر چلاتا ہے"۔ وہ ایک مقبول عام دیوتا ہے جس کا ذکر پہلوی کتابوں میں اکثر آتا ہے، دیکھو کرسٹن سین: کیانیان ص ۵۸، ۹۸، ۱۰۲، کیوموں (Cumont): "مانویت پر تحقیقات" ص ۶۱ ببعد، [2] یہی مضمون آفرینشِ کائنات کے مانوی عقیدے میں بھی ملتا ہے، دیکھو باب چہارم،

[3] سطور مندرجہ بالا کے لکھ چکنے کے بعد مجھے موسیو بین وینشت کے مضمون کا علم ہوا جس کا حوالہ کئی جگہ دیا گیا ہے، اس کا عنوان "دین زرتشت کے متعلق تھیوڈور بارکونائی کی شہادت" ہے (رسالہ "مشرقی دنیا" سنہ ۱۹۳۲ء) اس مضمون میں عورت کی شیطانی فطرت کے متعلق زروانی عقاید پر بہت تعمق کے ساتھ بحث کی گئی ہے (ص ۱۸۵ ببعد)،

آسمان کو مارنا تھا، زمین اور گوگی نے آسمان کو نگل جانے کی دھمکی دی[1]، وغیرہ،

سریانی زبان میں کتبِ وقائع شہدائے ایران کے سلسلے میں ایک کتاب تاریخ سابہا ہے[2] جس میں ایک موبد اپنے خداؤں کا شمار کرتے ہوئے کہتا ہے "ہمارے خدا زیوس، کرونوس، اپولو، بیدوخ اور دوسرے خدا"۔ ملاحظہ ہو کہ یہ زروانی خداؤں کی ایک اور چوکڑی ہے، زیوس، کرونوس اور اپولو علی الترتیب اہورمزد، زروان اور منتھرا ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ بیدوخ کونسا خدا ہے جس کا سریانی مصنف نے ذکر کیا ہے؟ ظاہراً اس نام کی پہلوی شکل بیدُخت ہے جس کے معنی "خدا کی (یا خداؤں کی) بیٹی" کے ہیں (بے = بگ بمعنی خدا در فارسیِ قدیم)، وقائع شہداء میں دوسری جگہ اس دیوی کا ایک سریانی نام دیا ہے جس کے معنی "ملکۂ آسمان" کے ہوتے ہیں[3]، نمرود داغ میں کماژین کے بادشاہ انٹیوکس اوّل[4] (۶۹ سنہ - ۳۴ سنہ ق.م) کے کتبے میں (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) چار خداؤں کا ذکر ہے (۱) زیوس اہورمزد (۲) اپولو منتھرا ہیلیوس ہرمیس (۳) وَرِثرغنا ہرکلیس ایریس (۴) "میرا نہایت زرخیز ملک کماژین"۔

---

[1] بین ونشت نے مذکورہ بالا مضمون میں (رسالہ مشرقی دنیا سنہ ۱۹۳۲ء ص ۱۹۲ بعد) ان مبہم عبارات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے، یہ باتیں جو تھیوڈور نے لکھی ہیں غالباً چہرداز نسک سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ اُن داستانوں اور افسانوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اساطیری تاریخ کے ایرانی مآخذ میں موجود ہیں، پریسگ "فراسیاگ" ہے جو اوستائی زبان میں فرنگ رَسْیَن اور فردوسی کے ہاں افراسیاب ہے، اگوم سے مراد ہاوُما دیوتا ہے جو پہلوی اور فارسی میں ہوم ہے، کیکوُاوُز کیکاؤس ہے، اگون رپ "گرشاسپ" کی بگڑی ہوئی شکل ہے (جو اوستا میں کرِساشپ ہے)، گوگی کے متعلق بین ونشت کا خیال ہے کہ وہ ایک دیو ہے جو مانوی مذہب میں گوُنی (اوستا: کوندی) کے نام سے معروف ہے، مزید تفصیل کے لئے مؤلف مذکور کے مضمون کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جس نے واقعی اس معمے کا حل دریافت کر لیا ہے، [2] ہوفمن، ص ۷۲،
[3] ہوفمن ص ۱۳۰، [4] Antiochus I.

شیڈر نے یہ ثابت کیا ہے[۱] کہ یہ خدایانِ چہارگانہ زروان کے قائم مقام ہیں جس کا نام اسی کتبے میں بزبان یونانی کرونوس اپیروس (زمانِ نامحدود) لکھا ہے، خداؤں کی یہ چوکڑی زروانیانِ ایران کی اُس چوکڑی کا جواب ہے جس کا چوتھا خدا "مزدائیتِ مجسّم" (دین مزدائیشن) ہے، اگر اس چوکڑی کا موازنہ ہم اُس چوکڑی کے ساتھ کریں جو تاریخ ساہنہا میں مذکور ہے اور یہ فرض کریں کہ زروان ورَترغنا کا قائم مقام ہے تو پھر "خدا کی بیٹی" بیُدخت "دینِ مزدائیشن" قرار پائیگی،

وقائع شہدائے ایران میں ایک اور دیوی ننا یا ننائی کا ذکر ہے جو غیر ایرانی الاصل ہے اور جس کو بظاہر اناہتا سمجھا گیا ہے[۲]، اس کی تصویر ہندو ساکائی (انڈوسکیتھین) سکّوں پر بھی پائی جاتی ہے[۳]، وقائع شہداء میں ایک مقام اور ہے[۴] جس میں یہ لکھا ہے کہ شاپور دوم نے اپنے سپہ سالار مُعاین کو جس کے متعلق اس کو عیسائی ہونے کا بجا شبہ تھا یہ حکم دیا کہ وہ سورج، چاند، آگ اور خدائے بزرگ زیئوس (اہورمزد) اور روئے زمین کی دیوی ننائی اور خدایانِ مقتدر بیل اور نبھو کی پرستش کرے، اس عبارت کو پڑھ کر طبعاً ایک شخص یہ خیال کرنے پر مائل ہوتا ہے کہ بیل اور نبھو کا نام لینے میں (جو اہلِ بابل کے دو مشہور دیوتا ہیں) مصنّف سے غلطی ہوئی ہے لیکن ہم یہاں یہ جتا دینا چاہتے ہیں کہ مؤرّخ تھیوفی لیکٹس نے متھرا اور بیل دونوں کو اہلِ ایران کے دیوتا لکھا

---

[۱] "ابتدائے نظامہائے مذہب مانوی . . ." (جرمن) ص ۱۳۸ ببعد، مقابلہ کرو نیبرگ مضمون نمبر ۲، ص ۴۹ و ۱۲۶، [۲] ہوفمن ص ۴۹، نیز ص ۱۳۰ ببعد، ویزنڈونک (Wesendonk) "ایرانیوں کا تصوّرِ کائنات" (بزبان جرمن)، سنہ ۱۹۳۳ء، ص ۱۴۵ - ۱۴۶ و ح ۲۱۰،

[۳] دیکھو اوپر ص ۳۲، [۴] ہوفمن ص ۲۹،

ہے[۱]، اسی سلسلے میں ہم کو ایک آرامی کتبے کا ذکر بھی کرنا چاہیئے جو مقام عربسون (ولایت کاپاڈوکیہ[۲]) میں پایا گیا ہے اور غالباً دوسری صدی قبل مسیح کا ہے، موسیو شیڈر نے انٹیوکس اوّل (شاہ کماژین) کے کتبے کے سلسلے میں اس کتبے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے[۳] اور کہا ہے کہ یہ کتبہ حقیقت میں ایرانی مذہب کے کاپاڈوکیہ میں وارد ہونے کا اعلان ہے جس کو اس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ مقامی خدا بیل نے دین مزدایئشن سے (جس کو عورت تصوّر کیا گیا ہے) شادی کر لی، ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ مختلف آرامی مذاہب کا اثر زروانی زرتشتیت پر کہاں تک ہُوا لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ اُن پارسی علمائے مذہب کو جو عہد ساسانی کے بعد ہوئے ہیں نہ بیدخت کا اور نہ دوسرے معبودوں یعنی ننائی، بیل اور نبُو کا علم تھا،

مذہب ساسانی پر اس مختصر بحث کو ختم کرنے سے پہلے ہم موسیو نیبرگ کے ایک نہایت اہم اور دانشمندانہ مشاہدے کو بیان کرتے ہیں[۴]، زرتشتی مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک دن کسی نہ کسی معبود کے نام پر ہے، ان تیس دنوں کے نام کتاب بُندہِشن کے باب اوّل کے آخر میں دیے ہیں لیکن باب سوم میں ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے جس کے مطابق ان تیس دنوں کو چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے، وہ تقسیم حسب ذیل ہے :-

---

[۱] ج ۴ ص ۱۶، [۲] ایشیائے کوچک میں (مترجم)

[۳] کتاب مذکور ص ۱۳۷ مقابلہ کرو نیبرگ مضمون ۲، ص ۴۹،

[۴] مضمون نمبر۲، ص ۱۲۸ ببعد،

۱-اہورمزد	۲- آذر	۳- مہر	۴- دین
وہمن	آبان	سُروش	اَرْد
اُرْدْوَہِشْت	خُوَرْ	رَشْن	اَشْتاذ
شہریور	ماہ	فَرْوَرْدین	اَسْمان
سپندارمذ	تیر	وَرْہران	زام داذ
خُوَرْداذ	گوش	رام	مہرسپند
اَمُرْداذ	دَذْو	واذ	اَنْگران
دَذْو		دَذْو	

دَذْو جو پہلی، دوسری اور تیسری فہرست کا آخری نام ہے وہ "خالق" ہے (دَذْوَہْ بزبان اوستائی)، پہلی فہرست میں اہورمزد اور چھ اَمْہرسپند (امیشہ سْپَنْتَ)[۱] ہیں، اہورمزد کو شروع اور آخر میں (بہ شکل دَذْو) رکھا گیا ہے، موسیو نیبرگ لکھتے ہیں[۲] کہ "ہمارا یہ خیال کرنا بجا ہوگا کہ باقی تین فہرستیں بھی پہلی کے اصول پر بنائی گئی ہیں کہ شروع میں خدائے خلّاق کا نام ہے اور بعد میں اس کے قوائے خلّاقہ کی فہرست ہے اور آخر میں دَذْو کا نام ہے جو ان تمام اسماء و صفات کا خلاصہ ہے۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ دوسری فہرست میں دذْو آذر کی فعالیّت کا خلاصہ ہے اور اسی طرح تیسری فہرست میں وہ مہر کی فعالیّت کا خلاصہ ہے، علیٰ ہذالقیاس چوتھی فہرست دین کی قوّت خلّاقی کی تفسیر ہے صرف فرق یہ ہے کہ اس فہرست کے آخر میں بطور خلاصہ دَذْو کا نام نہیں لکھا جس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ یہ فہرست اَنْگران کے نام

---

[۱] وُہُومنا، اشاوَہِشْتَ، کھشدزَرَوَیْریا، سْپَنْتَ آرمَیتی، ہوروتات، اَمُرتات، دیکھو اوپر ص ۲۲-۳۲
[۲] مضمون نمبر ۲ ص ۱۲۹ – ۱۳۰،

پر منتہی ہوتی ہے جو انوارِ نامحدود ہیں کہ خلق نہیں کیے گئے"۔ لہٰذا موسیو نیبرگ کی رائے میں اہورمزد اور نین دَذُو سے مراد اہورمزد، آذر (آگ)، مہر (متھرا) اور دین (دین مَزْدَیَسْن) ہے، ۔"لیکن یہ بیحد قرین قیاس ہے کہ یہاں غیر زروانی مزدائیوں نے زَرْوَنْ اَکَرْنَ کی بجائے اَنگران کو بطور بدل رکھ دیا ہو، پس زرتشتی معینہ مظاہرِ الوہیت کو پیش کرتا ہے جو چار خداؤں (اہورمزد، آذر، مہر، دین) اور ان کے قِوائے خلاّقہ پر مشتمل ہیں[1]" آگے چل کر موسیو نیبرگ اپنی بحث کو ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ فہرست بالکل اس فہرست کے مماثل ہے جو انٹیوکس کے کتبے میں ہے، جس میں (جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں) چار نام ہیں یعنی (۱) اہورمزد (۲) مہر، (۳) وَرْثرَان، (۴) ایک معبود جس کو ہم نے دین مزدیَسْن قرار دیا ہے، ان دو فہرستوں میں صرف ایک نام کا فرق ہے اور وہ وَرْثرَان ہے جس کی بجائے تقویم میں آذر کا نام ہے، لیکن یہ فرق صرف ظاہری ہے اور حقیقت میں یہ دونو نام ایک ہی ہیں، وَرْثرَان کو آگ کے ساتھ خاص نسبت ہے"۔ موسیو نیبرگ نے جو دلائل دیے ہیں ان پر ایک دلیل کا اور اضافہ کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ آتشکدوں کی آگ کو آتشِ وَرْثرَان (یا بشکلِ پہلویِ متأخرّ آتشِ وہرام) کہتے تھے[2]، موسیو نیبرگ نے تقویم زرتشتی سے جو نتائج نکالے ہیں وہ ہمارے سریانی اور ارمنی مآخذ کے بیانات کی بطریق احسن تائید کرتے ہیں، ان بیانات کی رو سے ساسانی خداؤں کے مجمع میں برترین خدا زروان، اہورمزد، خورشید (مہر، متھرا)، آتش (آذر) اور بیدخت (= دین مَزْدَیَسْن یعنی مزدائیت مجسّم) تھے،

---

[1] مضمون نمبر ۲، ص ۱۳۰، [2] دیکھو آگے، نیز بین ونِشْت "وَرْثرَ اور وَرِثرغنا" ص ۷۲،

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اردشیر اوّل کا دادا اصطخر میں اناہیتا کے معبد کا رئیس تھا اور یہ کہ ساسانی خاندان کو اس معبد کے ساتھ خاص لگاؤ تھا پس معلوم ہوا کہ خاص خاص دیوتاؤں کے خاص خاص معبد تھے۔ لیکن پھر بھی یہ قرین قیاس ہے کہ تمام معبد بطور عمومی تمام زرتشتی خداؤں کی پرستش کے لئے وقف تھے اور یہ کہ تمام معبد ایک ہی نقشے پر بنے ہوئے ہوتے تھے، عبادت کی مرکزی جگہ آتشگاہ تھی جس پر مقدّس آگ جلتی رہتی تھی، عام طور پر ہر آتشکدے کے آٹھ دروازے اور چند ہشت پہلو کمرے ہوتے تھے، اس نمونے کی عمارت شہر یزد کا قدیم آتشکدہ ہے جو آج بھی موجود ہے، مسعودی نے اصطخر کے قدیم آتشکدے کے کھنڈرات کا حال بیان کیا ہے[1] جس کو اس کے زمانے میں لوگ مسجدِ سلیمان سمجھتے تھے، وہ لکھتا ہے کہ "میں نے اس عمارت کو دیکھا ہے، اصطخر سے تقریباً ایک فرسخ کے فاصلے پر ہے، وہ ایک قابلِ تعریف عمارت اور ایک شاندار معبد ہے، اس کے ستون پتھر کے ایک ایک ٹکڑے سے تراش کر بنائے گئے ہیں جن کا طول و عرض حیرت انگیز ہے، ان ستونوں کے اوپر کے سرے پر گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کے عجیب و غریب بت نصب کئے گئے ہیں جن کی جسامت اور جن کی شکلیں حیرت میں ڈالنے والی ہیں، عمارت کے گرداگرد ایک وسیع خندق اور فصیل ہے جو پتھّر کی بھاری بھاری سلوں سے بنائی گئی ہے، اس پر برجستہ تصاویر نہایت کاریگری سے بنائی گئی ہیں، آس پاس کے رہنے والے لوگ ان کو پیغمبروں کی تصویریں سمجھتے ہیں"

نقش رستم میں شاہانِ ہخامنشی کے مقبروں کی منبّت کاری میں چند آتشگاہوں

---

[1] مروج الذہب، ج ۴، ص ۷۶ - ۷۷،

کی برجستہ تصویریں بنی ہوئی ہیں جن پر آگ جلتی ہوئی دکھائی گئی ہے، آتشگاہ کی شکل اُن قربانگاہوں کی نقل ہے جو اقوامِ مغربی ایشیا کے معبدوں میں پائی جاتی تھیں، وہ اصل میں میزیں ہوتی تھیں جن پر قربانیاں رکھ دی جاتی تھیں، نقش رستم میں دو بہت بڑی بڑی آتشگاہیں ایک صیقل شدہ چبوترے پر ایک چٹان میں سے تراش کر بنائی گئی ہیں، ان کا بالائی حصہ جو دندانہ دار ہے چار ستونوں پر دھرا ہوا معلوم ہوتا ہے جو پتھر میں سے تراش کر برجستہ بنائے گئے ہیں، لیکن آتشِ سرمدی کی حفاظت کے لئے ضروری تھا کہ اس پر کوئی ایسی تعمیر کر دی جائے جو اُسے مرورِ زمانہ کی آفات سے محفوظ رکھے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پتھر کی وہ عمارت جو نقش رستم میں شاہی مقبروں کے بالمقابل بنی ہوئی ہے اور جس میں مرورِ زمانہ سے گڑھے پڑ گئے ہیں آتشگاہ ہی کا نمونہ ہے[1]، وہ ہخامنشی زمانے کی بنی ہوئی ہے اور ایرانی اس کو "کعبۂ زرتشت" کہتے ہیں،

شریعت زرتشتی میں چونکہ یہ قاعدہ مسلّم ہو چکا تھا کہ سورج کی روشنی آتش مقدس پر نہیں پڑنی چاہئے لہذا نئی ساخت کے آتشکدے بننے لگے جن کے عین وسط میں ایک بالکل تاریک کمرہ بنایا جاتا تھا اور اس کے اندر آتشدان رکھا جاتا تھا، صوبۂ فارس کے فرترک (گورنر) جو شاہانِ سلوکی کے باجگذار تھے[2] ان کے سکّوں کے پشت کی جانب آتشکدے کی تصویر بنی ہوئی ہے (دیکھو تصویر)، تین آتشدان جو معمولاً آتشکدے کے اندر رکھے جاتے تھے وہ اس تصویر میں (دروازے کے) اوپر دکھائے گئے ہیں، بائیں طرف ایک پجاری کھڑا ہے اور دائیں طرف ایک جھنڈے کی شکل بنی ہے، اردشیر اوّل کے سکّوں میں آتشگاہ کی جزئیات نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہیں، نیچے تین پائے ہیں،

---

[1] موسیو زارہ (Sarre) کی بھی یہی رائے ہے ("صنعت ایرانیان قدیم" بزبان جرمن ص ۱۵) لیکن بعض لوگوں کی رائے میں وہ مقبرہ ہے، [2] دیکھو اوپر، ص ۱۰۷

جو یقیناً دھات کے بنے ہوئے ہیں اور ان پر ایک چبوترے کے اوپر آتش مقدس کے شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آرہے ہیں (دیکھو تصویر) لیکن اس کے جانشین شاپور اوّل کے سکّوں میں تین پائے تو غائب ہو گئے ہیں اور ان کی بجائے ایک بڑا مربع ستون ہے، آتشگاہ کے دونو طرف دو آدمی ہاتھ میں ایک لمبا عصا یا نیزہ لیے کھڑے ہیں، بعد کے تمام ساسانی بادشاہوں کے سکّوں پر آتش گاہ کا یہی نمونہ دیکھنے میں آتا ہے، بعض وقت آگ کے شعلوں میں ایک سر بنا ہوُا نظر آتا ہے جو غالباً آذر (خدائے آتش) کی تصویر ہے[۱]، (دیکھو تصویر) شروع کے بادشاہوں کے سکّوں پر (یزدگرد دوم کے زمانے تک) اکثر اوقات حاشیے پر لفظ "آتشِ ...." اور اس کے بعد مضاف الیہ کے طور پر صاحبِ سکّہ کا نام ضرب کیا ہوُا ہوتا ہے،

قدیم ایرانیوں میں جو حکومتِ خانوادگی کا نظام تھا اس کے مطابق آگ کے مختلف درجے تھے، یعنی آتشِ خانہ پھر آتشِ قبیلہ یا آتشِ دیہ (آذُران) پھر آتشِ ضلع یا ولایت جس کو آتشِ وَرَہران (= وہرام یا بہرام) کہتے تھے، آتشِ خانہ کی محافظت مان بذ (رئیسِ خانہ) کا کام تھا، آذُران کی نگہداشت کے لئے کم از کم دو ہیربد ضروری تھے لیکن آتشِ ورہران کی خدمت کے لئے ایک موبذ کے ماتحت ہیربدوں کی ایک جماعت مامور رہتی تھی[۲]، آگ کی پرستش کے قواعد کی تفصیل جس کے ساتھ چند افسانے تمثیل کے طور پر بیان ہوئے ہیں ساسانی اوستا کے ایک نسک میں دی گئی ہے جس کا نام سُوذ گر ہے[۳]، آتشکدے میں جہاں کی فضا لوبان کی

---

[۱] دیکھو زارہ — ہرتسفلت، "ایران کی منبّت کاری" (جرمن)، ص ۸۹ — ۹۱،
[۲] شپیگل (Spiegel): "ایران قدیم" ج ۳ ص ۳۷۵، بین ونشت. "ورترا د ورثرغنا" ص ۳۹ و ۷۲، [۳] دین کرد، ج ۹، ۱۲،



سلوکیوں کے عہد میں شاہان فارس کے
ایک سکے پر آتشکدہ کی تصویر



اردشیر اول کے سکے کی پشت پر
زرتشتی آتشدان کی تصویر



ا



ب



ج



د

ساسانی سکوں کی پشت پر آتشدانوں کے مختلف نمونے

(ا) و (ب)- سکہ ھای بہرام پنجم

(ج)- سکۂ شاپور دوم

(د) سکۂ شاپور اول

دھونی سے مہکتی رہتی تھی ہیربد اپنے منہ پر کپڑے کی ایک پٹی (پائتی دان بزبان اوستائی) باندھے ہوئے تاکہ اس کا سانس لگ کر آگ ناپاک نہ ہوجائے لکڑی کی چھپٹیاں جن کو خاص مذہبی رسوم سے پاک کیا جاتا تھا برابر آگ پر ڈالتا رہتا تھا تاکہ وہ جلتی رہے، منجملہ اور درختوں کے ایک خاص درخت (ہذانیئپتا) کی لکڑی جلائی جاتی تھی، ٹہنیوں کے ایک مٹھے کے ساتھ جو ایک خاص رسمِ مذہبی کے ساتھ کاٹا اور باندھا جاتا تھا اور جس کو بَرسَمَ کہتے تھے وہ آگ کو الٹ پلٹ کرتا رہتا تھا اور مقدس دعائیں برابر پڑھتا جاتا تھا، اس کے بعد ہیربدانِ آتشکدہ ہَوْمَ (ہَومَ) کا چڑھاوا چڑھاتے تھے وہ اس طرح کہ درخت ہَوْمَ کی شاخیں لے کر ان کو پہلے پاک کیا جاتا تھا پھر ہاون میں اُن کو کوٹا جاتا تھا اور کوٹنے کے ساتھ ساتھ ہیربد برابر دعائیں یا اوستا کی آیتیں پڑھتے رہتے تھے، یہ ایک بہت لمبا اور پیچیدہ عمل ہوتا تھا جو مذہبی ہدایات کے عین مطابق پورا کیا جاتا تھا، اس کے بعد ہَوْمَ کا چڑھاوا چڑھایا جاتا تھا جس کے ساتھ ساتھ زَوْتَر (رئیس مراسم آتشکدہ) خاص خاص دعائیں مقررہ ترتیب کے ساتھ پڑھتا جاتا تھا اور مختلف مراسم (جن میں بَرسَمَ کا استعمال ہوتا تھا) ادا کرتا جاتا تھا، زَوْتَر کے سات مددگار ہوتے تھے جن کو رَتُو کہتے تھے، ہر ایک رَتُو کے اپنے اپنے مقررہ فرائض تھے، ان میں سے ایک کا نام ہاوَنان تھا جس کا کام ہاون میں ہَوْمَ کو کوٹنا تھا، دوسرا آتَرِوَخش تھا جو آگ کی خبر گیری کرتا تھا اور زَوْتَر کے ساتھ مل کر بھجن گاتا تھا، تیسرا فْرابَرِتَرَ تھا جو لکڑیاں لاکر آگ پر ڈالتا تھا، چوتھا آبَرِتْ تھا جس کا کام پانی لانا تھا، پانچواں آسْنَتَرَ تھا جو ہَوْمَ کو چھانتا تھا،

چھٹا رَتیٹ وِشنگرَ تھا جو ہَوُمَ کو دودھ میں ملاتا تھا[1] اور ساتواں سَرَوشاوَرِز (سروشاوَرِز) تھا جس کا فرض سب کے کام کی نگرانی کرنا تھا اور آتشکدے کے فرائض کے علاوہ اس کے اور فرائض بھی تھے کیونکہ روحانی تربیت کا انتظام بھی اُسی کی زیر نگرانی تھا،

آتشکدوں میں ہیربد دن میں پانچ وقت کی مقرّرہ دعائیں پڑھتے تھے اور تمام مذہبی فرائض کو عمل میں لاتے تھے، یہ فرائض اُن چھ سالانہ تہواروں کے موقعوں پر خاص متانت کی صورت اختیار کر لیتے تھے جنھیں گاہان بار کہا جاتا تھا، یہ تہوار سال کے مختلف موسموں کے ساتھ وابستہ ہوتے تھے، یہ یاد رہے کہ دنیادار لوگوں کو آتشکدوں میں آکر ان فرائض میں شریک ہونے کی کوئی ممانعت نہ تھی، بلکہ ہر شخص کا یہ فرض سمجھا جاتا تھا کہ وہاں آکر دعائے آتش نیائشن (یعنی دعائے تمجیدِ آتش)[2] پڑھے اور لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص دن میں تین بار آتشکدہ میں جا کر دعائے آتش نیائشن پڑھے وہ دولتمند اور نیک ہو جاتا ہے[3]، دیندار لوگوں کے لئے آتشکدے کے تاریک کمروں کا سماں ایک پُراسرار حیرت و رعب کا باعث ہوتا تھا جہاں آتشدان میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوتے تھے اور اس کی روشنی سے دھات کے آلات، پردوں کی کھونٹیاں، ہاون، چمٹے، بَرَسم دان (یعنی ہلال کی شکل کے پائے

---

[1] ہَوُم کو دودھ اور ایک پودے کے رس میں (جس کا نام ہَذنیپَتا تھا) ملا کر ایک شربت تیار کیا جاتا تھا جسے دیوتاؤں کو چڑھاوے کے طور پر پیش کیا جاتا تھا، لیکن وہ نیاز جو ہیرزَد کہلاتی تھی غالباً گوشت اور چربی یا گوشت اور مکھن سے تیار کی جاتی تھی، [2] موجودہ اوستا میں وہ پانچویں نیائش ہے،

[3] پند نامگِ زرتشت (ویانا کا رسالۂ علوم مشرقی، آرٹیکل نمبر ۳۶)،

جن پر بَرَسْم رکھا جاتا تھا) چمکتے تھے اور جہاں ہیربد کبھی بلند اور کبھی دھیمی آواز کے ساتھ اپنی نامتناہی دعائیں اور کتاب مقدس کی آیات مقررہ تعداد اور مقررہ انداز کے ساتھ زمزمے کے لہجے میں پڑھتے تھے،

سلطنت ساسانی میں آتشکدے ہر جگہ موجود تھے لیکن ان میں سے تین ایسے تھے جن کی خاص حرمت و تعظیم ہوتی تھی، یہ وہ آتشکدے تھے جن میں تین آتش ہائے بزرگ محفوظ تھیں جن کا نام آذر فرنبگ[۱]، آذر گشنسپ اور آذر برزین مہر تھا، ایک قدیم افسانے کی رُو سے جو بُندہشن میں بیان ہوا ہے[۲] "چند آدمی افسانوی بادشاہ تخموُرب کے زمانے میں ایک عجیب الخلقت گائے سَرسُوگ کی پیٹھ پر سوار ہو کر کشورِ خونیرس[۳] سے چلے اور باقی چھ کشوروں کو طے کیا جہاں کوئی شخص کسی اور ذریعے سے نہیں جا سکتا تھا، ایک رات جب وہ عین سمندر کے بیچ میں جا رہے تھے تو ہوا نے اُن تین آگوں کو جو گائے کی پیٹھ پر جل رہی تھیں سمندر میں گرا دیا لیکن وہ آگیں تین جانداروں کی مانند نئے سرے سے پھر اُسی جگہ گائے کی پیٹھ پر نکل آئیں جہاں وہ پہلے جل رہی تھیں اور اُن سے تمام روشنی ہوگئی"، ان تین آگوں میں سے ایک کا نام آتشِ فرنبگ تھا، کچھ عرصے کے بعد شاہ یِم نے جو تخموُرب کا جانشین اور ویسا ہی افسانوی بادشاہ تھا اس آگ کے لئے خوارزم میں کوہِ خورّہ ہومند پر ایک آتشکدہ تعمیر کرایا، ہمیں یہ معلوم نہیں کہ دراصل کس زمانے

[۱] پہلوی میں اس کو آتُر فرن بگ لکھا ہے، فرن بگ یا تو فرنگ بگ کی قدیم شکل ہے یا اس کی بگڑی ہوئی شکل ہے لیکن سریانی میں جو اس کو آذر فرَّوا لکھا ہے (ہوفمن ص ۲۸۳) تو وہ یقیناً ایرانی شکل آذر فرنبگ سے ماخوذ ہے، [۲] باب ۱۷، ۴، ۵، ولیسٹ: "متون پہلوی" ج ۱ ص ۶۲، ص ۱۲۴ (طبع انگلساریا)،
[۳] افسانوی علم کائنات کی رو سے دنیا سات کشوروں میں منقسم ہے جن میں سے صرف ایک یعنی کشور مرکزی (خونیرس) ایسی ہے جس میں انسان رہتے ہیں،

میں یہ تین آتش ہائے بزرگ وجود میں آئیں، ہوفمن نے یہ خیال ظاہر کیا ہے[۱] کہ صوبہ استئوئین میں شہر اساک کی آتشِ جاودانی جس کے سامنے ارشک (اشک) بانی خاندانِ اشکانیان نے اپنی تاجپوشی کی تھی[۲] آتشِ بُرزین مہر کے ساتھ ضرور کوئی نہ کوئی تعلّق رکھتی ہے کیونکہ ساسانیوں کے زمانے میں آتشِ بُرزین مہر کا آتشکدہ اسی جگہ کے نزدیک تھا، علمائے زرتشتی کے نظریے کی رو سے یہ تین آگیں اُن تین معاشرتی طبقوں سے تعلّق رکھتی تھیں جن کی بنا ازروئے افسانہ زرتشت کے تین بیٹوں نے ڈالی تھی، آذر فرّبگ علمائے مذہب کی آگ تھی، آذر گشنسپ سپاہیوں کی آگ یا آتشِ شاہی تھی اور آذر بُرزین مہر زراعت پیشہ لوگوں کی آگ تھی، عہد ساسانی میں ان تین آگوں کے آتشکدے جس جس مقام پر بنے ہوئے تھے اُن کے متعلّق روایت ہے کہ ان مقامات کو عہد ہخامنشی سے پہلے افسانوی بادشاہوں نے معیّن کیا تھا،

"ہندوستانی" بُندہشن کی روایت کے مطابق آذر فرّبگ یعنی آتشِ علمائے مذہب کابلستان (صوبۂ کابل) میں کوہ روشن پر تھی، لیکن بظاہر یہاں کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے، "ایرانی" بندہشن میں عبارت مختلف ہے لیکن وہ بدقسمتی سے غیر واضح ہے، جیکسن نے اس کو جس طرح پڑھا ہے اس کا ترجمہ "علاقۂ کارسکا درخشاں پہاڑ کوارِوَند"[۳] ہوگا، جیکسن نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مقصود صوبۂ فارس کا شہر کاریان ہے جو خلیج فارس کے کنارے بندر سیراف اور دارابجِرد کے درمیان واقع ہے جہاں اب بھی ایک قدیم آتشکدے کے کھنڈرات موجود ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ آتش مقدّس کو ایک منبع نفت کے ذریعے

---

[۱] "اقتباسات....." ص ۲۹۱، [۲] بقول مؤرّخ اسیدور (Isidore) ص ۱۱،
[۳] مضمون بعنوان "تعیین مقام آتش فرن باغ" (رسالہ انجمن مشرقی امریکائی سنہ ۱۹۲۱ء ص ۸۱ بعد)،

سے روشن رکھا جاتا تھا[1]، مسعودی کے قول کے مطابق[2] اس آتشکدے کا نام آذرجوی (آگ کی ندی) تھا اور بظاہر یہ وہی آتشکدہ ہے جو بیرونی کی تاریخ میں آذرخورّہ کے نام سے مذکور ہے[3]، دوسری طرف ہرتسفلٹ نے ایرانی بُندہِشن کی عبارتِ زیر بحث کو ایک اور طرح سے پڑھنا تجویز کیا ہے[4] اس کے نزدیک آتشِ فرّبگ کا مقام "علاقۂ کنارنگ" ہے جس کو اُس نے نیشاپور معین کیا ہے[5]، میری اپنی رائے میں جیکسن نے جو شہادتیں اپنے نظریے کی تائید میں عرب مصنّفین کی کتابوں سے پیش کی ہیں ان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آتشِ فرّبگ کا مقام کاریان قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے، دسویں صدی عیسوی تک آتشکدۂ کاریان کی آگ دوسرے آتشکدوں میں لیجائی جاتی تھی[6] اور یہ بہت پرانے زمانے سے رسم رہی ہے، کہ کم درجے کے آتشکدوں کی آگ کی تجدید ان تین بڑے آتشکدوں کی آگ سے کرتے رہتے تھے[7]،

آذرگُشنسب یا "آتشِ شاہی" کا آتشکدہ شمال میں مقام گنجک (شیز) میں تھا جو صوبۂ آذربائجان میں واقع تھا،... جیکسن نے اس کی جائے وقوع تختِ سلیمان

[1] سٹیک (Stack) "ایران میں چھ مہینے" (انگریزی) نیویارک ۱۸۸۲ء ص ۱۱۸ ببعد،

[2] مروج الذہب، ج ۴، ص ۷۵، [3] طبع سخاؤ (الآثار الباقیہ) ص ۲۲۸ ببعد، خُوَرّ اور فرّ ایک ہی لفظ کی دو شکلیں ہیں جو مقامی زبانوں میں پائی جاتی ہیں، اوستائی زبان میں خُوَرَنہ ہے (دیکھو اوپر ص ۱۹۰) [4] یادگار نامہ مودی (Modi Memorial Volume) ص ۲۰۱، [5] دیکھو اوپر ص ۱۳۷، ح ۱ اور ص ۱۸۱

[6] مقدسی، ص ۴۲۷، [7] ازروئے روایتِ افسانوی (بُندہِشن) وِشتاسپ جو زرتشت کا مربی تھا آتشِ فرّبگ کو خوارزم سے منتقل کرکے اس جگہ لایا جہاں وہ بندہشن کی تصنیف کے وقت موجود تھی، اس آتشِ مقدس کے کاریان میں منتقل کئے جانے کے بارے میں عربی کتابوں میں دو مختلف روایتیں ہیں، بعض اس کو وشتاسپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بعض خسروِ اوّل کی طرف، بہرحال یہ فرض کرلینا چاہئے کہ آتشِ فرّبگ عہدِ ساسانی کے شروع میں اپنی مخصوص جگہ پر جاگزین ہوچکی تھی،

کے کھنڈرات میں معین کی ہے جو ارومیہ اور ہمدان کے درمیان واقع ہیں،[1] شاہانِ ساسانی تکلیف و مصیبت کے وقت میں اس آتشکدے کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور وہاں نہایت فیاضی کے ساتھ زر و مال کے چڑھاوے چڑھاتے تھے اور زمین اور غلام اس کے لئے وقف کرتے تھے، بہرام پنجم نے جو تاج خاقان اور اس کی ملکہ سے چھینا تھا اس کے قیمتی پتھر اس نے آتشکدۂ آذر گشنسپ میں بھجوا دیے تھے،[2] خسرو اوّل نے بھی اس آتشکدے کے ساتھ اسی طرح کی فیاضیاں کیں، خسرو دوم نے منّت مانی تھی کہ اگر اس کو بہرام چوبین پر فتح حاصل ہوگی تو وہ آتشکدۂ آذر گشنسپ میں سونے کے زیور اور چاندی کے تحائف نذر کے طور پر پیش کریگا، چنانچہ بعد میں اُس نے اپنی منّت پوری کی، دسویں صدی میں مسعودی نے آتشکدۂ آذر گشنسپ کے کھنڈرات کا حال ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے:[3] "آج اس شہر (شیز) میں عمارتوں اور تصویروں کے عجیب و غریب آثار موجود ہیں، یہ تصویریں مختلف رنگوں کی ہیں اور نہایت حیرت انگیز ہیں، ان میں کراتِ سماوی، ستارے، کرۂ ارض اور اس کے بحر و بر، اس کے آباد حصّے، اس کے درخت اور جانور اور دیگر عجائبات دکھائے گئے ہیں، شاہانِ ایران کا وہاں ایک آتشکدہ تھا جس کی تمام شاہی خاندان تعظیم کرتے تھے، اس کا نام آذر خُوش[4] تھا، آذر فارسی میں

---

[1] "ایران ماضی و حال" (بزبان انگریزی)، ص ۱۲۴ - ۱۴۳، رسالہ انجمن مشرقی امریکائی، ۱۹۲۱ء، ص ۸۲۔ [2] طبری ص ۸۶۵، اس سے پہلے اردشیر اوّل نے دشمنوں کے سر جو لڑائی میں مارے گئے تھے معبد اناہیتا میں بھجوائے تھے جو اصطخر میں تھا اور ۳۴۰ء میں مقتول عیسائیوں کے سر بھی اسی جگہ لٹکائے گئے تھے، [3] کتاب التنبیہ، ص ۹۵، [4] یہ آذر گشنشپ کا دوسرا نام ہے،

آگ کو کہتے ہیں اور خوش کے معنی "عمدہ" کے ہیں، ایران کا ہر بادشاہ اپنی تخت نشینی کے وقت نہایت احترام کے ساتھ اس آتشکدے کی زیارت کے لئے پیادہ پا آتا تھا اور چڑھاوے چڑھاتا تھا اور نقد و مال اور تحفے تحائف پیش کرتا تھا[1]۔ خلاصہ یہ کہ یہ آتشکدہ سلطنت اور مذہب کے اتحاد کی نشانی تھی اور ساسانیوں کے زمانے میں یہ اتحاد ان کی قوت کا باعث تھا برخلاف اشکانیوں کے جن کے عہد میں "ہر صوبے اور ولایت کے بادشاہ کا اپنا اپنا آتشکدہ تھا"، نامۂ تنسر[2] کا یہ بیان غالباً ایک "تاریخی روایت پر مبنی ہے لیکن اس کا یہ کہنا کہ "شاہان ولایات" کے آتشکدے ایک بدعت تھی اور یہ کہ ساسانیوں کی آتشِ متحدہ اُن حالات کی طرف رجعت کی دلیل تھی جو داریوش کے زمانے میں تھے مبنی بر افسانہ ہے[3]،

آذر بُرزین مہر یعنی اصحاب زراعت کا آتشکدہ سلطنت کے مشرق میں کوہستان ریوند میں واقع تھا جو نیشاپور کے شمال مغرب میں تھا، مؤرخ لازار فرپی نے موضع ریوند کو مغوں کا گاؤں لکھا ہے[4]، جیکسن نے اس آتشکدے کی جائے وقوع اس گاؤں کے قریب معین کی ہے جس کو آج کل مہر کہتے ہیں اور جو میان دشت اور سبزوار کے بیچوں بیچ اُس سڑک پر واقع ہے جو نیشاپور کو جاتی ہے[5]،

یہ تین بڑے آتشکدے بیشک خاص تعظیم و احترام کا محل تھے اور دوسرے

---

[1] شاہانِ ساسانی کا یہ دستور کہ وہ اپنی تخت نشینی کے بعد طیسفون سے آتشکدۂ آذر گشنسپ تک پیدل جاتے تھے ابن خرداذبہ نے بھی بیان کیا ہے، (ص ۱۲۰)، [2] طبع ڈارمسٹیٹر ص ۲۲۵، طبع مینوی ص ۲۲

[3] پیرس کے کتابخانۂ ملی میں ایک مہر ہے جس پر ایک شخص مسمی بافرگ کا کتبہ اور تصویر کندہ ہے جو آذر گشنسپ کا مغان مغ تھا (دیکھو اوپر، ص ۱۵۱)، [4] طبع لانگلوا، ص ۳۱۵، ہوفمن، ص ۲۹۰،

[5] "قسطنطنیہ سے عمر خیام کے گھر تک" (ص ۲۱۱ - ۲۱۷)، نیز رسالۂ انجمن مشرقی امریکائی سنہ ۱۹۲۱ء ص ۸۲،

آتشکدوں کی نسبت ان کے اوقاف بہت زیادہ تھے، لیکن بہت سے اور آتشکدے بھی تھے جو اگرچہ درجے میں ان سے کمتر تھے لیکن خاصی اہمیت رکھتے تھے خصوصاً وہ جن کی بنا کسی داستانی ہیرو کی طرف یا خود زرتشت کی طرف منسوب تھی مثلاً آتشکدۂ طوس، آتشکدۂ نیشاپور، آتشکدۂ ارجان (فارس میں)، آتشکدۂ کرکرا (سیستان میں) اور آتشکدۂ کوبسہ (فارس اور اصفہان کے درمیان)[1]، صوبۂ جبال کے بہت سے شہروں میں (جو قدیم میڈیا کا علاقہ ہے) کئی آتشکدوں کا ذکر ہے جن میں قزوین، شیروان (نزدیک رے)، کومش (جو غالباً اشکانیوں کا شہر ہیکاٹوم پیلوس ہے) وغیرہ کے آتشکدے ہیں[2]، اصفہان کے قریب ایک ٹیلے پر ایک آتشکدے کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں[3]، کارنامگ کے بیان کے مطابق[4] اردشیر اوّل نے ایک آتش ورہران سمندر کے کنارے بخت اردشیر میں قائم کی اور کئی آتشکدے اردشیر خورہ میں بنوائے،

ساسانیوں کے زمانے کے سالانہ تہوار جن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے بیرونی کی تاریخ بہترین ماخذ میں سے ہے عموماً دیہاتی نوعیت کے تھے جو امورِ کاشتکاری سے متعلق تھے، چونکہ مذہبِ مروّج نے اُن کو اختیار کر لیا تھا لہذا

---

۱ شہرستانی: "کتاب الملل" ص ۱۹۷، ۲ پوری فہرست شوارٹس (Schwarz) کی کتاب "ایران در ازمنۂ متوسطہ" (جرمن) میں ص ۸۳۷ پر دی ہے، آتشکدۂ کومش (کومیسین، قومش بزبان عربی) کا ذکر ایرانی بندہشن میں بھی ہے (طبع انکلساریا، ص ۱۲۸)، نیز دیکھو مارکوارٹ۔ میبینا: "فہرست پایہ تخت ہا....." ص ۵۶، ۳ کھنڈرات کا حال جیکسن کی کتاب "ایرانِ ماضی و حال" میں دیکھو ص ۲۵۲ ببعد، ۴ ص ۸ و ۱۹،

وہ عبادات مذہبی کے ساتھ منائے جاتے تھے لیکن ساتھ ہی اور رسمیں بھی ادا کی جاتی تھیں جن کی ابتدا تو سحر وجادو کے اعتقاد سے ہوئی لیکن رفتہ رفتہ وہ معمولی رسمیں بن گئیں، ان رسموں کے ساتھ عامیانہ تفریحات اور کھیل تماشے بھی ہوتے تھے، جیساکہ عموماً ہُوا کرتا ہے (اور علمائے عقاید عامّہ کو یہ بات بخوبی معلوم ہے) ان تہواروں کو افسانوی تاریخ کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے کہ فلاں تہوار فلاں واقعہ کی یادگار ہے جو یِمَ (جمشید) یا فریدوں یا فلاں داستانی ہیرو کے زمانے میں ہُوا،

زرتشتی سال بارہ مہینے کا ہے جن کے نام بڑے بڑے خداؤں کے نام پر رکھے گئے ہیں، وہ بہ ترتیبِ ذیل ہیں:-

۱- فُرْوَرْدِین (فُرَوَشی ہا)	۷- مہر (مِثْرا یا متھرا)
۲- اُرْدوَہِشْت (اشاوہشتَ)	۸- آبہان (= آبہا، اناہتا)
۳- خُورْداذ (ہوُرْوَتات)	۹- آذُر (آتَر، آتش)
۴- تیر (تِشْتْرِیا)	۱۰- دَذْوِ (خالق، اہورمزد)
۵- امُرْداذ (اُمَرَتات)	۱۱- وہمن (وہُومَنَہ)
۶ شہریور (خْشَثْرَ وَیْریا)	۱۲- سپندارمذ (سْپَنْتَ آرمَیتی)

ہر مہینہ تیس دن کا ہے جن کے نام اسی طرح زرتشتی دیوتاؤں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں، شروع کے سات دن اہورمزد اور چھ اَمْشَسْپَنْدان کے ناموں پر ہوتے ہیں[1]، بارہ مہینوں کے تین سو ساٹھ دنوں کے ساتھ پانچ دن بطور تکملہ (خمسۂ مسترقہ) آخری مہینے کے بعد بڑھائے جاتے ہیں، ان پانچ دنوں کے نام

[1] دیکھو اوپر، ص ۲۰۸، محققین کی عام رائے ہیں مہینے کی تقسیم ہفتوں میں قدیم ایران میں مروّج نہ تھی (دیکھو گائیگر: "تہذیب ایران مشرقی در عہد قدیم" بزبان جرمن ص ۳۱۶) لیکن بعض علامتوں سے پایا جاتا ہے کہ تقویم ساسانی میں ہفتے کا وجود تھا،

پانچ گاتھاؤں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں،

موسمی تہوار جن کو گاہان بار کہتے تھے تعداد میں چھ تھے، ہر ایک تہوار پانچ دن تک منایا جاتا تھا، ان دنوں میں مقررہ رسوم کے ساتھ بھیڑوں کی قربانی دی جاتی تھی اور خاص مراسم ادا کیے جاتے تھے[1]، گاہان باروں کے اوستائی نام یہ ہیں:[2]

۱- مَیْذِیوئے زَرِمیا (اردوہشت کے مہینے میں)

۲- مَیْذِیوئے شام (تیر کے مہینے میں)

۳- پائتِش ہَہیا (شہریور کے مہینے میں)

۴- ایاث رِما (مہر کے مہینے میں)

۵- مَیْذیا ئریا (دذو کے مہینے میں)

۶- ہَمَسْپِتْ مئیدیا

چھٹا گاہان بار یعنی ہمسپت مئیدیا جو ایّام کبیسہ (خمسۂ مسترقہ) میں منایا جاتا تھا دراصل مُردوں کا تہوار تھا، قدیم زمانے میں یہ تہوار دس دن تک منایا جاتا تھا، موجودہ اوستا کے تیرھویں یَشْت (فَرَوَرْدِین یَشْت، آیت ۴۹ - ۵۲) میں لکھا ہے کہ ہمسپت مئیدیا کے دنوں میں فَرَوَشی یعنی با ایمان لوگوں کی روحیں برابر دس راتیں مؤمنوں کے گھروں پر آتی ہیں اور صدقہ و قربانی کا تقاضا کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس "یوم اموات" کو فَرَوَرْدِیگان یعنی فَرَوَشیوں کا تہوار بھی کہتے تھے (فَرَوَشی بزبانِ پہلوی = فَرَوَہر یا فَرَوَرْدِیگ)، بیرونی لکھتا ہے[3] کہ ان

[1] دین کرد (باب ہشتم ص ۷، س ۱-۳)، [2] تاریخ بیرونی (الآثار الباقیہ) میں گاہان باروں کے نام خوارزمی زبان میں دئے ہیں لیکن ان کی ترتیب اوستا کی ترتیب سے مختلف ہے (ص ۲۲۷-۲۳۸)

[3] الآثار الباقیہ، ص ۲۲۴،

ایام میں لوگ بروحِ اموات یعنی دخموں[1] پر کھانا رکھواتے تھے اور اپنے گھروں کی چھتوں پر پینے کی چیزیں رکھتے تھے تاکہ مُردوں کی رُوحیں (فَرُوَشی) کھائیں پئیں، اعتقاد یہ تھا کہ ان دنوں میں یہ روحیں غیر مرئی طور پر آکر اپنے خاندان کے لوگوں میں رہتی ہیں، لوگ اس موقع پر ثمرِ سروِ کوہی (حبّ العرعر) کی دھونی بھی دیتے تھے کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی خوشبو مُردوں کو مرغوب ہے،

زرتشتی سال کو نجومی سال کے ساتھ مطابق کرنے کے لئے ہر ایک سو بیس برس کے بعد ایک مہینہ بڑھایا جاتا تھا اور پھر کبیسہ کے پانچ دن اس مہینے کے آخر میں اور اضافہ کیے جاتے تھے، بعض خاص وجوہات کی بنا پر دو سو چالیس برس کے بعد اکٹھے دو مہینے بڑھا دیے جاتے تھے چنانچہ یزدگرد اوّل کے زمانے میں (سنہ ۳۹۹ء۔ سنہ ۴۲۰ء) آبان کے مہینے کے بعد دو ماہ کا اضافہ کیا گیا تھا، اس کے بعد ہر سال آبان اور آذر کے مہینوں کے درمیان پانچ دن بڑھائے جاتے رہے لیکن جب ایک سو بیس برس گذرے اور ایک ماہ کے اضافے کا وقت آیا تو اس سے غفلت کی گئی اور سال ناقص رہ گیا،[2]

معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں کے زمانے سے پہلے سال کا آغاز مہر کے مہینے سے ہوتا تھا اور عیدِ مہرگان جو موسم خزاں کا تہوار تھا سال کا پہلا دن تھا[3] لیکن تقویم میں بعض علامتیں ایسی موجود ہیں جن سے ایسا شبہ ہوتا ہے کہ بعد میں جب سال کا آغاز موسم بہار میں اعتدالِ روز و شب کے وقت پر مقرر کیا گیا تو ایک سال دو دو

[1] دخموں کے متعلق دیکھو اوپر، ص ۳۸-۳۹، [2] بیرونی ص ۳۳ و ۴۵،

[3] مقابلہ کرو آنڈریاس۔ ہیننگ: "آثارِ مانویّہ در پہلوی" (جرمن) ص ۱۸۹، ح ۱،

(ماہ اہورمزد) کے مہینے سے شروع ہوا تھا[1]، گوٹ شمٹ[2] اور نولڈکہ[3] کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ ساسانیوں کے زمانے میں سال شماری کے دو طریقے تھے، ایک تو مذہبی تھا جس کی رُو سے سال کا آغاز موسم بہار میں اعتدالِ روز و شب کے موقع پر ہوتا تھا، دوسرا دیوانی جس کی رو سے سال کے ایام میں کوئی اضافہ نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ ایام کبیسہ کی تعداد ایک ماہ کی مقدار تک نہ پہنچ جائے،[4] سوائے اس کے اور کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوتا تھا، پس نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ سال کا آغاز دو مرتبہ ایک ہی دن سے نہیں ہوتا تھا جب تک کہ ۱۲ × ۱۲۰ یعنی ۱۴۴۰ سال نہ گزر جائیں، شاہانِ ساسانی کی تخت نشینی کا دن اسی دوسری قسم کی تقویم کے مطابق مقرر کیا جاتا تھا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سال شماری کے کئی طریقے رائج تھے اور ایام کبیسہ کے اضافہ کرنے میں بہت سی بے قاعدگیاں ہوتی تھیں، ہمارے اس خیال کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ بعض تہواروں کی تاریخیں جو بیرونی نے بتلائی ہیں وہ اُن مظاہر قدرت یا سال کے موسموں سے مختلف ہیں جن کے ساتھ وہ تہوار وابستہ ہیں، مثلاً بیرونی نے اُن دو تہواروں کو جو آذر جشن کہلاتے تھے موسم سرما کے تہوار بتلایا ہے حالانکہ معمولی تقویم کے مطابق جس میں فروردین کی پہلی تاریخ اعتدالِ ربیعی کے دن ہوتی ہے پہلا آذر جشن ۲۱ اگست اور دوسرا ۲۴ نومبر کو ہونا چاہیئے،[5]

---

[1] دیکھو کرسٹن سین: "انسانِ اوّلین ..." ص ۱۷۵ ببعد، [2] سیکسنی کی انجمن علمی کی رپورٹ سنہ ۱۸۶۲ء (جرمن)،
[3] ترجمہ طبری ص ۴۰۶ ببعد، [4] مطلب یہ کہ چھ سال کے بعد ایک مہینہ بڑھایا جاتا تھا (مترجم)،
[5] کرسٹن سین: "انسانِ اوّلین ..." ص ۱۷۹ ببعد؛ نیز دیکھو مارکوارٹ کا مضمون مودی میموریل میں ص ۱۱۷ ببعد

سال کے تہواروں میں سب سے زیادہ مقبول نوروز (نوگ روز) تھا، آج بھی ایران میں وہ مقبول عام ہے، وہ سال کا پہلا دن ہے اور باقاعدہ سالوں میں وہ بلا فاصلہ جشن فروردیگان کے بعد آتا تھا[1]، دین کرد کے بیان کے مطابق[2] اس روز تمام بادشاہ اپنی اپنی رعیّت کو خوش کرتے تھے اور کام کرنے والے لوگ یہ دن خوشی اور آرام میں بسر کرتے تھے، پہلوی کی ایک کتاب میں[3] جو نسبتہً متاخّر زمانے کی لکھی ہوئی ہے وہ تمام گذشتہ اور آیندہ واقعات شمار کیے گئے ہیں جو نوروز کے دن واقع ہوئے یا ہونگے یعنی اُس وقت سے لے کر جب اہورمزد نے دنیا کو پیدا کیا اور افسانوی تاریخ کے شاندار واقعات ظہور میں آئے تا اختتامِ دنیا، بیرونی اور دوسرے عربی اور فارسی مصنّفین نے جشن نوروز کی توصیف کی ہے[4] اور فارسی شعراء مثلاً فردوسی اور منوچہری نے اس کے گیت گائے ہیں، وہ موسم بہار کا تہوار ہے جس میں قدیم اہل بابل کے تہوار زگمک کے بعض آثار پائے جاتے ہیں، نوروز کے دن وصول شدہ مالیات کو بادشاہ کے حضور میں پیش کیا جاتا تھا صوبوں کے نئے

---

[1] عہد اسلامی میں بھی جشن نوروز اعتدال ربیعی کے دن منایا جاتا رہا لیکن تقویم عربی میں جو چاند کے حساب سے چلتی ہے اس کی تاریخ ہر سال بدلتی رہتی تھی، اب آج کل ایران میں دوبارہ تقویم شمسی کا رواج ہو گیا ہے اور سال نوروز سے شروع ہوتا ہے، قدیم زرتشتی مہینوں کے نام بھی اختیار کر لئے گئے ہیں،

[2] ج ۳، ص ۱۹ ۴، طبع پشوتن سنجانا (ج ۹، ص ۴۴۷)، [3] متون پہلوی طبع جاماسپ اسانا، ج ۲، ص ۱۰۲ ببعد، طبع دوم از مارکوارٹ (مودی میموریل ص ۷۴۲ ببعد)، [4] الآثار الباقیہ، ص ۲۱۵،

[5] ایرلش (Ehrlich) نے مودی میموریل کے مجموعۂ مضامین میں (ص ۹۵ ببعد) دو اقتباس کتاب المحاسن میں سے دئے ہیں جن میں سے ایک کا روسی ترجمہ موسیو انوس ترانت زیف (Inostrantzev) نوروز پر اپنی تحقیقات کے سلسلے میں شائع کر چکے ہیں ("مطالعات ساسانی" بزبان روسی، سنہ ۱۹۰۹ء، ص ۸۲ ببعد)، اسی کا فارسی اور انگریزی ترجمہ مازندی نے کیا ہے جس کو اس نے نوروز کی مختصر تاریخ بقلم نریمان کے ساتھ ارمغان نوروز کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے، (تتمۂ مجلّۂ ایران لیگ، بمبئی)، میری کتاب "انسانِ اوّلین" کی دوسری جلد کا ایک ضمیمہ نوروز کے متعلق ہے (کتاب مذکور ص ۱۳۸ ببعد)،

گورنر مقرر کئے جاتے تھے نئے سکّے مضروب ہوتے تھے اور آتشکدوں کو پاک کیا جاتا تھا[۱]، جشن نوروز چھ دن تک رہتا تھا، ان ایّام میں شاہانِ ساسانی باضابطہ دربار کرتے تھے جس میں امرا اور خاندان شاہی کے ممبر ایک مقرّرہ ترتیب کے ساتھ باریاب ہوتے تھے اور اُنہیں انعام ملتے تھے، چھٹے دن بادشاہ کا ذاتی جشن ہوتا تھا جس میں صرف اس کے مقرّبین شریک ہوتے تھے، دراصل جشن نوروز کی جس قدر مقبول عام رسمیں تھیں وہ خاص طور پر پہلے اور چھٹے یعنی آخری دن ادا کی جاتی تھیں[۲]، پہلے دن لوگ بہت سویرے اٹھ کر نہروں اور ندّیوں پر جاتے تھے، نہاتے تھے اور ایک دوسرے پر پانی چھڑکتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کو مٹھائیوں کے تحفے دیتے تھے، ہر شخص صبح اُٹھتے ہی کلام کرنے سے پہلے شکر کھاتا تھا یا تین مرتبہ شہد چاٹتا تھا، بیماریوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہنے کے لئے بدن پر تیل کی مالش کی جاتی تھی اور موم کے تین ٹکڑوں کی دھونی لی جاتی تھی،

سال کے باقی تہواروں میں سے ہم صرف ان کا ذکر کرینگے جو زیادہ اہم ہیں، ہر مہینے کا وہ دن جس کا نام مہینے کے نام کے مطابق ہو روزِ عید ہوتا تھا، مثلاً روزِ تیر جو ماہِ تیر کی تیرھویں تاریخ کو ہوتا تھا جشن تیرگان کا دن تھا، اُس دن لوگ غسل کرتے تھے اور گندم اور میوہ پکاتے تھے[۳]،

پہلا آذرجشن (جشنِ آتش) شہریور کی ساتویں تاریخ کو منایا جاتا تھا جو ماہِ شہریور کا روزِ شہریور تھا، یہ آتشِ خانگی کا تہوار تھا، اس روز لوگ گھروں کے اندر

---

[۱] جاحظ: کتاب التاج ص ۱۴۶، [۲] آج کل نوروز کا تہوار تیرہ دن تک رہتا ہے اور پہلے اور تیرھویں دن زیادہ خوشی منائی جاتی ہے، تیرھواں دن اختتامِ جشن کا دن ہے،

[۳] بیرونی، ص ۲۲۰،

بڑی بڑی آگیں جلاتے تھے اور گرمجوشی کے ساتھ خدا کی حمد و ثنا کرتے تھے، آپس میں مل کر کھاتے پیتے اور تفریح کرتے تھے، لیکن یہ جشن ایران کے صرف خاص خاص حصوں میں منایا جاتا تھا[1]،

ایک بہت بڑا تہوار جشن مہرگان یعنی جشن متھرا تھا جو ماہِ مہر کے روز مہر یعنی سولھویں تاریخ کو منایا جاتا تھا، قدیم زمانے میں یہ دن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں سال کے آغاز کا دن تھا چنانچہ اب بھی بعض علامتیں ایسی موجود ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے، نوروز کی طرح مہرگان کے متعلق بھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مبدأ و معاد اور افسانوی تاریخ کے خاص خاص واقعات کی یادگار ہے، مہرگان کے دن شاہانِ ایران ایک تاج پہنتے تھے جس پر ایک گھومتے ہوئے پہیئے کے اندر آفتاب کی شکل بنی ہوتی تھی، طلوع آفتاب کے وقت ایک سپاہی شاہی محل کے صحن میں کھڑے ہو کر بلند آواز کے ساتھ کہتا تھا: "اے فرشتو![2] دنیا میں اتر آؤ اور دیووں اور بدکاروں کو مارو اور انہیں دنیا سے نکال دو"۔ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جو شخص مہرگان کے دن تھوڑا سا انار کھالے اور عرق گلاب کی خوشبو سونگھ لے وہ مصیبتوں سے بچا رہیگا[3]،

ماہ آذر کی پہلی کو وَہار جشن (جشنِ بہار) منایا جاتا تھا کیونکہ آذر کی پہلی تاریخ عہدِ خسروان[4] میں (یعنی اُس زمانے میں جب تقویم میں اختلال پیدا ہوا) آغاز بہار کا دن تھا، عہدِ اسلامی میں یہ تہوار "خروج الکوسج" کہلاتا تھا، کسی بے ریش شخص (کوسہ) کو گھوڑے پر سوار کراتے تھے، وہ اپنے آپ کو پنکھا جھلتا تھا جو دراصل اس

---

[1] بیرونی ص ۲۲۱ – ۲۲۲، [2] اس کے لئے پہلوی لفظ یزدان (یَزَت) یا شاید امِہ سپندان (امیشہ سپنتَ) ہوگا، [3] بیرونی ص ۲۲۲ – ۲۲۳، [4] یعنی خسرو اوّل و دوم (مترجم)

بات پر خوشی کا اظہار ہوتا تھا کہ سردی کا موسم ختم ہوگیا اور گرمی کا موسم آپہنچا،[1]

وہار جشن کے چند روز بعد ماہ آذر کے روزِ آذر (نویں تاریخ) کو دوسرا آذر جشن ہوتا تھا، اس موقع پر لوگ دوبارہ اپنے آپ کو آگ سے گرم کرتے تھے "کیونکہ ماہ آذر موسم سرما کا آخری مہینہ ہے اور موسم کے آخر میں سردی کی شدت سب سے زیادہ ہوتی ہے"[2]

پرانی سال شماری کے حساب سے[3] ماہ دُذُو کی پہلی کو جشنِ خرم روز ہوتا تھا، اس دن بادشاہ تخت سے اُتر آتا تھا اور سفید لباس پہن کر ایک چمن میں سفید قالین پر بیٹھتا تھا، اس وقت ہر شخص کو اجازت ہوتی تھی کہ اس سے بات کر سکے۔ تب بادشاہ بالخصوص دہقانوں اور کسانوں کے ساتھ باتیں کرتا تھا اور اُن کے ساتھ مل کر کھاتا اور پیتا تھا اور اثنائے گفتگو میں ان سے کہتا تھا کہ آج کے دن میں تمہارے برابر اور تمہارا بھائی ہوں کیونکہ دنیا کا قیام اور وجود زراعت سے ہے اور زراعت حکومت پر موقوف ہے پس زراعت اور حکومت ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتیں،[4]

جشن سیر سُور (لہسن کا تہوار) ماہ دذو کی چودھویں کو ہوتا تھا، اُس دن لوگ لہسن کھاتے اور شراب پیتے تھے اور گوشت کے ساتھ ترکاریاں پکاتے تھے جس سے غرض یہ ہوتی تھی کہ آفاتِ شیطانی سے محفوظ رہیں اور جنات کے اثر سے جو بیماریاں ہوتی ہیں ان کی مدافعت کر سکیں،[5]

دذو کی پندرھویں کو رسم تھی کہ آٹے یا مٹی کے چھوٹے چھوٹے انسانی بت بنا کر

---

[1] بیرونی ص ۲۲۵ ، دیکھو مسعودی: مروج الذہب ، ج ۳ ، ص ۴۱۳ ، جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مصنف کے زمانے میں اس جشن کو کیونکر منایا جاتا تھا اور کون کونسی عامیانہ تفریحات ہوتی تھیں (مصنف) مولانا آزاد نے سخندان فارس میں (ص ۱۳۴-۱۳۵) اس جشن کی کیفیت لکھی ہے (مترجم)، [2] بیرونی ص ۲۲۵ ، [3] دیکھو اوپر ص ۲۲۳

[4] بیرونی ص ۲۲۵ ، [5] ایضاً ص ۲۲۶ ،



کیمووا کا پیالہ

گھر کے دروازوں کے اوپر رکھتے تھے[1]،

دَذْوَ کی سولھویں کو ایک تہوار منایا جاتا تھا جس کے دو مختلف نام تھے لیکن ان ناموں کے صحیح تلفّظ معلوم نہیں ہیں، ان میں سے ایک نام غالباً ایسا ہے جو لفظ "گاؤ" کے ساتھ مرکّب ہے، اس تہوار کا مبدأ فریدوں کی داستان کے ساتھ وابستہ ہے، روایت یہ ہے کہ دَذْوَ کی سولھویں کو فریدوں ایک بیل پر سوار ہؤا، اس رات کو اُس بیل کا ظہور ہوتا تھا جو چاند کی گاڑی کو کھینچتا تھا، "یہ ایک نورانی بیل ہے جس کے سینگ سونے کے اور کھُر چاندی کے ہیں، وہ صرف ایک ساعت نمودار ہوتا ہے اور پھر غائب ہوجاتا ہے، جو شخص اس بیل کو اس کے نمودار ہونے کے وقت دیکھ لے اس کی دعائیں فوراً قبول ہوتی ہیں، کہتے ہیں کہ اسی رات کو ایک بڑے اونچے پہاڑ پر ایک سفید بیل کی صورت دکھائی دیتی ہے، اگر اس سال خوب سماں ہونا ہو تو وہ دو دفعہ ڈکراتا ہے اور اگر خشک سالی ہونی ہو تو ایک دفعہ ڈکراتا ہے[2]"۔ اس قصّے میں ایک بیل کا چاند کی گاڑی کو کھینچنا بہت دلچسپ ہے، لینن گراڈ کے عجائب خانۂ ہرمیتاژ[3] میں ساسانیوں کے زمانے کا ایک چاندی کا پیالہ ہے جس کا نام "کلیموو‌ا[4] کا پیالہ" ہے، اس کے اندر خدائے ماہتاب (ماہ) کی تصویر بنی ہے جو تخت پر بیٹھا ہؤا ہے اور اس کے گرد ہلال کا حلقہ ہے، اس کے نیچے گاڑی ہے جس کو چار بیل کھینچ رہے ہیں[5] (دیکھو تصویر)

---

[1] بیرونی، [2] اس بیان میں اُس قدیم سال شماری کا نشان باقی ہے جس کی رو سے سال کا آغاز ماہ دَذْوَ میں ہوتا تھا (دیکھو اوپر ص ۲۲۳)، [3] Hermitage [4] Klimowa.
[5] ہرتسفلڈ: "تختِ خسرو" (مضمون در سالنامۂ صنائع پرشیا، ج ۱۸، ص ۸۷ و ۱۴۲ ببعد)،

وہمن کی دسویں کو وہ مشہور تہوار ہوتا تھا جس کو سَذَگ (فارسی: سدہ) کہتے تھے اور یہ خاص جشنِ آتش تھا جس کا ذکر اکثر عربی اور فارسی مصنفوں نے کیا ہے،[1] یہ جشن کبھی تو ہوشنگ کی داستان کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے جو پیشدادی خاندان کا پہلا بادشاہ تھا اور کبھی ظالم بیوراسب یا دہاگ کے افسانے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس کو فردوسی نے ضحاک لکھا ہے، بقول بیرونی[2] "ایرانی لوگ سذگ کی رات کو دھونیاں دیتے ہیں تاکہ وہ بلاؤں سے محفوظ رہیں، بادشاہوں کی یہ رسم ہوگئی ہے کہ اس جشن کی رات کو آگ جلاتے ہیں اور اس کو مشتعل کرتے ہیں اور جنگلی جانوروں کو ہانک کر اس کے اندر لاتے ہیں اور پرندوں کو شعلوں کے آر پار اڑاتے ہیں اور آگ کے گرد بیٹھ کر شراب پیتے ہیں اور دل لگی کرتے ہیں"۔

وہمن کی تیسویں کو جشن آب ریزگان (جشن آب پاشی) ہوتا تھا، اُس دن لوگ پانی چھڑکتے تھے، یہ ایک ٹوٹکا تھا جس کے کرنے سے لوگ سمجھتے تھے کہ بارش ہوگی، بیرونی نے اس تہوار کا مبدأ عہد ہخامنشی سے پہلے کی افسانوی تاریخ کے ساتھ مربوط نہیں کیا بلکہ عہد ساسانی کے ایک تاریخی واقعہ کے ساتھ وابستہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ شاہ پیروز کے عہد میں بہت عرصے تک خشک سالی رہی، تب بادشاہ آتشکدۂ آذر خُورَہ (آذر فرنبگ) کی زیارت کو گیا اور وہاں جا کر دعا کی تو بارش ہوگئی، یہ تہوار اسی بارش کی یادگار میں منایا جاتا ہے،[3]

---

[1] کرسٹن سین، "اولین انسان..." ج ۱، ص ۱۶۴ ببعد، [2] بیرونی، ص ۲۲۶-۲۲۷

[3] بیرونی، ص ۲۲۸ - ۲۲۹، بقول دمشقی (ترجمۂ مہرن، ص ۴۰۵) عہد پیروز کی یادگار وہ آب پاشی ہے جو ایام نوروز میں ہوتی ہے، یہاں پیروز کا نام بجائے یم کے رکھ دیا گیا ہے جو ایک قدیم افسانوی ہیرو ہے، (قدیم تر روایت بیرونی کے ہاں مذکور ہے)،

ماہ سپندارمذ کا روز سپندارمذ اس مہینے کی پانچویں کو ہوتا تھا، اس دن عورتوں کا ایک تہوار ہوتا تھا جس کو جشنِ مُژدگیران کہتے تھے، مرد اس موقع پر عورتوں کو تحفے دیتے تھے، منجملہ اور رسوم کے ایک رسم یہ تھی کہ اس دن لوگ انار کے دانے سکھا کر اور پیس کر کھاتے تھے اور یہ بچھو کے کاٹے کا علاج سمجھا جاتا تھا، بچھوؤں سے محفوظ رہنے کا ایک اور عمل بھی تھا وہ یہ کہ فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان کاغذ کے تین مربع ٹکڑوں پر کوئی منتر لکھا جاتا تھا اور ان تعویذوں کو گھر کی تین دیواروں پر لگا دیا جاتا تھا اور چوتھی دیوار خالی چھوڑ دی جاتی تھی تاکہ اس طرف سے بچھو بھاگ جائیں،[۱]

سپندارمذ کی انیسویں کو ایک تہوار ہوتا تھا جس کا نام "نوروزِ آبہائے جاری" تھا، لوگ اس دن بہتے پانی میں خوشبوئیں، عرق گلاب اور اسی قسم کی اور چیزیں ڈالتے تھے،[۲]

مؤرخ اگاتھیاس نے ایک مذہبی تہوار کا ذکر کیا ہے اور لکھتا ہے کہ ایرانیوں کے ہاں وہ سب سے بڑا تہوار ہے، بقول اس کے اس کا نام "جشنِ ہلاکتِ حیواناتِ موذیہ" تھا، اس دن ہر شخص کیڑے مکوڑے، سانپ، بچھو اور دوسرے موذی جانوروں کو جو جنگلوں بیابانوں میں رہتے تھے کثیر تعداد میں ہلاک کرتا تھا اور اس کارِ خیر کے ثبوت کے لئے ان کے مُردے موبدوں کو لاکر دکھاتا تھا، کسی اور مآخذ میں اس قسم کے تہوار کا ذکر دیکھنے میں نہیں آیا لیکن یہ ہمیں معلوم ہے کہ مزدائیت میں اس بات کا حکم ہے کہ موذی جانوروں کو ہلاک کیا جائے کیونکہ وہ اہرمن کی مخلوقات ہیں، اور خاص خاص گناہوں کے کفارے کے لئے ایک خاص تعداد میں موذی جانوروں کا مارنا ضروری تھا،[۳]

[۱] بیرونی، ص ۲۲۹ [۲] ایضاً، ص ۲۳۰، [۳] مثلاً دیکھو وندیداد، ۱۴، ۵، ۶،

فال گیری کا کام مُغ کرتے تھے، آتشِ مقدّس کو دیکھ کر وہ آیندہ کا حال بتاتے تھے[۱]، اور چونکہ وہ علمِ نجوم سے بہرہ مند ہوتے تھے لہذا وہ زائچے بھی تیار کرتے تھے، لیکن اس کے علاوہ ایک عامیانہ علمِ نجوم بھی تھا، بیرونی نے سال کے منحوس اور مبارک دنوں کی ایک فہرست دی ہے[۲] اور مہینے کی کسی تاریخ کو سانپ کے دیکھنے سے جو جو پیشینگوئیاں کی جاسکتی ہیں وہ بھی بتلائی ہیں مثلاً یہ کہ فلاں دن اور فلاں تاریخ کو سانپ دیکھنے سے بیماری آئیگی یا کسی عزیز کی موت کا صدمہ ہوگا یا شہرت و عزّت حاصل ہوگی یا روپیہ ملیگا یا سفر پیش آئیگا یا بدنامی اور سزا ملیگی وغیرہ[۳]، ستاروں کا قِران یا تقابل خاص طور سے منحوس سمجھا جاتا تھا،

بلعمی نے ایک فارسی کتاب کا ذکر کیا ہے[۴] جس کا نام اس نے "کتاب تفاؤل" بتایا ہے، اس میں وہ تمام فالیں درج تھیں جو ایرانیوں نے ایّامِ جنگ میں فتح و شکست کا حال معلوم کرنے کے لئے نکالیں اور وہ سچّی ثابت ہوئیں، بلعمی نے اس کتاب کی ایک عبارت بھی نقل کی ہے[۵]،

۱؎ اگاتھیاس، ۲، ۲۵، ۲؎ ص ۲۳۱-۲۳۲،

۳؎ مقابلہ کرو روزن برگ (Rosenberg) : "پارسی ادبیات پر اطّلاعات" (فرانسیسی)، پطرزبورغ ۱۹۰۹ء، ص ۴۹، نمبر ۱۸ "مارنامہ" (منظوم)،

۴؎ ترجمہ زوٹن برگ، ج ۲، ص ۳۲۲،

۵؎ موسیو اینوس ترانت زیف (Inostrantzev) نے روسی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں ایرانیوں کے تفاؤل اور توہّمات پر (جو عربی کتابوں میں مذکور ہیں) بحث کی ہے، (مطبوعہ پطرزبورغ ۱۹۰۷ء)،

باب چہارم

مانی پیغمبر اور اُس کا مذہب

شاپور اوّل کی تخت نشینی - تاج پوشی کا برجستہ کتبہ - مانی اور اس کی تعلیم - مانویوں کی معاشرت اور نظام کلیسائی - تبلیغ مانویت بعد از وفاتِ پیغمبر - صنائع مانویہ ،

بانیٔ خاندانِ ساسانی (اردشیر اوّل) سنہ ۲۴۱ء میں فوت ہوا[1]، نقش رجب کا برجستہ کتبہ اس کے بیٹے شاپور اوّل کے جلوس کی یادگار ہے جس کے اندر (ایک برجستہ تصویر میں) اس کو اہورمزد کے ہاتھ سے حلقۂ سلطنت لیتے ہوئے دکھایا گیا ہے، یہ تصویر اردشیر اوّل کی اسی قسم کی تصویر کی نقل ہے جو نقش رستم میں ہے، اس میں بھی اُسی طرح بادشاہ اور اہورمزد گھوڑوں پر سوار ہیں اور دونو کی ہیئت اور لباس بالکل وہی ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں خدا بائیں طرف اور بادشاہ دائیں طرف ہے اور جو اشخاص اردشیر کی تصویر میں زمین پر افتادہ دکھائے گئے ہیں وہ اس میں نہیں ہیں، بادشاہ کی تصویر اچھی حالت میں محفوظ نہیں ہے اور اس کی جزئیات زیادہ واضح نہیں ہیں، اہورمزد کے سر پر وہی دیوار دار روایتی تاج ہے جس کے اوپر سے اس کے گھونگر والے بال دکھائی دے رہے ہیں، تاج کے ساتھ جو

---

[1] اس تاریخ پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے، اردشیر اوّل کا عہدِ سلطنت سنہ ۲۲۶ء سے سنہ ۲۴۱ء تک تھا،

بڑے بڑے فیتے آویزاں ہیں وہ اس کے پیچھے ہوا میں لہرا رہے ہیں، گلے میں موتیوں کا ہار ہے اور اس کے نیچے سینے پر ایک بکسوا ہے جس کے ذریعے اس کا جبہ بندھا ہوا ہے، پنڈلی کے اوپر اس کی شلوار کے شکن نہایت خوبصورت ہیں، گھوڑے کی گردن اور سینے کی آرائش گول پتروں کی ایک زنجیر سے کی گئی ہے اور کبوتری گیند (جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) اس کی پچھلی ٹانگوں کے آگے دکھائی دے رہی ہے[1]،

شاپور کی باضابطہ تاجپوشی سنہ ۲۴۲ء میں ہوئی[2]، ابن الندیم کے بیان کے مطابق مانی پیغمبر کا سب سے پہلا وعظ شاپور کی تاجپوشی کے دن بتاریخ یکم نیسان

---

[1] زارہ - ہرتسفلٹ: "کتبہ ہائے برجستۂ ایران"، ص ۹۷، تصویر نمبر ۱۳،

[2] قدیم دستور کے مطابق تاجپوشی کی رسم جلوس کے بعد سب سے پہلے نوروز کے موقع پر ادا کی جاتی تھی، دیکھو شیڈر کا مضمون در نومون (Gnomon) ج ۹، ص ۳۵۰،

[3] مانویت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے قدیم مآخذ میں سے اہم ترین وہ رسالے ہیں جن میں عیسائی مصنفین نے مذہبی مباحثے لکھے ہیں، ان میں خاص طور پر قابل ذکر حسب ذیل ہیں:-
رسالہ ٹیٹس بسترائی (Titus of Bostra)، رسالہ سینٹ آگسٹائن St. Augustine، ایکٹا آرکیلائی (Acta Archelai) اور یونانی اور لاطینی زبان میں توبہ و استغفار کی وہ دعائیں جو مانویوں سے عیسائی مذہب اختیار کرنے پر پڑھوائی جاتی تھیں، ان کے علاوہ فلسفۂ نو افلاطونی پر سکندر لیکو پولسی (Alexander of Lycopolis) کی کتاب اور سیوروس انطاکی (Severus of Antioch) کے خطبات سریانی میں سے خطبہ نمبر ۱۲۳ اور سریانی بشپ تھیوڈور بارکونائی کی "کتاب الحواشی" (Book of Scholia)، یہ آخری کتاب اور ابن الندیم کی کتاب الفہرست آفرینش کائنات کے متعلق مانویت کے عقاید پر بہترین مآخذ میں سے ہیں، بعض اور عربی کتابیں خصوصاً بیرونی کی الآثار الباقیہ بھی اس بارے میں مفید معلومات پر شامل ہیں،-
زمانۂ حال میں مانویت کا مطالعہ سب سے پہلے ان محققین نے کیا ہے جو عیسائی مذہب کی تاریخ کے ماہر ہیں، ان کے نام اور ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-
۱- دو بوسوبر (de Beausobre): "مانی اور مانویت کی تنقیدی تاریخ" (فرانسیسی)، امسٹرڈم سنہ ۱۷۳۴ء - سنہ ۱۷۳۹ء
۲- باور (Baur) ،،: "نظام مذہب مانوی" (جرمن)، سنہ ۱۸۳۸ء، طبع دوم گوٹنگن سنہ ۱۹۲۸ء
۳- فلوگل (Flügel): "مانی، اس کی تعلیم اور اس کی تصانیف" (جرمن)، سنہ ۱۸۶۲ء،

(گذشتہ سے پیوستہ) :-

یہ کتاب ابن الندیم کی الفہرست کے اقتباسات، ان کے جرمن ترجمے اور حواشی پر مشتمل ہے،

۴- کیسلر (Kessler) : "مانی اور مذہب مانویت پر تحقیقات" (جرمن) ۱۸۸۹ء (ناتمام)

۵- کیوموں (Cumont) : "مانویت پر تحقیقات" (فرانسیسی)، ۱۹۰۸ء، اس کتاب میں آفرینش کائنات کے متعلق مانوی عقاید پر بحث ہے اور اس کا مأخذ تھیوڈور بارکونائی کی کتاب کے وہ اقتباسات ہیں جو دس سال پیشتر موسیو پونیوں (Pognon) نے شائع کیے تھے۔

بیسویں صدی میں جرمنی، فرانس اور انگلستان کے بڑے بڑے علمی وفد چینی ترکستان میں گئے (دیکھو اوپر ص ۵۰ ببعد) اور وہاں انھوں نے مانوی کتابوں کے بہت سے اجزا ڈھونڈ کر نکالے جو بزبان پہلوی (بہ لہجۂ شمالی و جنوب مغربی) اور اس کے علاوہ سغدی، اویغوری اور چینی زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں، ان میں سے بہت سے شائع کیے جاچکے ہیں، اس سلسلے میں اہم ترین اشاعات حسب ذیل ہیں :-

۱- میولر (F. W. K. Müller) : "آثار مخطوطات ترفان بخط اسٹرانگلو" (جرمن) ۱۹۰۴ء

۲- " (F. W. K. Müller) : "مانوی مناجات کی ایک کتاب کے دو ورق" (جرمن) ۱۹۱۳ء

۳- سالمن (Salemann) : "مطالعات مانوی" (جرمن، در رسالۂ اکیڈمی پطرزبورغ)، ۱۹۰۸ء

۴- " (Salemann) : "مانیکائیکا" (Manichaica)، ج ۱ تا ۵، (رسالۂ اکیڈمی پطرزبورغ، ۱۹۰۷ء - ۱۹۱۲ء)،

۵- ایضاً : "مانیکائیکا در زبان پہلوی" - ج ۱ تا ۳، طبع آنڈریاس و ہیننگ (Andreas & Henning) (روئداد پرشین اکیڈمی، ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۳ء، ۱۹۳۴ء)،

۶- ہیننگ : "آفرینش کائنات کے متعلق ایک مانوی بھجن" (گوٹنگن کی انجمن علمی کی روئداد، ۱۹۳۲ء)

۷- " : "عقیدۂ مانویت میں انسان اوّلین کی پیدائش اور بعثت" (گوٹنگن کی انجمن علمی کی روئداد ۱۹۳۳ء)

۸- فون لوکوک (Von le Coq) : "خوچو کے مانوی آثار بزبان ترکی" (روئداد پرشین اکیڈمی، ۱۹۱۱ء، ۱۹۱۹ء، ۱۹۲۲ء)،

۹- شٹائن (Stein) : "خواست توانست کا نئر کی ترجمہ جو مقام تون ہوانگ میں دریافت ہوا" (جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۱ء)،

۱۰- شاوان و پیلیو : "ایک مانوی رسالہ جو چین میں ملا" ۱۹۱۱ء،

(گذشتہ سے پیوستہ)

ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے قطعات میولر، لوکوک، بانگ اور پیلیو نے شائع کئے ہیں، پرشین اکیڈمی کی روئداد بابت ۱۹۲۶ء میں والڈشمٹ اور لنٹس (Waldschmidt & Lentz) نے ایک چینی دستاویز شائع کی تھی جس میں مانوی بھجن اور کچھ پہلوی اور سغدی قطعات دئے ہیں جن میں اس بات پر بحث ہے کہ مانویت میں حضرت عیسیٰؑ کا کیا رتبہ ہے، ۱۹۳۳ء میں انھیں دونوں مصنفوں نے ایک رسالہ شائع کیا جس کا نام "عقائد مانویہ ماخوذ از کتب چینی و ایرانی" (بزبان جرمن) ہے، رائیٹسن شٹائن (Reitzenstein) نے جرمن میں چند کتابیں لکھی ہیں جن میں مانویت کے متفرق مسائل پر بحث ہے اور ان میں شمالی پہلوی کے چند اقتباسات دئے ہیں جو اب تک شائع نہیں ہوئے تھے۔ ان کا جرمن ترجمہ ان کے ساتھ شامل ہے جو آنڈریاس نے کیا ہے، ان آخری سالوں میں مانویت پر جو تحقیقات ہوئی ہے اور اس کے جو نتائج شائع ہوئے ہیں ان میں اشاعات ذیل قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ الفرک (Alfaric): "خطوط مانوی" (بزبان فرانسیسی)، ۱۹۱۸ء - ۱۹۱۹ء

۲۔ جیکسن کے مضامین جو انگلستان اور امریکہ کے رسالہ ہائے انجمن آسیائی میں مانویت کے بعض مبہم مسائل پر شائع ہوتے رہے ہیں، نیز اس کی کتاب "مانویت پر تحقیقات" (نیویارک ۱۹۳۲ء) جس میں اہم ترین متون کا مطالعہ اور شرح کی گئی ہے،

۳۔ رائیٹسن شٹائن و شیڈر، : "قدیم اتحادِ مذاہب کا مطالعہ" ۱۹۲۶ء،

۴۔ شیڈر: "نظام مذہب مانوی کی ابتداء و ترقی" (وار برگ، ۱۹۲۷ء)،

۵۔ ویزن ڈونک (Wesendonk): "مانویت میں بعض ایرانی خداؤں کے ناموں کا استعمال" (جرمن) (Acta Orientalia)، ج ۷ ص ۱۱۴ بعد،

گذشتہ چند سال کے عرصے میں مصر میں بہت سے حصیری کاغذات (papyrus) ملے ہیں جن میں مانوی تصانیف کے قطعات ہیں، ان میں سب سے اہم کتاب کفلائیہ کے ایک بڑے حصے کا قبطی ترجمہ ہے جس کے بعض نمونے شمٹ (Schmidt) اور پولوٹسکی (Polotsky) نے مع جرمن ترجمہ شائع کئے ہیں (روئداد پرشین اکیڈمی ۱۹۳۳ء)، ان میں مانی کی زندگی اور اس کی تعلیم کے متعلق بعض ایسی اطلاعات دی گئی ہیں جن کا اب تک کسی کو علم نہ تھا، ان قطعات کا ایک حصہ جو موسیو شمٹ کو قاہرہ میں ملا تھا اب برلن میں ہے اور ایک حصہ جو مسٹر چیسٹر بیٹی (Chester Beatty) نے فیوم میں خریدا تھا لنڈن میں ہے، یہ قبطی زبان میں متونِ مانوی کا ایک نامرتب اور ناقص مواد ہے لیکن موسیو ابشیر (Ibscher) نے قابلِ تعریف ذہانت کے ساتھ اس میں سے ۹۶ ورق ترتیب کے ساتھ لگانے میں کامیابی حاصل کی ہے لیکن ان کی عبارت کم و بیش ناقص ہے، ان اوراق میں وعظوں کا ایک سلسلہ ہے جو مانی کے مریدوں نے لکھے ہیں

بروز انوار ہوا جبکہ آفتاب برج حمل میں تھا؛ اگر اس روایت پر اعتبار کیا جائے تو پھر ان دونوں واقعات کی تاریخ ۲۰ مارچ ۲۴۲ء ہونی چاہیئے، لیکن کفلائیہ میں ایک مقام ہے[1] جس میں خود مانی ہمیں اطلاع دیتا ہے کہ اردشیر اوّل کے عہد میں اس نے ہندوستان کا سفر کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دے اور یہ کہ اردشیر کی وفات اور شاپور کی تخت نشینی کی خبر سن کر وہ ایران واپس آیا اور خوزستان میں شاپور سے ملا[2]،

مانی ایرانی النسل اور عالی خاندان تھا، روایت یہ ہے کہ اس کی ماں اشکانی خاندان سے تھی اور مانی کی پیدائش کے وقت یہ خاندان ابھی سلطنت ایران پر حکومت کر رہا تھا، ممکن ہے کہ اس کا باپ فاتک بھی اسی گھرانے سے تعلق رکھتا ہو[3]، فاتک ہمدان کا رہنے والا تھا جس کا پرانا نام اکبٹانا تھا، وہاں سے وہ ہجرت کر کے بیبی لونیا (بابل) آیا اور ولایت میسین کے ایک گاؤں میں اس نے

(گذشتہ سے پیوستہ) اور ان کا بیشتر حصہ تیسری صدی عیسوی کی تصنیف ہے، ان متون کو مع جرمن ترجمہ موسیو پولوٹسکی نے "مواعظ مانویہ" کے نام سے شائع کیا ہے جس کے ساتھ موسیو ابشیر کا ایک مضمون بھی شامل ہے (سٹٹ گرٹ سنہ ۱۹۳۴ء)، ان مواعظ کی تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ ان میں مانی کے لیئے سزائے موت کا فیصلہ سنائے جانے اور اس کے قتل کے متعلق بہت قیمتی اطلاعات ہیں (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاپور اوّل اور اس کے جانشین ہرمزد اوّل نے مانی کو برابر اپنی حفاظت میں رکھا)، اس کے علاوہ بہرام دوم کے عہد میں مانویوں پر تعدی، مانی کے جانشین سیس کے قتل کیئے جانے اور انائیوس کے جانشین ہونے کی کیفیت بھی ان میں درج ہے، ان میں جو چیزیں سب سے آخر میں شائع ہوئیں ان سے میں نے آخری وقت میں جبکہ کتاب مطبع میں جا رہی تھی بہت عجلت کی حالت میں تھوڑا بہت استفادہ کیا،

[1] شمٹ۔پولوٹسکی (Schmidt—Polötsky)، ص ۴۷ ببعد، [2] دیکھو شیڈر کا مضمون در رسالۂ (Gnomon) ج ۹، ص ۳۴۹ ببعد، بقول شیڈر ہندوستان سے مراد دریائے سندھ اور گندھارا کا علاقہ ہے جو اس زمانے میں ساسانیوں کی سلطنت میں تھا، [3] شیڈر: "نظام مانویت کی ابتدا...." ص ۶۸ - ۶۹، ح ۴،

سکونت اختیار کی[1]، یہاں اس کا میل جول فرقۂ مغتسلہ کے عیسائیوں کے ساتھ رہتا تھا جو عرفانی تھے اور دجلہ و فرات کے درمیان سکونت رکھتے تھے[2]، مانی ۲۱۵ء یا ۲۱۶ء میں یہیں پیدا ہوا، بچپن میں اس کی پرورش مذہب مغتسلہ میں ہوئی لیکن بڑے ہو کر جب اُس نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے مذاہب سے گہری واقفیت پیدا کی مثلاً زرتشتیت، عیسائیت[3]، عرفانیت، اور خصوصاً مذاہب باردیسان[4] و مارسیون[5] وغیرہ تو اس نے عقاید مغتسلہ کو ترک کر دیا، مانی کو متعدد دفعہ کشف و الہام ہُوا جس میں ایک فرشتے "توم" نامی نے اس کو حقایقِ ربّانی سے آگاہ کیا، بالآخر اس نے اپنے مذہب کی تعلیم دینی شروع کی اور فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا جس کے آنے کی خبر حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی[6]، اس نے کہا کہ "خدا کے پیغمبروں نے وقتاً فوقتاً لوگوں کو حکمت و حقیقت سے آگاہ کیا ہے، مثلاً ایک زمانے میں بدّھا پیغمبر اہل ہندوستان کی ہدایت کے لیے مبعوث ہُوا پھر ایران میں زرتشت نے حق کی اشاعت کی اور پھر دیارِ مغرب میں حضرت عیسیٰؑ نے ہدایت خلق کا کام کیا، اب آخر میں میں جو کہ مانی خدائے برحق کا پیغمبر ہوں صاحب کشف و الہام ہو کر سرزمین بابل میں تعلیمِ حکمت و حقیقت کے لیے آیا

---

[1] شیڈر: مضمون بہ عنوان "حسن البصری" (Der Islam)، ج ۱۴، ص ۲۳، [2] دیکھو اوپر ص ۴۷ [3] انجیل کا ترجمہ سنہ ۲۰۰ء کے قریب سریانی زبان میں ہو چکا تھا، [4] باردیسان کا جو اثر عقاید مانویہ پر ہُوا اس کے متعلق دیکھو ویزن ڈونک کا مضمون در رسالۂ (Acta Orientalia)، ج ۱۰، ص ۳۳۷ بعد، اور شیڈر کا مضمون در "مجلۂ تاریخ کلیسائی" (جرمن) سنہ ۱۹۳۲ء، ص ۲۱ بعد، (مصنّف) —— باردیسان (Bardesanes) الرُّہا کا رہنے والا تھا، دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے، عرفانیت کے ایک فرقے کا بانی تھا (مترجم)، [5] (Marcion)، یہ بھی دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے اور باردیسان کی طرح ایک فرقے کا بانی تھا جو اس کے نام پر (Marcionite) کہلاتا ہے، دیکھو اوپر، ص ۴۴، (مترجم)، [6] فلوگل: "مانی" (بحوالۂ الفہرست)، ص ۵۱ و ۸۵، کفلائیہ (ص ۵۳) میں فرشتۂ مذکور کا نام "زندہ فارقلیط" دیا ہے، (دیکھو شیڈر در رسالہ نومون Gnomon، ج ۹، ص ۳۵۱ – ۳۵۲)،

ہوں[1]"۔ ایک ترانۂ حمد میں جو شمالی پہلوی میں ہے مانی کہتا ہے: "میں سرزمین بابل سے آیا ہوں تاکہ حق کی آواز ساری دنیا کو سنا دوں[2]"، مانی کا یہ دعویٰ تھا کہ میں سابقہ مذاہب کے اکمال کے لیے آیا ہوں اور خاتم النبیین ہوں، یہی دعویٰ انیسویں صدی میں بہاء اللہ نے بھی کیا تھا،

آفرینش کائنات کے متعلق مانی کا قول یہ ہے[3] کہ ابتدا میں دو جوہرِ اصلی موجود تھے ایک نیک اور ایک بد، پہلے کا نام جو کہ "پدرِ عظمت" ہے خدائے ثرو شاہ ہے جو کبھی زُروان کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے[4]، اس خدائے اوّلین کے پانچ مسکن یا مظہر ہیں[5] یعنی ادراک، عقل، فکر، تأمّل، ارادہ اور پانچ ظلمانی عنصروں کے پانچ جہان ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر قائم ہیں اور "خدائے ظلمت" کے زیر فرمان ہیں، وہ یہ ہیں: (۱) دُھوُاں (یا کُہر)، (۲) برباد کرنے والی آگ، (۳) تباہ کرنے والی ہوا، (۴) گدلا پانی، (۵) اندھیرا، یہ دوسرا عقیدہ میسوپوٹیمیا میں بہت قدیم زمانے سے رائج رہا ہے[6]، زرتشتیت کے اس خیال کے ساتھ مانی کو بھی اتفاق

---

[1] بیرونی (الآثار الباقیہ ص ۲۰۷) بحوالۂ دیباچۂ شاپورگان از تصانیف مانی، دیکھو شمٹ پولوٹسکی ص ۴۱ بعد و ص ۴۵ بعد، شیڈر: "نومون" ج ۹، ص ۳۵۴ بعد، [2] قطعۂ (M. 4. a)،

[3] رجوع بہ مآخذ ذیل: ۔ کیومون: "مذہب مانی پر تحقیقات"
فلوگل: "مانی"
آنڈریاس ہننگ: "آثار مانویہ درزبان پہلوی" یا "پہلوی مانیکائیکا" ج ۱ و ۲،
شیڈر: "نظام مذہب مانوی کی ابتدا . . . . ." ص ۸۸ بعد،
جیکسن: "مانویت پر تحقیقات"
ہیننگ: "آفرینش کائنات پر ایک مانوی بھجن"
شمٹ۔پولوٹسکی: "ایک مانوی نو دریافت شدہ چیز"۔ ص ۶۲ بعد،

[4] دیکھو اوپر، ص ۱۹۵، [5] کیومون، ص ۱۰، والڈشمٹ۔لینٹس: "مذہب مانوی میں حضرت عیسیٰ کا رتبہ" ص ۴۲، [6] کیومون، ص ۱۲،

ہے کہ یہ دو سلطنتیں (یعنی کشور نور و کشور ظلمت) تین طرف سے نامتناہی ہیں اور چوتھی سمت پر ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں،

شاہِ ظلمات نے جب نور کو دیکھا تو اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا، "پدر عظمت" نے اپنے قلمرو کی حفاظت کے لیے مخلوقِ اوّلین کو پیدا کیا، وہ اس طرح کہ سب سے پہلے اس نے "مادرِ حیات" یا "مادر زندگان" کو موجود کیا (جس کا نام بعض وقت رام راتخ بتایا جاتا ہے) اور اُس نے "انسان اوّلین" کو موجود کیا (جس کو بعض وقت اہورمزد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے[1])، پدر عظمت، مادر زندگان اور انسان اوّلین مذہب مانوی کی پہلی تثلیث ہے (باپ، ماں اور بیٹا[2])، تب انسان اوّلین نے پانچ بیٹے پیدا کیے جو عالم نور کے پانچ عنصر ہیں اور عالم ظلمت کے پانچ عنصروں کے مقابلے پر ہیں یعنی: (۱) اثیر صافی، (۲) ہوائے خوشگوار، (۳) روشنی، (۴) پانی، (۵) پاک کرنے والی آگ، ان کو مجسّم قرار دے کر "پانچ مہر سپند" کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے[3]، انسان اوّلین نے ان پانچ عنصروں کو زرہ بکتر کے طور پر پہن لیا اور شاہ ظلمات کے ساتھ لڑنے کے لیے میدان میں اتر آیا، اُس نے بھی اپنے پانچ ظلمانی عنصروں سے اپنے آپ کو مسلح کر لیا، حریف کو زیادہ قوی پا کر انسان اوّلین نے اپنے عنصروں کو شاہ ظلمات کے آگے ڈال دیا اور وہ ان کو نگل گیا "جس طرح کہ ایک شخص اپنے دشمن کو روٹی میں زہر قاتل ملا کر کھلا

---

[1] انسان اوّلین کے بارے میں عرفانی عقاید کے متعلق دیکھو اوپر، ص ۴۶، یہ بات کہ "پدر عظمت" کا نام زروان اور انسان اوّلین کا نام اہورمزد تھا ثابت کرتی ہے کہ جو مزدائیت مانی کے علم میں تھی وہ زروانیت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی، (شیڈر: "نظام مذہب مانوی کی ابتدا....." ص ۱۴۴)، [2] آنڈریاس - ہیننگ، ج ۱، ص ۳۲۴، ح ۷، [3] اہرسپندان، دیکھو اوپر، ص ۳۲ و ۸۸ ح ۳، آنڈریاس - ہیننگ، ج ۲، ص ۳۲۲، وغیرہ،

دیتا ہے[1]"۔ اس طرح پانچ نورانی عنصر پانچ ظلمانی عنصروں کے ساتھ مل گئے اور اس آمیزش سے ہمارے موجودہ پانچ عنصر وجود میں آئے جن میں مفید اور مضر خاصیتیں ساتھ ساتھ پائی جاتی ہیں، اس کے بعد انسان اوّلین نے جو مصیبت و عذاب میں مبتلا تھا باپ کو سات مرتبہ مدد کے لئے پکارا، باپ نے اس کو بچانے کے لیے مخلوق دوم کو پیدا کیا، سب سے پہلے عالم نور کا یاور نریسف[2] وجود میں آیا، اس نے بانِ اعظم کو موجود کیا اور بانِ اعظم نے روحِ زندہ کو موجود کیا جو مانو بانِ مغرب کے نزدیک "خالق" ہے اور ایران کی جنوب مغربی زبان میں اس کو مہریزو (خدائے متھرا) کہا گیا ہے، یہ دوسری تثلیث ہے[3] (نریسف، بانِ اعظم، روحِ زندہ)، روحِ زندہ نے پانچ بیٹے پیدا کیے: (۱) زینتِ شوکت، (۲) بادشاہِ عزّت، (۳) آدم نورانی، (۴) بادشاہِ جلال، (۵) حامل (اوموفوروس)[4]، ان پانچ بیٹوں کو ساتھ لے کر وہ کشورِ ظلمات میں اُتر آیا اور تیز تلوار کی مانند ایک گرجتی ہوئی آواز نکالی اور انسانِ اوّلین کو بچا لیا[5]، تب روحِ زندہ نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ کشورِ ظلمات کے ارکان کو قتل کر کے ان کی کھالیں اتاریں، ان کھالوں سے مادرِ حیات نے آسمان بنایا لیکن ان کے جسم ارضِ ظلمات پر پھینک دیے گئے اور ان کے گوشت سے

---

[1] تھیوڈور بارکونائی (کیوموں، ص ۱۸)، یہ عقیدہ افسانۂ مردوک و تیامت کی یادگار ہے، دیکھو اوپر، ص ۱۲۳،
[2] شمالی پہلوی میں اس طرح ہے، سغدی زبان میں نریشنخ ہے، یہ وہی نام ہے جو اوستا میں نائریوسنگہا ہے، دیکھو اوپر، ص ۲۰۴، ح ۱، [3] دیکھو جیکسن کا مضمون بہ عنوان "خلق ثانی در عقیدۂ آفرینش مانوی" (جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا صد سالہ تتمہ، ۱۹۲۴ء ص ۱۳۷ ببعد)، نیز "مانویت پر تحقیقات" ص ۲۷۱ ببعد،
[4] Omophoros. ، [5] روحِ زندہ کی آواز اور انسانِ اوّلین کے جواب کو مجسّم قرار دے کر دو خدا بنائے گئے ہیں جن کے نام خروشتگ اور پذواختگ ہیں (شیڈر: قدیم اتحاد مذاہب پر مطالعات" — ص ۲۶۳ ببعد، شمٹ - پولوتسکی، ص ۷۶ ببعد)،

زمین بنائی اور ہڈیوں سے پہاڑ بنائے، یہ ایک قدیم افسانۂ آفرینشِ کائنات کی نئی شکل ہے جس کے بعض آثار زرتشتی روایت میں بھی موجود ہیں[۱]، جہان جو کہ دیووں کے ناپاک جسموں سے بنایا گیا ہے دس آسمانوں اور آٹھ زمینوں پر مشتمل ہے[۲]، ہر آسمان کے بارہ دروازے ہیں، زینتِ شوکت آسمانوں کو بلند کیے ہوئے ہے اور حاملِ زمین کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہے جس طرح کہ اساطیرِ یونان میں اطلس نے کندھوں پر زمین اٹھا رکھی ہے، بادشاہِ عزت جہان کے وسط میں بیٹھا ہوا ہے اور دوسرے محافظ خداؤں کو حکم احکام دیتا ہے،

تب روحِ زندہ نے فرزندانِ ظلمت کو . . . . شکلیں دکھائیں اور ان کے . . . جذبات کو برانگیختہ کیا[۳] جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ حصہ اُس نور کا جس کو وہ نگل گئے تھے انھوں نے نکال پھینکا، اس نور کے ذرات سے اس نے سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے جس کے بعد اس نے ہوا، آگ اور پانی کے تین کُرے (تین "چکر") بنائے جن کو بادشاہِ جلال زمینوں کے اوپر بلند کیے ہوئے ہے تاکہ ارکانِ ظلمت کا زہر خدائی مخلوقات کے گھروں پر گرنے نہ پائے،

حفاظت کے انتظام کو مکمل کرنے کے لیے پدرِ عظمت نے پیامبر یا "رسولِ ثالث" کو پیدا کیا جس کے القاب روشن شہر یزد (خدائے عالم نور) اور نریسہ ہیں[۴]، شمالی پہلوی اور سُغدی میں اس کے نام نریزد اور مشیبہاگے یعنی خدائے متھرا[۵] (مہر)

---

[۱] کرسٹن سین: "انسان اوّلین . . . " ج ۱، ص ۲۳-۲۴ ببعد، [۲] ایک اور روایت میں چار زمینیں ہیں، (آنڈریاس - ہیننگ، ج ۱، ص ۱۷۷)، [۳] اس کے ساتھ مزدائی افسانے کا مقابلہ کرو جو اوپر (ص ۲۰۳ پر) بیان ہوا ہے، [۴] اوستائی زبان میں نائریوسنگہ ہے، نریسہ اس کی وہ شکل ہے جو جنوب مغربی ایران میں رائج تھی، دیکھو اوپر، ص ۲۰۴، [۵] ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ جنوب مغربی زبان میں خدائے متھرا روحِ زندہ کا نام ہے،

ہیں، اس کی پیدائش سے سات خداؤں کا ہفتگانہ مکمّل ہوگیا جو دین مزدائیت کے سات امہرسپندوں کی جماعت کے مطابق ہے، اس کے علاوہ خدایانِ ہفتگانہ کا عقیدہ مانی کے زمانے میں کلدانیوں کے ہاں بھی تھا جس میں دو تثلیثیں تھیں اور ایک اکیلا خدا تھا[1]، پیامبر کے ہاں بارہ نورانی بیٹیاں پیدا ہوئیں[2] یعنی: ۱۔سلطنت ۲۔حکمت، ۳۔نصرت، ۴۔یقین، ۵۔طہارت، ۶۔صداقت، ۷۔ایمان، ۸۔صبر، ۹۔دیانت، ۱۰۔احسان، ۱۱۔عدل، ۱۲۔نور، خود پیامبر کو ایک طرح کی دوشیزۂ نور خیال کیا جاتا ہے[3]، اس نے سورج میں رہائش اختیار کی[4] اور چاند اور سورج کی کشتیوں کو چلانا شروع کیا، ستارے، سورج، چاند، اور بروج ایک طرح کی مشین ہیں جس کا عمل ذرّاتِ نور کو ظلمت کی آمیزش سے علیحدہ کرنا اور ان کو منبعِ نور تک پہنچانا ہے، پیامبر کے حکم سے "تین چکّر" چلنے لگے اور بانِ اعظم نے ایک نئی زمین بنائی اور دیووں کے لیے ایک جیل خانہ تعمیر کیا، اس طریقے سے تمام کائنات کی باقاعدہ حرکت شروع ہوئی، تب پیامبر نے وہی تجربہ دہرایا جو پہلے روحِ زندہ نے کیا تھا یعنی ارکانِ ظلمت کو جو آسمان پر پابزنجیر تھے . . . شکلیں دکھلائیں، ان میں جو مرد تھے ان کے سامنے وہ ایک حسین عورت کی شکل میں جلوہ گر ہوا اور جو عورتیں تھیں ان کے سامنے ایک خوبصورت جوان بن کر

---

[1] کیوموں ص ۴۴، [2] بارہ بروج کے ساتھ مقابلہ کرو، کیوموں ص ۳۶، [3] شمالی پہلوی اور سغدی میں بعض قطعات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں اس تیسری پیدائش میں بھی پہلی اور دوسری پیدائش کی طرح تثلیث کو مکمّل کر دیا گیا: یعنی عیسٰی، دوشیزۂ نورانی اور منوہ میدِ بزرگ (شیڈر: "مطالعات" ص ۲۴۳ ببعد) جنوب مغربی زبان میں اس تثلیث کے تیسرے شخص کا نام وہمن ہے (آنڈریاس۔ہیننگ ج ۲، ص ۳۲۸، ح ۱ و ۲) اوستا کے گاتھاؤں میں وہ وہومنا

آیا[1]، ارکانِ ظلمت نے . . . . نور کے بعض ذرّات جو اُنھوں نے نگلے تھے نکال پھینکے لیکن ساتھ ہی "گناہ" بھی خارج ہوُا جو زمین پر آن گرا، اس ظلمانی مادّے کا آدھا حصّہ تری (سمندر) پر گرا اور اس سے ایک دیو پیدا ہوُا جس کے ساتھ آدمِ نورانی نے جنگ کی اور اس کو مغلوب کیا، دوسرا آدھا حصّہ جو خشکی پر گرا اس سے پانچ درخت پیدا ہوئے جو تمام نباتات کا مبدا تھے، ارکانِ ظلمت میں سے جو عورتیں تھیں . . . . . ان کے نر اور مادہ بچّے (مَزَن[2] اور آسر یشتار[3]) زمین پر آن گرے جن سے تمام خشکی، تری، اور ہوا کے جانور پیدا ہوئے، اس طرح حیوانات اور نباتات ناپاک دیوؤں سے وجود میں آئے[4]،

بالآخر آز (حرص) نے آسر یشتاروں اور مَزَنوں کو باہم سرشت کیا اور ان سے جو بچّے پیدا ہوئے ان کو نگل گیا، اس کے بعد دو عفریتوں کے ہاں (جن میں سے ایک نر تھا اور ایک مادہ[5] اور جن کے نام سریانی روایت میں اَشَقلون اور نمرئیل بتائے گئے ہیں) پہلے ایک لڑکا گیہمرد[6] اور پھر ایک لڑکی مُرد یانگث[7] پیدا ہوئی جن کو آدم و حوّا بھی کہا جاتا ہے اور جو نسلِ انسان کے باپ اور ماں ہیں، ان دونو کی اصل عفریتی تھی لیکن ان میں اور خصوصاً گیہمرد۔ آدم میں نور کے وہ باقی ماندہ ذرّات مجتمع ہو گئے جن کو دیوؤں نے محفوظ کر رکھا تھا، اس کی تعبیر یہ ہے کہ روحِ ربّانی کو

---

[1] کیوموں ص ۴۵ ببعد، [2] اوستا میں دیوَ مازَنی مذکور ہیں جو بعد کی داستانوں میں "دیوانِ مازندرانی" ہو گئے جن کا ذکر فردوسی اور دوسروں کے ہاں ملتا ہے، [3] آنڈریاس۔ ہیننگ، ج ۱، ص ۱۹۵،
[4] مانوی قطعات میں سے ایک قطعہ (T. III. 260) کی رُو سے جس کو آنڈریاس۔ ہیننگ نے شائع کیا ہے نباتات اور حیوانات کی پیدائش نئی دنیا سے پہلے ہوئی، [5] آنڈریاس۔ ہیننگ، ج ۱، ص ۱۹۵،
[6] مزدائی عقیدۂ آفرینش میں اس کا نام گیومرد (کیومرث) ہے، دیکھو اوپر، ص ۱۹۲،
[7] زرتشتیوں کے ہاں اس کا نام مَشیانگ ہے (دیکھو اوپر، ص ۱۹۲)

پیکرِ ناپاک میں قید کیا گیا ہے[1]، اس کے بعد یسوعِ نورانی یا "جہانِ عقل" (خرُذ یشہر) کو پدرِ عظمت نے نہیں بلکہ دوسرے درجے کے خداؤں (پیامبر، مادرِ حیات، انسانِ اوّلین، اور رُوحِ زندہ) نے پیدا کیا اور گیہمرد۔ آدم کی طرف جو سورہا تھا بھیجا تاکہ اس کو نیند سے جگائے اور اس کی فطرت وکیفیت سے اس کو آگاہ کرے اور نظامِ کائنات اُس کو سمجھا دے[2]، موسیو کیوموں لکھتے ہیں[3] کہ "مانویوں کے عقیدے میں مصائبِ مسیح کی ایک بڑی جرأت آمیز تمثیل ہے، وہ ان مصائب کو اُس جوہرِ ربّانی کی مصائب تصوّر کرتے ہیں جو قدرت کی تمام پیداوار میں موجود ہے اور ہر روز پیدا ہوتا ہے تکلیفیں اُٹھاتا ہے اور مرجاتا ہے، درختوں میں آکر وہ شاخوں کی صورت میں لٹکتا ہے یعنی "مصلوب" ہوتا ہے، پھلوں اور سبزیوں میں آکر وہ بطور غذا کے کھایا جاتا ہے، اسی لیے اُنھوں نے جوہرِ ربّانی کا نام یسوع بردبار رکھا ہے"۔ جب آدم کی رُوح اُس کے جسم میں بند کی گئی تو اس نے اس مصیبت سے تنگ آکر فریاد کی اور کہا کہ "نفرین ہے میرے جسم کے پیدا کرنے والے پر جس کے اندر میری رُوح مقید کر دی گئی ہے اور لعنت ہے اُن باغیوں پر جنھوں نے مجھے غلامی میں ڈلوایا"[4]، تب آدم کو نجات مل گئی اور وہ بہشت میں جا داخل ہوا[5]،

مانویوں کے نظامِ آفرینش کا خاکہ جو اب ہم پیش کرتے ہیں وہ سریانی اور عربی کتابوں سے مأخوذ ہے لیکن اس کی تکمیل اُن پہلوی قطعات سے کی گئی ہے جو تُرفان میں دستیاب ہوئے ہیں، کفلائیہ میں[6] اس کا پورا نقشہ دیا ہے جس کی رُو

[1] کیوموں ص ۴۶، [2] مانوی قطعات میں سے ایک (S. 9) میں یسوع کی بجائے اہورمزد کا نام ذکر کیا گیا ہے، [3] ص ۴۸، [4] کیوموں، ص ۴۹، [5] ہیننگ: "عقیدۂ آفرینشِ مانوی پر ایک بحث" ص ۲۲۴-۲۲۵، [6] شمٹ - پولوٹسکی، ص ۶۲ بعد،

سے پانچ باپ ہیں جن میں سے ہر ایک کی ایک ایک پشت ہے اور ہر ایک پشت میں تین تین شخص ہیں، کفلائیہ میں جو شجرۂ نسب دیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے[1]:۔

(۱) پدرِ عظمت

مادرِ زندگان	عاشقِ انوار	(۲) رسولِ ثالث
ستونِ شوکت	(۳) یسوعِ نورانی	دوشیزۂ نورانی
(۴) نفسِ نورانی[2]	قاضیِ اعظم	[۰۰۰۰۰۰]
پیغمبرِ نور	ثانیِ اثنین	(۵) شخصِ نورانی
۱۔ فرشتہ	۲۔ فرشتہ	۳۔ فرشتہ

دنیا کے خاتمے پر ربانی ہستیاں چاروں سمتوں سے آئینگی اور نئے بہشت کا معائنہ کرینگی اور قعرِ جہنّم پر بھی ایک نظر ڈالینگی، اس کے بعد نیکبخت لوگ اپنے عارضی بہشت سے نکل کر وہاں آپہونچینگے[3]، دو فرشتے جو آسمان اور زمین کو اُٹھائے ہوئے ہیں اپنا اپنا بوجھ گرا دینگے، ہر چیز تباہ ہوجائیگی اور اس ابتری میں سے جو شعلے نکلینگے ان سے سارے جہان کو آگ لگ جائیگی، یہ آگ ۱۴۶۸ سال تک[4]

[1] شمِٹ۔ پولوٹسکی، ص ۷۳، [2] = منوہ میذ (شیڈر در رسالۂ نومون Gnomon ج ۹، ص ۳۵۶)
[3] مرنے کے بعد "برگزیدہ" لوگ بہشت میں داخل ہونگے لیکن کمتر درجے کے مومن جو علائقِ مادی سے رہا نہیں ہوئے اپنے اپنے اعمال کے مطابق مختلف حالتوں میں دوبارہ اس دنیا میں پیدا ہونگے اور گنہگار جہنم میں جائینگے، [4] سالوں کی اس تعداد کو مختلف طریقوں سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، کوئی شک نہیں کہ وہ ضرور نجوم یا جوتش کے کسی خاص حساب کا نتیجہ ہے، (اوگڈن: "مضامین مودی میموریل"، ص ۱۰۲ بعد۔)

جلتی رہیگی اور اس عرصے میں جس قدر ذرّاتِ نور کا ظلمت کی آمیزش سے نکالا جانا ممکن ہوگا نکالے جائینگے، نور کا تھوڑا سا حصّہ ہمیشہ کے لیئے ظلمت میں گرفتار رہ جائیگا لیکن خداؤں کو اس سے کچھ رنج نہیں ہوگا کیونکہ رنج کو ان کی طبیعت کے ساتھ مناسبت نہیں ہے اور سوائے خوشی اور زندہ دلی کے ان کو اور کسی چیز کا احساس نہیں ہوتا[1] دونو جہانوں کے درمیان ایک ناقابلِ گذر محکم دیوار کھینچ دی جائیگی اور عالمِ نور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امن میں رہیگا،[2]

مبدأ و معاد کے مانوی عقاید کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ وہ عرفانی عقاید سے مأخوذ ہیں، سکندر لیکو پولسی[3] نے جو غالباً سنہ ۳۰۰ء کے قریب گذرا ہے مانوی عقاید کا خلاصہ فلسفے کے رنگ میں بیان کیا ہے، اس کو دیکھ کر شیڈر نے یہ بات پہچانی ہے[4] کہ مانی نے (جو باردیسان کا پیرو تھا[5]) اپنے مذہب کی تعمیر فلسفۂ یونان کی بنیاد پر کی ہے، افسانہ و اساطیر کے پردے میں جو مجرّد خیال پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ دو اصلِ قدیم ہیں ایک خدا اور ایک مادّہ (حرکتِ نامنظّم)، خدا اصلِ خیر ہے اور مادّہ اصلِ شر، خدا نے حرکتِ نامنظّم کو منظّم بنانے کے لیئے ایک طاقت پیدا کی یعنی روح، وہ مادّے کے ساتھ مل گئی، تب ایک اور طاقت پیدا کی یعنی خلاّقہ جس نے (روح کی) نجات کا کام شروع کیا، روح کا منبع خدا ہے لیکن جسم کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے گر کر مادّے کے بس میں آگئی ہے اور

---

[1] قطعہ (از قطعات مانوی) در زبان پہلوی شمالی مترجمہ آنڈریاس، [2] فلوگل: "مانی" ص ۱۰۱ و ۱۰۷، شہرستانی ص ۱۹۱، (از روی روایت شاپورگان جس کے بعض قطعات اب دستیاب ہوئے ہیں، دیکھو میولر: "مخطوطات مانوی" - ج ۲، ص ۱۹ ببعد)، [3] (Alexander of Lycopolis)، [4] "نظام مذہب مانوی کی ابتدا ....." ص ۱۰۶ ببعد، [5] مقابلہ کرو شیڈر کا مضمون (رسالۂ تاریخِ کلیسائی، سنہ ۱۹۳۲ء ص ۲۱-۴۷، بزبان جرمن)

اپنی اصل کو اور منزل مقصود کو بھول چکی ہے پس نورِ خدا اس کو بیدار اور آزاد کرتا ہے، آدمی روح اور جسم کا مرکّب ہے، روح کلیّتہً عالمِ بالا کے ساتھ مربوط ہے اور جسم کا تعلّق کُلّی طور پر عالمِ زیریں کے ساتھ ہے، ان دونو کا باہمی ربط نفس کے ذریعے سے ہے کہ وہ بھی بلاشبہ عالم بالا کے ساتھ تعلّق رکھتا ہے لیکن چونکہ جسم کے ساتھ اس کا بھی اتحاد ہے لہذا عالم زیریں کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے، عالِم اصغر (یا عالمِ انسانی) کے اس نظام کا جواب عالِم اکبر میں موجود ہے کہ وہاں بھی اسی طرح سے حیاتِ ربّانی و نورانی کی آمیزش مادّۂ ظلمانی کے ساتھ ہوئی ہے اور جس طرح افرادِ انسانی کو نجات کی حاجت ہے اس کو بھی رہائی کی ضرورت ہے[1]۔ ترکیبِ عالم کے اس مانوی تصوّر نے اخلاق کو ایک عقلی اور مابعدالطبیعی بنیاد پر قائم کر دیا ہے یعنی اخلاقی عمل "گویا ایک نہایت چھوٹے پیمانے پر عملِ ارتقائے کائنات کی تصویر ہے اور اس کے برعکس"[2]۔ سکندر لیکوپولسی کے بیان میں آفرینشِ کائنات کے متعلّق مانوی عقاید کی جو صورت پیش کی گئی ہے وہ خاص ان لوگوں کے لیے ہے جن کی طبیعتوں پر فلسفۂ یونان کا اثر چھایا ہوا ہے'۔ ان ایّام میں جو قبطی کتابیں دریافت ہوئی ہیں ان سے ہمیں ایک نیا مأخذ ہاتھ آیا ہے جس سے ہم بلاواسطہ مغربی مانویت کے متعلّق معلومات حاصل کر سکتے ہیں،

لیکن ان مآخذ میں مذہب مانوی کے متعلّق جو کچھ دیا ہے اس کی تشریح اس وجہ سے مشکل ہوگئی ہے کہ ہر مأخذ میں عقایدِ مانویہ کے ایک مختلف پہلو پر بحث ہے اور

---

[1] شیڈر: "نظام مذہب مانوی۔۔۔"۔ ص ۱۱۰،

[2] ایضاً، ص ۱۱۴، شمٹ ۔ پولوٹسکی، ص ۱۳ ببعد، شیڈر: رسالۂ نومون، ج ۹، ص ۳۵۹،

ہر ایک میں ایک مختلف ماحول دکھایا ہے، مانوی تعلیم نے ہر نئے مذہبی ماحول میں ایک نیا رنگ اختیار کیا کیونکہ مانی کی یہ خواہش تھی کہ اس کا مذہب عالمگیر ہو، اسی لیے اس نے دانستہ اپنی تعلیم کو مختلف اقوام کے مذہبی خیالات کے ساتھ موافق کرنے کی کوشش کی اور ان کی دینی اصطلاحات کو اختیار کیا[1]، سریانی یقیناً اس کی مادری زبان تھی لیکن اُس نے بعض کتابیں ایران کی زبانوں میں بھی لکھیں مثلاً شاپورگان (جس کے متعلق ہم آگے چل کر بحث کرینگے) اور بعض اور کتابیں اس نے جنوب مغربی یعنی ساسانی پہلوی میں تصنیف کیں اور بعض مناجاتیں شمالی یعنی اشکانی پہلوی میں لکھیں جو آج بھی موجود ہیں، مانی اور اس کے جانشینوں نے (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں) مزدائی خداؤں کے نام مستعار لیے ہیں[2] اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ایرانی مستمعین کے لیے اس کی باتیں زیادہ قریب الفہم ہوں، لیکن ان خداؤں کے علاوہ ایران کے قدیم داستانی ہیرو بھی (مثلاً فریدون) مانوی اساطیر میں داخل ہیں، بعض مانوی عقاید کو زرتشت کی زبان سے ادا کیا گیا ہے[3]، برعکس اس کے بعض فرشتوں کے نام مثلاً گبرئیل، رفائیل، میکائیل، سرائیل، بارسیموس وغیرہ سریانی ماحول سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے ساتھ بعض قطعات میں جو یعقوب کا نام دیکھنے میں آتا ہے تو وہ غالباً وہی توراۃ والے پیغمبر ہیں[4]، ان کو نریمان[5] بنایا گیا ہے

---

[1] شمٹ - پولوتسکی، ص ۵۹ ببعد، [2] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود مانی نے زرتشتیت کی قدرشناسی میں مغربی روایات کی پیروی کی ہے، (شیڈر: نومون، ج ۹، ص ۲۵۴)، [3] مثلاً دیکھو "سرودِ زرتشت" جو شمالی پہلوی میں ہے اور جس کو آنڈریاس نے ترجمہ کیا ہے، (رائٹسن شٹائن: "یونان کے پُراسرار مذاہب" ص ۱۲۶)، نیز آنڈریاس - ہیننگ، ج ۳، ص ۸۷۲ [4] دیکھو پیٹرسن کا مضمون (مجلۂ علوم دینیات - جرمن - بابت مئی ۱۹۲۸ء ص ۲۴۲)، [5] بزبان اوستائی: نیئریمنا،

جو ایران کے قدیم داستانی ہیرو کرَساسپَ (گرشاسپ) کا لقب ہے[۱]، مانوی قطعات جو جنوب مغربی، شمالی اور سغدی زبانوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں اُن میں بعض اساطیری نام ایک دوسرے سے مختلف پائے جاتے ہیں[۲]۔

علیٰ ہذاالقیاس مانی کے مذہب پر عیسائی عقاید کا بھی بہت گہرا اثر پڑا ہے، مانوی مذہب کی تثلیثِ اوّل کے جو تین افراد ہیں یعنی پدرِ عظمت، مادرِ زندگان اور انسانِ اوّلین، ان کی ویسی ہی تعظیم ملحوظ ہے جیسی کہ عیسائی مذہب میں باپ، بیٹے اور روح القدس کی، کتبِ مانوی کے قطعات جو آج موجود ہیں ان میں انجیل کی بعض عبارتیں لکھی ہوئی ہیں، مانی کے مذہب میں عیسیٰؑ کو صدر میں جگہ دی گئی ہے لیکن چونکہ اس بارے میں مانوی عقاید کے متعلق ہماری معلومات ناکافی ہیں لہٰذا ہم اس جگہ کو صحیح طور پر معیّن نہیں کر سکتے، البتّہ ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ مانویوں کا عیسیٰؑ وہ عیسیٰؑ نہیں ہے جس کو یہودیوں نے سولی پر چڑھایا، مسیحؑ کی ظاہری مصائب کو مانی نے مجاز کے طور پر روحِ نورانی کی اُن تکلیفوں کی علامت قرار دیا جو وہ عالمِ اسفل میں قید ہو کر بھگت رہی ہے[۳]، مانی کے نزدیک حقیقی عیسیٰؑ ایک ربّانی ہستی تھی جس کو عالمِ نور سے آدم کی تعلیم کے لیے اور اس کو سیدھا راستہ دکھانے کے لیے بھیجا گیا تھا، وہ مملکتِ نور کی طرف روحوں کا رہنما ہے[۴]، مانی نے نجات کے بارے میں قدما کے خیالات کو عیسیٰؑ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی بات (جیسا کہ موسیو بُوسے[۵] نے ثابت کیا ہے) عرفانیوں نے بھی کی ہے، لیکن مانوی عقاید میں یہ ایک سطحی

---

[۱] کرستن سین: "کیانیان" - ص ۹۹ ببعد و ص ۱۲۹ ببعد، [۲] ہیننگ (O L Z) سنہ ۱۹۳۴ء ص ۵ ببعد،
[۳] والڈشمٹ - لینٹس (Waldschmidt—Lentz): "مذہب مانوی میں عیسیٰؑ کا رتبہ" ص ۲۴،
[۴] والڈشمٹ - لینٹس: "مذہب مانوی میں عیسیٰؑ کا رتبہ" - ص ۶۱ ببعد، [۵] (Bousset)،

اور مصنوعی اضافہ نہ تھا بلکہ مانی نے ایسا کرنے میں عیسائیوں کے "نجات دہندہ"[1] کی تاویل اپنے عقیدے کے مطابق کی ہے[2]،

تناسخ کا عقیدہ مانی نے ہندوستان کے مذہبی عقاید (غالباً بدھ مذہب) سے لیا ہے[3]، مذہب مانوی میں اس عقیدے کا مقام غیر معیّن ہے اور محققین اس بارے میں اختلاف رائے رکھتے ہیں، جیکسن نے اس مسئلہ پر مفصّل بحث کی ہے اور آخر میں اپنے مشاہدات کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے: "ہم یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ خود مانی نے اس عقیدے کو اپنی مذہبی تعلیم کا ایک اصول قرار دیا اور یہ بتایا کہ دنیا میں کسی نہ کسی شکل میں دوبارہ پیدا ہونے کی سزا گناہگاروں کے لیے اور اُن لوگوں کے لیے ہے جو راسخ الاعتقاد نہیں ہیں، لیکن برگزیدہ لوگ اس سے بری ہونگے"۔ ویزن ڈونک کی رائے ہے کہ یہ کسی کی شخصیت نہیں جو دوبارہ پیدا ہوتی ہے بلکہ وہ اس کا باطنی نوُر ہے جو بار بار جنم لیتا ہے حتّٰی کہ وہ عالم نور میں فنا ہوجاتا ہے، علاوہ اس کے جب آگے چل کر مانویت کی ترویج وسط ایشیا میں ہوئی جہاں بدھ مذہب پہلے سے رائج تھا تو اس ماحول کے ساتھ بھی اس نے موافقت اختیار کی، ایک مانوی رسالے کا چینی ترجمہ[4] جو آج موجود ہے سرتاپا بدھ مذہب کے رنگ میں ہے،

مانویوں کی مذہبی معاشرت کے پانچ طبقے تھے جو پدرِ عظمت کے پانچ مظاہر

---

[1] Saviour. [2] والڈشمٹ ۔ لینٹس: کتاب مذکور، ص ۷۷، شیڈر: "نظام مذہب مانوی کی ابتدا۔۔۔" ص ۱۵۰ بعد، آنڈریاس ۔ ہیننگ، ج ۲، ص ۳۱۲ بعد، [3] والڈشمٹ لینٹس: کتاب مذکور، ص ۱۰، جیکسن: JAOS، ج ۴۵، ص ۲۴۶ بعد، ویزن ڈونک: AO ج ۷، ص ۱۷۸، آنڈریاس ۔ ہیننگ، ج ۲، ص ۳۱۰، [4] شاوان و پیلیو (Chavannes & Pelliot) مجلۂ آسیائی (J. A.) سنہ ۱۹۱۱ء ص ۴۹۹ - ۶۱۷،

کے مطابق تھے، پہلا طبقہ فریستگان (بمعنی ایلچی) کا تھا جو تعداد میں بارہ تھے، دوسرا طبقہ اِسپَسگان (فستیسُون) کا تھا جو تعداد میں ۷۲ تھے، تیسرا طبقہ مَہشتگان (بزرگان) کا تھا جن کی تعداد ۳۶۰ تھی، چوتھا طبقہ وِزیدگان (برگزیدگان) کا اور پانچواں نیوشگان (سماعون) کا تھا جن کے ممبروں کی تعداد نامحدود تھی[1]، مانوی کتابوں میں آخری دو طبقوں کا ذکر اوروں کی نسبت بہت زیادہ آتا ہے، اُمّتِ مانویہ کی زیادہ تعداد نیوشگان پر مشتمل تھی جو مومنانِ باصفا تھے لیکن وزیدگان کی سی سخت ریاضت کا بار نہیں اُٹھا سکتے تھے،

مانویوں کا اخلاقی دستور العمل ایک سلسلۂ مواعظ پر مبنی تھا جس کو ہفت مُہر کہتے تھے جن میں سے چار تو روحانی اور اعتقادی تھیں اور تین عملی اخلاق کی ضامن تھیں، ان تین میں سے ایک "مُہرِ دہان" تھی یعنی کُفر آمیز اور ناپاک کلام سے بچنا، دوسری "مُہرِ دست" یعنی ہاتھوں کو اُن تمام کاموں سے روکنا جن سے نور کو ضرر پہنچے، اور تیسری "مُہرِ دل" یعنی ناپاک اور شہوانی خواہشوں سے پرہیز کرنا[2]، ان تین عملی "مُہروں" کے احکام وزیدگان اور نیوشگان کے لیے مختلف تھے، وزیدگان کو اجازت نہ تھی کہ ایسا پیشہ اختیار کریں جس سے عناصر کو ضرر پہنچے یا دولت کی تلاش کریں یا دنیاوی

---

[1] سوسائٹی کے یہ پانچ مدارج مصنوعی طور پر بنائے گئے ہیں اور اس طبقہ بندی کی تشریح میں بعض اختلافات ہیں، دیکھو شیڈر: "ایرانیکا" (گوٹنگن کی علمی انجمن کی روئداد، سنہ ۱۹۳۴ء، ص ۱۲ ببعد) والڈشمٹ لینٹس (Dogmatik)، ص ۵۱۹ ببعد، ۵۹۲ ببعد)، آنڈریاس۔ ہیننگ، ج ۲، ص ۳۲۳ ببعد، بزرگان کلیسائے مانوی کے القاب کے متعلق دیکھو گوتیو (Gauthiot)، مجلۂ آسیائی (JA)، سنہ ۱۹۱۱ء حصۂ دوم ص ۵۹ ببعد، بین ونِشت: "مطالعات مشرقی" شائع کردہ موزۂ گیمے (Musée Guimet) بیادگار ریموند لینوسیر (Raymonde Linossier)، ج ۵ (سنہ ۱۹۳۲ء)، ص ۱۵۵ ببعد،

[2] ہفت مہر کے متعلق دیکھو جیکسن کا مضمون (JAOS) ج ۴۱، ص ۶۸ ببعد = "تحقیقات مذہب مانوی" ص ۳۳۱ ببعد، فضائل پنجگانۂ مانوی (والڈشمٹ۔ لینٹس (Dogmatik) ص ۵۷۴)، مواعظ اخلاقی پنجگانہ (ایضاً، ص ۵۷۹، ۵۸۸)

آسائشوں کے درپے ہوں، گوشت کھانا ان کے لیے ممنوع تھا اور نباتات کا اُکھاڑنا بھی ان کے لیے گناہ تھا کیونکہ ایسا کرنا نور کے اُن ذرّات کو نقصان پہنچانا ہے جو نباتات میں موجود ہیں، شراب بھی ان کے لیے حرام تھی، انہیں تاکید تھی کہ ایک دن کی خوراک اور ایک سال کے کپڑوں سے زیادہ اپنے پاس کچھ نہ رکھیں، اُنہیں حکم تھا کہ تجرّد کی زندگی بسر کریں[1] اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے لیے اور ان کو پاک زندگی گزارنے کی ہدایت کرنے کے لیے دنیا میں سفر کریں، لیکن نیوشگان کے لیے قواعد ایسے سخت نہ تھے، وہ اپنا دنیاوی کاروبار کرتے تھے اور اپنے اپنے پیشوں میں مشغول رہتے تھے، وہ گوشت بھی کھا سکتے تھے صرف اتنی بات تھی کہ اپنے ہاتھ سے جانور کو مارنا ان کے لیے ممنوع تھا، اور ان کو شادی کرنے کی بھی اجازت تھی، انھیں اس بات کی تاکید تھی کہ اخلاقی زندگی بسر کریں اور دنیا کے ساتھ بہت زیادہ دلبستگی پیدا نہ کریں، نیوشگان کا یہ بھی فرض تھا کہ وزیدگان کی خوراک کا خرچ اپنی گرہ سے دیں اور اُنھیں کھلانے کے لیے ساگ پات توڑ کر لائیں (کیونکہ اپنے ہاتھ سے نباتات کا اُکھاڑنا ان کے لیے ممنوع تھا) اور کھانا تیار کر کے لائیں اور گھٹنے ٹیک کر اُن کے آگے رکھیں، اس خدمت کے عوض میں وزیدگان اُن کے لیے دُعا کرتے تھے کہ نباتات کو توڑنے میں جو گناہ ان سے سرزد ہوا ہے خدا اس کو معاف کرے[2]،

---

[1] قطعات مانوی میں ایک خط ہے جس کا مصنف (ہیننگ کے قیاس کی رو سے) مانی کا خلیفہ سیسینوس (سیس) ہے، اس میں مانی کے دو فرزندوں کا ذکر ہے جن میں سے ایک کو "فرزندِ راجح" کہا گیا ہے اور دوسرے کو "فرزندِ مقصود" جو غالباً وزیدگان میں سے تھا، (آنڈریاس۔ ہیننگ، ج ۳، ص ۲۵۷ ببعد)، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آیا لفظ "فرزند" کو اس میں مجازاً استعمال کیا گیا ہے یا نہیں، [2] آنڈریاس ہیننگ، ج ۲، ص ۲۹۶،

زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا، اور نماز پڑھنا سب کے لیے فرض تھا، مہینے میں سات دن روزہ رکھا جاتا تھا اور دن رات میں چار نمازیں ہوتی تھیں، نماز سے پہلے پانی کے ساتھ مسح کیا جاتا تھا اور اگر پانی نہ ہو تو ریت یا اسی قسم کی اور چیزیں مسح کے لیے استعمال کی جاتی تھیں، ہر نماز میں بارہ دفعہ سجدہ کیا جاتا تھا، نیوشگان انوار کو اور روزیدگان پیر کو مقدس مانتے تھے، خیرات کا دینا بھی واجب تھا لیکن مانوی لوگ کفار کو خیرات کے طور پر روٹی اور پانی نہیں دیتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ایسا کرنے سے نور کے ذرات جو ان دونوں چیزوں میں موجود ہیں ناپاک ہو جائینگے، ہاں کپڑا یا نقد یا اور چیزیں جو ان کے نزدیک نور سے خالی تھیں دینے میں مضایقہ نہیں کرتے تھے،

مانی کی تعلیم کو شروع ہی سے بڑی کامیابی ہوئی، نہ صرف بابل میں بلکہ ایران میں بھی وہ بہت مقبول ہوئی، کفلائیہ میں ایک مقام کو پڑھنے سے[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مانی اردشیر کے عہد ہی میں اس کے بیٹے شاپور کا مورد عنایت بن گیا تھا، دوسرے مآخذ سے ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اوّل اوّل شاپور کے دو بھائی یعنی مہرشاہ والی میشن اور پیروز اس کے مرید ہوئے، مانویوں کے ہاں مہرشاہ کے ساتھ مانی کی پہلی ملاقات کی ایک بڑی روایت ہے[2] جس میں لکھا ہے کہ مہرشاہ پیغمبر کا بڑا دشمن تھا، اس کا ایک بڑا وسیع اور شاندار باغ تھا جس کی دنیا میں کہیں نظیر نہیں ملتی تھی، ایک دن جبکہ مہرشاہ نے اس باغ میں ایک بڑی ضیافت کی اور وہ بہت خوشی کے عالم میں تھا مانی اس کے پاس آیا، شہزادے نے اس سے پوچھا

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۲۳۷، شمٹ - پولوٹسکی، ص ۷، ۴ بعد، [2] میولر: مخطوطات مانوی ج ۲، ص ۸۲ بعد،

کہ جس بہشت کا تو ذکر کرتا ہے اس میں میرے باغ جیسا کوئی باغ ہے ؟ پیغمبر کو معلوم ہوا کہ شہزادہ بد اعتقاد ہے ، تب اس نے اپنی قدرت سے اس کو نورانی بہشت میں لیجا کھڑا کیا اور اس نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا جہاں تمام خدا اور ربانی ہستیاں اور روحانی مسرتیں موجود تھیں ، اس مدت میں شہزادہ بیہوش پڑا رہا اور تین گھنٹے تک اُس پر بیہوشی کا عالم طاری رہا ، پھر پیغمبر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور وہ ہوش میں آگیا ، بہشت کا سارا سماں اس کی آنکھوں کے سامنے تھا ، تب وہ اٹھا اور اٹھ کر پیغمبر کے پاؤں پر گر پڑا اور اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیا[1] ،

الفہرست کی روایت کے مطابق شہزادہ پیروز تھا جس نے شاپور سے مانی کی ملاقات کرائی ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مانی کو علم طب میں بھی دخل تھا اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شاپور نے اپنے بیمار بچے کے علاج کے لیے اس کی طرف رجوع کیا لیکن وہ اچھا نہ ہو سکا اور اس کی گود ہی میں جاں بحق ہوا[2] ، یہ حکایت (جس کو کیسلر[3] نے شبہ کی نظر سے دیکھا ہے) ایکٹا آرکیلائی[4] میں بیان ہوئی ہے ، قطعات مانوی میں قطعہ نمبر (M 3) [5] میں غالباً اسی حکایت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ، ایک افسانے کی رُو سے جس کو الفہرست کے مصنّف نے بیان کیا ہے مانی جب پہلی مرتبہ

[1] باقی حصہ مفقود ہے ، [2] مانوی مآخذ میں اور اُن کتابوں میں جو مانویوں کی مخالفت میں لکھی گئی ہیں بعض وقت مانی کی طبّی قابلیت کا ذکر آتا ہے (الفرک Alfaric ، ج ۱ ، ص ۴۳) مانویوں کی طب زرتشتیوں کی طب سے مختلف نہیں تھی ، دونوں کے نزدیک علاج کے تین طریقے تھے (۱) نشتر کے ذریعے سے (عمل جرّاحی) ، (۲) جڑی بوٹیوں کے ذریعے سے ، (۳) کلام پاک کے ذریعے سے ، (دیکھو آگے باب ہشتم) ، مانی کے نزدیک بھی اور زرتشتیوں کے نزدیک بھی علاج کا مؤثر ترین طریقہ کلام پاک یعنی علاج بذریعۂ ادعیہ و اوراد تھا کیونکہ ان کے ذریعے سے وہ تمام جنّ جو بیماریوں کا باعث ہوتے ہیں بھاگ جاتے ہیں ، [3] (Kessler) "مانی" ص ۱۵۸ ، [4] (Acta Archelai)
[5] میولر : "مخطوطات مانوی" ۲ ، ص ۸۰ بعد ، (بزبان جنوب مغربی) ،

شاپور کے حضور میں حاضر ہُوا تو اس کے دونو کندھوں پر دو مشعلیں سی روشن تھیں، شاپور کا ارادہ تھا کہ اس کو گرفتار کروا کے قتل کرا دے لیکن جونہی اس نے اس کو دیکھا فوراً اس کے دل میں ایک گہرا احترام پیدا ہوگیا اور اس کے آنے کا سبب دریافت کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ میں تمہارا مذہب قبول کرلوں گا، تب مانی نے بادشاہ سے بعض عنایتوں کا مطالبہ کیا از انجملہ یہ اس کے پیرووں کے ساتھ ہر شخص پایہ تخت میں اور سلطنت کے دوسرے حصوں میں عزّت کا سلوک کرے اور جہاں کہیں وہ چاہیں آزادی کے ساتھ آجا سکیں، بادشاہ نے اس کی تمام درخواستوں کو منظور کیا،

ان سب باتوں سے قطع نظر کرکے ہم کو اس بات کا ثبوت کہ شاپور مانویوں پر مہربان تھا اس امر سے بھی ملتا ہے کہ مانی نے اپنی بہترین تصانیف میں سے ایک کو اس کے نام پر معنون کیا اور اس کا نام شاپورگان رکھا، کفلائیہ میں ایک جگہ جہاں مانی نے اپنے حالات خود بیان کیے ہیں شہنشاہ شاپور کے ساتھ اس کے تعلّقات کے بارے میں قیمتی اطّلاعات موجود ہیں، ہندوستان کے سفر اور ایران کی طرف واپسی کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے: "میں شاپور بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا اور اس نے بڑی عزّت سے میرا استقبال کیا اور مجھے سفر کی اجازت (اپنی سلطنت میں؟) دی تا کہ میں اپنے مذہب کی تبلیغ کروں، میں نے کئی سال گزارے .... اور برسوں اس کے ہمرکاب ایران، پارتھیا، اَدِبْ (ایڈیابین؟) اور سلطنت روم کے متّصل بہت سے ممالک کا سفر کیا"[1]

[1] شمٹ۔ پولوٹسکی، ص ۴۷، مانی نے تبلیغی کام کی جس طرح تنظیم کی اس کی تفصیل اور خصوصاً اس کے مبلغین میں سے پاتگ، ادّا، امُو اور اردوان نے جو جو کچھ کیا اس کے متعلق دیکھو آنڈریاس۔ ہیننگ، ۲، ص ۳۰۶

شاپور کی تخت نشینی کے بعد شاہزادہ پیروز صوبۂ شمال مشرقی (ابہر شہر، خراسان) کا گورنر مقرر ہوا[1]، اس کے بعض سکے موجود ہیں جن پر اس کا نام "پرستندۂ مزدا، پیروز ربّانی شاہِ بزرگِ کوشان" لکھا ہے، ان سکوں پر ایک دیوتا کی تصویر بھی بنی ہے جس پر "بدھ دیوتا" لکھا ہے[2]، چونکہ پیروز مانوی تھا لہٰذا وہ مزدا اور بدّھا دونو کا پجاری ہو سکتا تھا، مانی کا ایک اور برگزیدہ پیرو جو اس کے مذہب کا ایک بہت بڑا مبلغ بھی تھا اردوان کے نام سے موسوم تھا، چونکہ یہ ایک اشکانی نام ہے لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ وہ سابقہ شاہی خاندان سے تعلّق رکھتا تھا[3]،

مانوی روایت جو عربی کتابوں کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہے اس کی رو سے شاپور بعد میں مانی کا مخالف ہو گیا، بقول یعقوبی وہ صرف دس سال مانی کا پیرو رہا، اس کے بعد مانی ایران سے جلا وطن ہو کر سالہا سال وسط ایشیا میں سرگرداں رہا، اسی اثنا میں وہ ہندوستان اور چین میں بھی گیا اور ہر جگہ اپنے مذہب کی تعلیم دیتا رہا اور کتابیں لکھتا رہا اور بابل، ایران اور ممالک مشرقی میں مانوی جماعتوں کے امیروں کے نام خطوط بھیجتا رہا، بالآخر شاپور ۲۷۲ء میں مر گیا اور اس کے بیٹے اور جانشین ہرمزد اوّل نے ۲۷۳ء میں وفات پائی، تب مانی کو ہمت ہوئی کہ موبدوں کی دشمنی کی تابِ مقاومت لا سکے اور ایران واپس آجائے، شمٹ نے اس روایت کی جزئیات پر اپنے شکوک کا اظہار کیا ہے[4] بلکہ اس نے یہ رائے قائم کی ہے کہ مانی

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۸۰، [2] ہرتسفلٹ: "پای کلی" ص ۴۵ ؛ ۴۹ - ۵۰،
[3] آنڈریاس - ہیننگ، ج ۲، ص ۳۰۳، شیڈر: ایرانیکا، ص ۷۲،
[4] شمٹ - پولوتسکی، ص ۵۱،

کی شاپور کے ساتھ کبھی مخالفت نہیں ہوئی، وہ لکھتا ہے کہ "بہر صورت مانی کا ہندوستان بھاگ جانا یا جلاوطن کیے جانا محض افسانہ ہے، ہندوستان کا سفر شاپور کے عہد سے پہلے کی بات ہے"۔ مانی کے حال پر نہ صرف شاپور بلکہ ہرمزد اوّل کی بھی عنایات تھیں،

جو بات یقینی طور پر معلوم ہے وہ یہ ہے کہ ہرمزد اوّل کے بھائی بہرام اوّل نے جو ایک عیّاش اور پست ہمّت بادشاہ تھا مانی کو بالآخر موبدوں کے رحم پر چھوڑ دیا، بقول یعقوبی[۱] مجمع عام میں مانی اور موبدان موبد کے درمیان ایک مباحثہ ہوا اور چونکہ نتیجے کا فیصلہ موبدان موبد کی رائے پر تھا لہٰذا ظاہر ہے کہ مانی کو شکست ہوئی[۲] جس کے بعد اس کو الحاد کے جرم میں سزا دی گئی اور قید خانے میں اس کو وہ وہ عذاب دیے گئے کہ وہ بچارا جاں بحق ہوا[۳] یہ واقعہ سنہ ۲۷۶ء کا ہے[۴]، ایک مشرقی روایت کی رو سے اس کو سولی پر چڑھایا گیا یا زندہ کھال کھینچی گئی، اس کے بعد اس کا سر کاٹا گیا اور اس کی کھال میں بھوسہ بھر کر خوزستان میں شہر گندیشاپور کے ایک دروازے کے اوپر لٹکا دیا گیا جس کی وجہ سے اس کا نام "دروازۂ مانی" پڑ گیا،

مانویوں نے اپنے پیغمبر کی شہادت کی یادگار میں ایک تہوار منانا شروع کیا جس کا نام انھوں نے "بیما کا تہوار" رکھا، اس دن وہ ایک منبر ("بیما" بزبان یونانی) لا کر رکھتے تھے جو ان کے آقائے نامدار کی روحانی موجودگی کی علامت تھی، قطعات مانوی میں سے ایک قطعے میں جو شمالی پہلوی میں ہے[۵] لکھا ہے: "اے ... آج بیما

---

[۱] ص ۱۸۱، فارسنامہ ص ۶۴، [۲] اس بیان کی صحت مشکوک ہے، [۳] پولوٹسکی: "مواعظ مانویہ" ص ۴۲ ببعد؛ آنڈریاس ۔ ہیننگ، ج ۲ ص ۸۶۲، ح ۳، قطعات در نثر و ترانۂ مناجات بر مرگِ مانی، (آنڈریاس ہیننگ، ج ۳، ص ۸۶۰ ببعد، ۸۹۱، [۴] شیڈر: "نومون" ج ۹، ص ۳۵۱، ایرانیکا، ص ۷۹-۸۰، ح ۴،

کے دن یہاں آؤ تاکہ تم کو بہت سے سنساروں سے نجات ہو"۔ معلوم ہوتا ہے کہ "سنسار" جو کہ سنسکرت کا لفظ (بمعنی تناسخ) ہے مانویوں نے مذہبی اصطلاح کے طور پر اختیار کر لیا تھا؛

مانی نے متعدد کتابیں اور رسالے چھوڑے جن میں اس کی مذہبی تعلیم کے اصول درج تھے، مغربی اور مشرقی مآخذ میں ان کتابوں کے نام مذکور ہیں اور ان میں جو زیادہ اہم تھیں ان کے موضوع بھی بتلائے گئے ہیں، ان میں سے اکثر سریانی زبان میں لکھی گئی تھیں[۱]۔ کتاب الاسرار میں مانی نے منجملہ اور باتوں کے باردیسان کی مذہبی تعلیم پر بحث کی ہے، کتاب الاثنین اور رسالۃ الاجنۃ (کوان)[۲] غالباً ایک ہی چیز ہے جس میں آسمان پر دیووں کے حملے کا حال لکھا ہے اور بعض اور رزمیہ داستانیں ہیں[۳]، پڑگماتائیہ یا رسالۃ الاصل کو کتاب الاثنین کا تتمہ سمجھنا چاہیئے، انجیل زندہ یا بطور اختصار فقط انجیل "حقیقی علم باطن کی تعلیم پر مشتمل تھی جو نجی ربانی کی طرف سے مومنانِ باصفا کو دی گئی تھی[۴]"۔ اس میں سریانی حروف تہجی کی تعداد کے مطابق بائیس باب تھے، انجیل کے ساتھ ایک اور کتاب ملحق تھی جس میں فلسفۂ عرفان بیان ہوا تھا اور جس کا نام کنز الحیاۃ تھا۔ کتاب المواعظ میں مانی نے قواعد اخلاق وضع کیے تھے اور وزیدگان و نیوشگان کے لیے مذہبی دستور العمل مقرر

---

[۱] دیکھو الفرک (Alfaric): "نوشتہ ہائے مانوی"۔ ج ۲ [۲] الفرک، ج ۲، ص ۲۱ ببعد، [۳] کیومون ج ۱، ص ۳-۴، ج ۲، ص ۱۶۰ بین ونست (رسالہ مشرقی دنیا ۱۹۲۲ء، ص ۲۱۴) اور ہیننگ ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ ایرانی لفظ جس کا ترجمہ جن "یا دیو" کیا گیا ہے کَوَ ہے (کوِی، پہلوی: کَے؛ جو کہ زرتشتی کتابوں میں افسانوی بادشاہوں کا لقب ہے) اور درحقیقت ابھی حال ہی میں لفظ کوان ایک مانوی متن میں بمعنی "اجنہ" مستعمل پایا گیا ہے، انھی معنوں میں وہ کتاب کا نام ہے، (آنذریاس۔ ہیننگ، ج ۳، ص ۳، ص ۸۵۸) [۴] الفرک، ج ۲، ص ۳۴

کیا تھا، اس کی تمام سریانی تصانیف ابتدائی زمانے ہی میں پہلوی میں ترجمہ ہو گئی تھیں، لیکن ایک کتاب اس نے خود ساسانی پہلوی میں تصنیف کی یعنی شاپورگان جس کا متعدد دفعہ ذکر ہو چکا ہے، وہ شاپور اوّل کے نام پر معنون کی گئی تھی اور اس کا موضوع مسئلۂ معاد تھا، شاپورگان اور انجیل کے پہلوی ترجمے کے بعض اجزا تُرفان کے قطعات میں دستیاب ہوئے ہیں، کتاب کفلائیہ کا بیشتر حصّہ جو آج موجود ہے قبطی زبان میں ہے اور غالباً یونانی سے ترجمہ ہوا ہے، وہ مانی کی نصائح پر مشتمل ہے جو اس کی وفات کے بعد جمع کی گئیں، ان کتابوں کے علاوہ مانی کے بہت سے خطوط اور مکتوبات اور چھوٹے چھوٹے رسائل تھے جن میں ضمنی باتیں لکھی گئی تھیں، یہ خطوط مانی نے اپنے برگزیدہ مریدوں کو یا مانوی جماعتوں کو لکھے تھے جو مختلف مقامات مثلاً طیسفون، بابل، میسین، رُہا، خوزستان، آرمینیہ اور ہندوستان وغیرہ میں موجود تھیں، اس سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ کہ مانویّت کی اشاعت اس کے بانی کی زندگی ہی میں کہاں سے کہاں تک ہو چکی تھی، ان میں سے بہت سے خطوط قبطی ترجمے میں اوراقِ حصیری پر لکھے ہوئے موجود ہیں جو مصر میں دستیاب ہوئے تھے[1]،

ایک ایرانی مصنّف کی حیثیت سے مانی نے اپنے ملک کی زبان میں ایک زبردست اصلاح کی، وہ یہ کہ پہلوی رسم الخط کی بجائے جس کے حروف کی باہمی مشابہت کی وجہ سے الفاظ کے پڑھنے میں بہت غلطیاں واقع ہوتی تھیں سریانی رسم الخط کو استعمال کیا اور نہایت عمدہ طریقے سے اس کو شمالی اور جنوب مغربی پہلوی کے

---

[1] شمٹ - پولوٹسکی، ص ۲۳ ببعد،

تلفّظ کے ساتھ موافق کیا چنانچہ تمام اعراب اور حروف کی آوازیں اس میں نہایت صحّت کے ساتھ ادا ہو سکتی تھیں، اس نئے رسم الخط میں نہ صرف یہ کہ اصولِ مفہوم نویسی (یعنی الفاظِ ہزوارش) کو ترک کر دیا گیا بلکہ پُرانے تاریخی طریقِ ہجا کی بجائے (جس کو قدامت پسند زرتشتیوں نے اب تک نہیں چھوڑا) ایک ایسا طریق ہجاء اختیار کیا گیا جو الفاظ کے تلفّظ کے لیے نہایت مناسب تھا، اس مانوی ابجد کو اُن مانویوں نے بھی اختیار کر لیا جن کی زبان سُغدی تھی جس سے رفتہ رفتہ وہ مختلف رسم الخط پیدا ہوئے جن کو وسط ایشیا کی قومیں استعمال کرتی تھیں،

مانی کے مرنے کے بعد اس کے مریدوں میں سے ایک جس کا نام سِیس یا سِیسِنْ (سیسِنیوس) تھا اس کی اپنی وصیّت کے مطابق اس کا جانشین اور کلیسائے مانوی کا سردار مقرر ہوا[1] اس کی سکونت بابل میں تھی جو اب مانویوں کی مذہبی حکومت کا صدر مقام قرار پایا، جب سیس کو مصلوب کیا گیا تو پھر ایک شخص اِنائیوس مانویوں کا رئیس ہوا[2]، مانویّت کی اشاعت ممالک مغرب یعنی سلطنت روم میں بھی ہونی شروع ہوئی[3]، آگستائن[4] جو آباء عیسوی میں سے تھا نَو سال تک اس مذہب کا پیرو رہا لیکن بعد میں جب وہ دوبارہ عیسائی ہو گیا تو مانویّت پر اُس نے سخت حملے کیے، عیسائیوں کو مانی کے مذہب سے سخت نفرت تھی کیونکہ ان کے نزدیک وہ دین عیسوی کی بنیاد کو ہلا دینے والی چیز تھی لہذا وہ ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر اس کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے تھے، وقائع شہدا ے کرخا

---

[1] شمٹ۔پولوٹسکی ص ۲۴ ببعد، والڈشمٹ۔لینٹس (Dogmatik) ص ۶۰۶، شیڈر: رسالہ نومون ج ۹، ص ۳۴۳، [2] شمٹ۔پولوٹسکی، ص ۲۸، [3] ایضاً ص ۱۱ ببعد، مانی نے اپنے ایک مرید پیوس نامی کو اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے مصر بھیجا تھا، (ایضاً، ص ۱۴-۱۵)، [4] Augustine ۳۵۴ء تا ۴۳۰ء، (مترجم)،

کا مصنّف لکھتا ہے[1]: "شاپور کے زمانے میں مانی جو کہ فتنہ و فساد کا مخزن تھا اپنا شیطانی زہر اُگل رہا تھا"۔ تھیوڈور بارکونائی نے "مانیِ بے دین" کے پیروؤں کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:۔ "تمام وہ لوگ جو اس کے مذہب میں ہیں بداعمال ہیں، وہ لوگوں کو شیطانی تاریکیوں میں لے جا کر ان کے گلے کاٹتے ہیں اور بے حیائی کے ساتھ فواحش کے مرتکب ہوتے ہیں، ان میں رحم نہیں ہے اور امّید سے بے بہرہ ہیں[2]"

لیکن اگر ہم اُس پارسائی اور پاک اور کریمانہ اخلاق کا صحیح اندازہ کرنا چاہیں جس کی تعلیم مانویت نے دی ہے تو ہمیں کتاب خواست توانست کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو مانویوں کا "اعتراف نامہ" ہے، اس کے متن کا قدیم ترکی (اویغوری) ترجمہ آج موجود ہے جو ترفان اور تیون ہیوآنگ کے مخطوطات میں دستیاب ہوا ہے[3]،

باوجود اُن اذیتوں کے جو مانویوں کو ایران میں موبدوں کے ہاتھ سے پہنچیں ان کا مذہب مٹ نہیں سکا اور کم و بیش مخفی طور پر زندہ رہا، جو ایذائیں اُنھوں نے ایران میں نرسی اور ہرمزد دوم کے عہد میں سہیں ان کا حال قبطی کتابوں میں لکھا ہے[4]، حیرہ کا عرب بادشاہ عمرو بن عدی مانویوں کی حمایت کرتا تھا[5] اور بابل میں (جو مانویت کا گہوارہ تھا) اور پایہ تخت طیسفون میں مانویوں کی کافی تعداد تھی، لیکن ان ایذاؤں کی وجہ سے بہت سے مانوی

[1] طبع ہوفمن، ص ۶۸، [2] پونیور (Pognon)، : "کتبہ ہلئے مانڈائی" - ص ۱۸۴،
[3] لوکوک (A. V. le Coq)، (JRAS)، سنہ ۱۹۱۱ء - ص ۲۸۷ ببعد، [4] پولوتسکی: "مواعظ مانویہ" ص ۴۲ - ۸۵، [5] شیڈر: "نیمون" ج ۹، ص ۳۴۴،

ایران کے شمال اور مشرق کی طرف (جہاں ایرانی نسل کے لوگ ایک بڑی تعداد میں بود و باش رکھتے تھے) ہجرت کر جانے پر مجبور ہوئے، چنانچہ سُغد میں مانویوں کی ایک بہت بڑی نئی بستی آباد ہوگئی، رفتہ رفتہ مشرقی مانوی علیحدہ ہو گئے اور مغربی بھائیوں سے اُن کے تعلقات منقطع ہو گئے یہاں تک کہ اُنھوں نے مرکزی حکومت یعنی خلیفۂ بابل کی اطاعت سے اپنے آپ کو آزاد کر کے ایک خود مختار جماعت قائم کی، چونکہ مشرق میں سریانی زبان کو کوئی نہیں جانتا تھا لہذا اُن اصلی مذہبی کتابوں کی بجائے جو اس زبان میں تالیف ہوئی تھیں ان کے ترجمے جو جنوب مغربی یعنی ساسانی پہلوی میں ہو چکے تھے استعمال ہونے لگے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ شمالی یعنی اشکانی پہلوی بھی مروّج تھی جس میں مذہبی کتابیں ایک بڑی تعداد میں تالیف ہوئیں اور خصوصاً مناجاتیں اور منظوم دعائیں بکثرت لکھی گئیں جن کے چند نمونے تُرفان کے اوراق میں ملے ہیں[1] ان کے ساتھ ایک فہرست ہے جس میں بہ ترتیب حروف ابجدی ہر نظم کا مطلع دیا ہے[2] کچھ عرصے کے بعد مذہبی کتابوں کا ترجمہ سُغدی زبان میں ہونا شروع ہوا اور پھر سُغدی سے قدیم تُرکی میں ہوا، یہ آٹھویں صدی کی بات ہے جب قوم اویغور نے (جو ترکی الاصل تھی) وسط ایشیا میں ایک بڑی سلطنت قائم کی اور خوانینِ اویغوری میں سے ایک نے جو آٹھویں صدی کے نصفِ آخر میں حکومت کر رہا تھا مانوی مذہب اختیار کیا اور اپنا لقب "مظہر مانی" رکھا[3]، اس خانِ اویغوری کے عہد سے وہ زمانہ شروع

---

[1] آندریاس ۔ہیننگ، ج ۲ و ۳، [2] میولر (Müller) : "ایک مانوی مناجاتوں کی کتاب (مہرنامگ) کے دو ورق"، [3] میولر : "آثارِ اویغوری" (اویغوریکا) ج ۲، ص ۹۵، وغیرہ،

ہوتا ہے جس میں تُرفان کے قطعات لکھے گئے جن میں سب مذکورہ بالا زبانیں یعنی جنوب مغربی اور شمالی پہلوی، سغدی، ترکی موجود ہیں، جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں وسط ایشیا کی مانویت نے اپنے آپ کو وہاں کے بدّھائی ماحول کے ساتھ موافق بنایا اور مانوی مبلّغین نے بدھ مذہب کی اصطلاحات کو استعمال کرنا شروع کیا اور بدّھائی افسانوں سے استفادہ کرنے لگے، اسی طرح مغربی مانویوں نے انجیل کی تمثیلات سے فائدہ اٹھایا[1]،

مسلمان مصنّفوں نے مانی کے متعلّق جو افسانہ آمیز باتیں لکھی ہیں اُن میں اس کی شخصیت کے حیرت انگیز اوصاف بیان کیے ہیں منجملہ ان کے فنّ خطاطی اور مصوّری میں اس کی بےمثال قابلیّت ہے، مثلاً فارسی مصنّف ابوالمعالی اپنی کتاب بیان الادیان میں (جو ۱۰۹۲ء میں تمام ہوئی) لکھتا ہے کہ مانی سفید ریشم کے کپڑے پر ایسا باریک خط لکھ سکتا تھا کہ اگر اس کپڑے کا ایک تار بھی کھینچ لیا جاتا تو ساری تحریر غائب ہو جاتی تھی، اور یہ کہ اس نے ایک کتاب بنائی جس میں ہر قسم کی تصویریں تھیں، اس کا نام ارژنگ مانی تھا اور وہ ابوالمعالی کے زمانے میں غزنی کے کتب خانے میں موجود تھی، فردوسی کہتا ہے کہ مانی چین سے آیا تھا اور مصوّری میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا ؎

بیامد یکی مرد گویا ز چین   کہ چون او مصوّر نبیند زمین

[1] مانویوں میں یہ مذہبی تفرقہ چھٹی صدی کے آخر میں رونما ہوا، مشرقی مانوی جو دین آور کہلاتے تھے مغربی مانویوں سے جو اپنے آپ کو دین دار کہتے تھے الگ ہو گئے، اس کے متعلق دیکھو شیدر: "ایرانیکا" ص ۸۷ بعد، دین آوروں کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے لیے جو کتاب لکھی گئی تھی اس کے متعلق دیکھو آنڈریاس ہیننگ: ج ۳؛ ص ۸۵۴ ببعد،

اردنگِ مانی (ارتنگ ، ارژنگ) کے متعلق ہر قسم کی کہانیاں مشہور ہیں[1] اور وہ شعراے فارسی کی ایک مسلّمہ ادبی اصطلاح بن گیا ہے، ایک افسانے کی رو سے جس کا راوی میرخوند (صاحب روضۃ الصّفا) ہے لیکن اس کا مأخذِ اصلی معلوم نہیں مانی نے ممالک مشرق میں ایک غار کو تصویروں سے سجایا تھا،

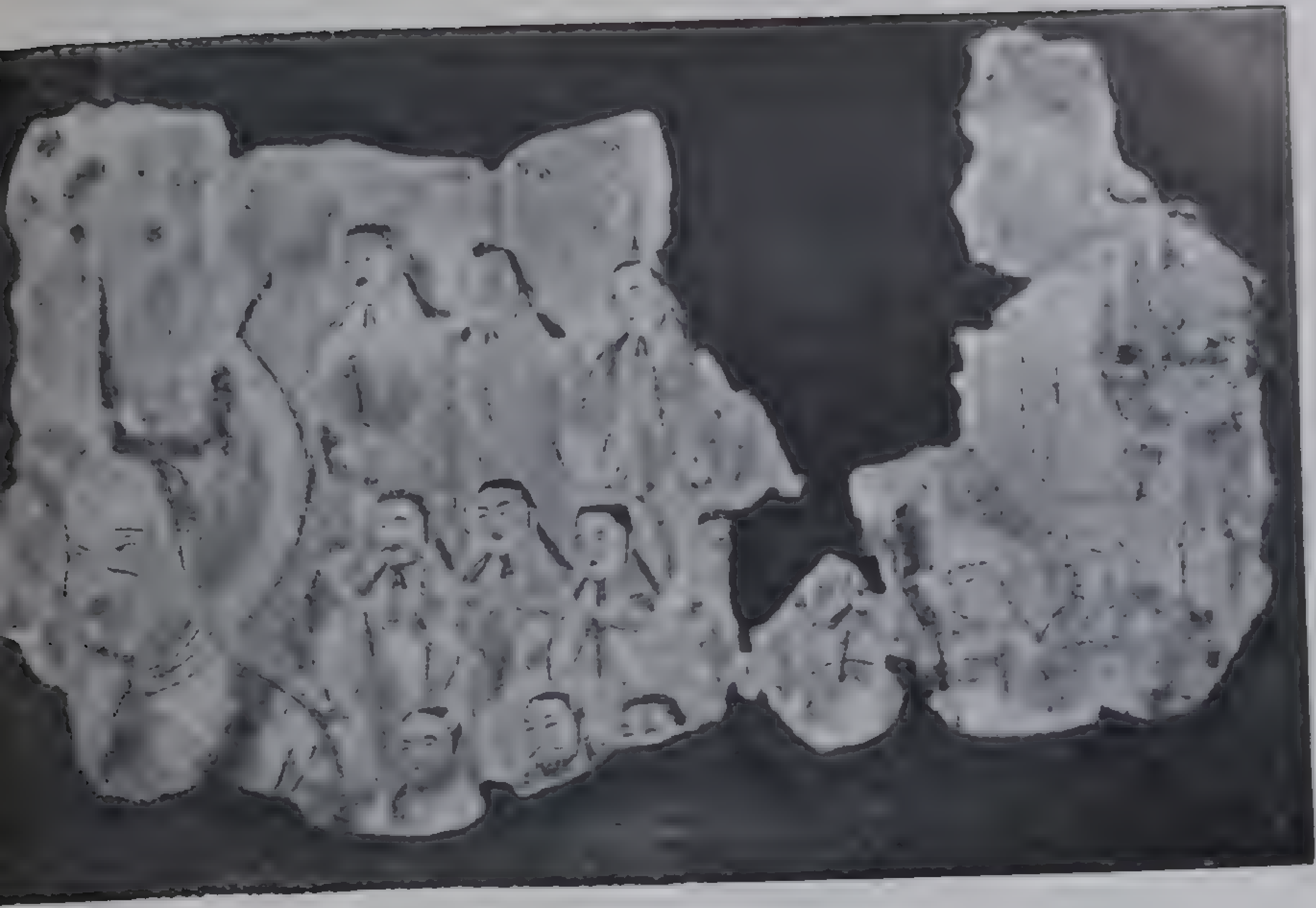
ترفان اور خوچو کی کھدائی سے ہم کو اس بات کا ثبوت ملا ہے کہ مانویوں میں صنّاعی موجود تھی، خوچو میں ایک غار دریافت ہوُا ہے جس کی دیواریں تصویروں سے آراستہ ہیں جن میں سے بعض اتنی صاف ہیں کہ ان کی جزئیات بھی خاصی واضح ہیں، ان میں سے ایک تصویر میں ایک مردِ مقدّس (خود مانی ؟) دکھایا گیا ہے جس کے خط و خال مغولی نمونے کے ہیں یعنی مونچھیں نیچے کو لٹکی ہوئی اور ڈاڑھی کے بال صرف دو جگہ، اس کے سر کے پیچھے ہالے کے طور پر قرصِ خورشید نمایاں ہے جس کا متن سرخ ہے اور حاشیہ سفید ہے اور اس کا نچلا حصہ ایک ہلال سے گھرا ہوُا ہے ، اس کے سر پر ایک تاج سا ہے جو زربفت کا بنا ہوُا معلوم ہوتا ہے، نیچے سے وہ اتنا تنگ ہے کہ اس سے صرف سر کی چوٹی ڈھکی ہوئی ہے اور ایک فیتے کے ذریعے سے اس کو ٹھوڑی کے نیچے باندھا ہوُا ہے لیکن اس کے اوپر کا حصہ فراخ ہے، اس کی قبا پر زربفت کی کور کا کچھ حصّہ جو باقی رہ گیا ہے دکھائی دے رہا ہے ، اس کے داہنے ہاتھ پر چند آدمی

---

[1] دیکھو الفرک ، ج ۲، ص ۱۴ ببعد، اردنگ کا نام کو ان کے ساتھ ایک خط کے اندر مذکور ہے جو شمالی پہلوی میں ہے اور آنڈریاس ۔ ہیننگ نے اُسے شائع کیا ہے (ج ۲ ، ص ۸۵۸)، نیز دیکھو شیڈر : نومون ، ج ۹ ، ص ۲۴۷ ، پولوتسکی : "مواعظ مانویہ" ص ۱۸ ، ح الف ،

ہیں جن کی تصویریں چھوٹے سائز کی ہیں ، بظاہر وزیدگان کی جماعت معلوم ہوتی ہے اور ان میں سے اکثر صورت سے مغربی معلوم ہوتے ہیں ، وہ سب سفید قبائیں پہنے ہوئے ہیں اور ان کی ٹوپیاں جو مرد مقدس کے تاج کی شکل کی ہیں کسی سفید کپڑے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ، سرخ فیتوں کے سرے ٹھوڑیوں کے نیچے نظر آرہے ہیں ، سب کے سب سینوں پر ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اس طرح پر کہ داہنا ہاتھ بائیں آستین میں اور بایاں ہاتھ داہنی آستین میں چھپا ہوا ہے ، مشرقی لوگوں میں یہ انداز عجز و احترام کے لیے ہوتا ہے ، ہر شخص کا نام اس کی تصویر پر اویغوری خط میں لکھا ہوا ہے اور بعض نام پڑھے بھی جاتے ہیں ، پیچھے چند عورتیں نظر آرہی ہیں کہ وہ بھی طبقہ وزیدگان سے ہیں ، ان کا لباس وہی ہے جو مردوں کا ہے سوائے ٹوپیوں کے جو اسطوانی شکل کی معلوم ہوتی ہیں ، ان عورتوں کے پیچھے دھندلی سی تصویریں نیوشگان کی دکھائی دے رہی ہیں جن میں مرد بھی معلوم ہوتے ہیں اور عورتیں بھی ، ان کے لباس رنگا رنگ کے ہیں اور جوتے سیاہ ہیں ، لیکن تصویر کا یہ حصہ بہت زیادہ تلف ہو چکا ہے ۔ (دیکھو تصویر)

کسی معبد کے دو جھنڈے بھی دستیاب ہوئے ہیں جن پر تصویریں بنی ہیں ، ایک تصویر میں ایک عورت دکھائی گئی ہے جو وزیدگان میں سے ہے ، اس کے سامنے ایک اور عورت سرخ قبا پہنے اور گھٹنے ٹیکے ہوئے ہے ، پہلی عورت کی نسبت اس کا قد چھوٹا ہے ، اس کے ساتھ ایک تحریر بھی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑی عورت کوئی شہزادی ہے جس کا نام بوسشنک ہے ، دوسرے جھنڈے پر دو نیوشگان کی تصویریں ہیں جن میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت ، ان کے



خوچو میں مانوی تصویر



تصاویر مانوی

سامنے وزیدگان میں سے ایک شخص ہے جس کے آگے وہ گھٹنے ٹیکے ہوئے ہیں، مرد کی تصویر کا نچلا حصہ غائب ہوچکا ہے، اس کے سر کا لباس تقریباً ویسا ہی ہے جیسا کہ اُس ملک کے لوگ آج بھی پہنتے ہیں، عورت عبادت کی سی حالت میں ہے، اس کے دونو ہاتھ جن کی ہتھیلیاں آپس میں جُڑی ہوئی ہیں سینے کے سامنے ہیں، شخص وزیدہ بظاہر ان دو نیوشگان کے گناہ معاف کر رہا ہے، یہ بات پہلے سے ہمارے علم میں ہے کہ گناہوں کا معاف کرنا مرد وزیدگان کا امتیازی فرض تھا۔[1]

خوچو کی حفریات میں مانوی نقّاشی کے نمونے بھی دستیاب ہوئے ہیں، ایک ورق ہے جس پر ترکی زبان میں عبارت لکھی ہے اس کے دونو طرف تصویریں ہیں، ان میں کچھ مانوی پیشوایانِ مذہب ہیں جو سفید لباس پہنے ہیں اور سروں پر اسطوانی شکل کی اونچی ٹوپیاں ہیں، وہ دو صفوں میں میزوں کے سامنے کھڑے ہیں جن پر مختلف رنگوں کے کپڑے پڑے ہیں، ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک قلم ہے اور سامنے کاغذ کا ایک ایک ورق ہے، تصویر کے صفحے کا حاشیہ پھل دار درختوں اور انگوری خوشوں سے سجایا گیا ہے، ورق کے دوسری جانب تحریر کے دو کالم ہیں جن میں سے ایک کالی سیاہی سے اور دوسرا سرخ سیاہی سے لکھا ہوا ہے اور حاشیے پر بیل بنی ہوئی ہے، حاشیے میں ایک تصویر بھی ہے جس میں تین شخص دکھائے گئے ہیں کہ پالتی مار کر قالین پر بیٹھے ہیں اور بوقلموں لباس پہنے ہوئے ہیں، ان تینوں میں جو سب سے زیادہ ممتاز ہے وہ بائیں طرف بیٹھا ہے اس کی تصویر کا صرف نچلا حصہ باقی رہا ہے، باقی دو شخص جن کے سروں پر نوکدار

[1] لوکوک (Le Coq): "خوچو"۔ تصویر نمبر ۳،

ٹوپیاں ہیں اس کی طرف منہ کیے بیٹھے ہیں، پہلا تو چپ چاپ بیٹھا ہوا ہے اور اپنے ہاتھ نہایت تعظیم کے ساتھ آستینوں میں چھپائے ہوئے ہے اور دوسرا عود بجا رہا ہے،[1] (دیکھو تصویر)

یہ تصاویر جن کی جزئیات نہایت باریکی اور نفاست سے بنائی گئی ہیں ہمیں عہدِ اسلامی کی یاد دلاتی ہیں اور اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ ایران میں یہ فن بہت قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے، بقول موسیو کیوموں[2] یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ فنّ نقاشی کو مانوی لوگ ایران سے ترکستان لے گئے جہاں وہ ترقی کرتا رہا اور اس فن کے بعض شاہکار وہیں وجود میں آئے، افریم الرّہاوی[3] مانی سے کچھ کم سو سال بعد گزرا ہے، موسیو کیوموں نے اس کے ایک سریانی خطبے میں سے کچھ عبارت نقل کی ہے[4] جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مانی نے ایک بڑے پلیٹے ہوئے کاغذ پر "فرزندانِ ظلمت" کی ڈراؤنی تصویریں رنگ بھر کر بنائیں تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر ڈریں اور نفرت کریں، اسی طرح بعض زیبا اور دلکش تصویریں بنا کر اُن کو "فرزندانِ نور" کے نام دیے تاکہ ان کی خوبصورتی دیکھنے والوں کے لیے کشش کا باعث ہو، یہ نورانی اور شیطانی تصویریں اَن پڑھوں کی تعلیم کے لیے بنائی گئی تھیں، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ مانوی کتابوں میں تصویریں بنانے کا دستور خود مانی ہی کے زمانے سے شروع ہو گیا ہو اور بہت ممکن ہے کہ اُس افسانے میں جو مانی کو ایک بہت بڑا مصوّر بناتا ہے کچھ نہ کچھ صداقت ہو، موسیو الفرک[5] کا قیاس ہے کہ مانی کا مشہور ارژنگ دراصل، اس کی انجیل کا ایک باتصویر نسخہ تھا،

---

[1] لی کوک: "خوچو"۔ تصویر نمبر ۵، [2] رسالہ "تبصرۂ آثار قدیمہ" (فرانسیسی) سنہ ۱۹۱۳ء ج ۲، ص ۸۵،
[3] Ephrem of Edessa) [4] "تبصرۂ آثار قدیمہ" ص ۸۶، [5] (Alfaric) ج ۲، ص ۴۲،

باب پنجم

سلطنت شرق و سلطنت غرب

(یعنی شہنشاہی ساسانیان اور رومن امپائر)

سلطنت ساسانی کی فوجی تنظیم - اردشیر اوّل اور شاپور اوّل کی روم کے ساتھ لڑائیاں - قیصر ویلیرین پر شاپور کی فتح اور اس کی یادگاریں اس کا برجستہ کتبہ - پیلمیرا (تدمر) - عہد سلطنت ہرمزد اوّل، بہرام اوّل و بہرام دوم - ان کے برجستہ کتبے - عہد سلطنت بہرام سوم و نرسی - نرسی کا برجستہ کتبہ - روم کے ساتھ از سر نو جنگ - عہد سلطنت ہرمزد دوم، شاپور دوم و جنگ عظیم - مؤرخ امّیان کے بیان کے اقتباسات - شاپور دوم کی شخصیت - عہد سلطنت اردشیر دوم، شاپور سوم و بہرام چہارم - اردشیر دوم، شاپور دوم اور شاپور سوم کے برجستہ کتبے،

اردشیر اول کی سلطنت ایک زبردست فوجی تنظیم کے سائے میں وسعت پذیر ہوئی، اس کی سیاست پر ہخامنشیوں کے پُرشوکت زمانے کی دھندلی یادگاروں کا یقیناً اثر تھا، وہ اپنے آپ کو آخری داریوش کا وارث و جانشین خیال کرتا تھا اور اس حیثیت سے وہ اس بات کو اپنا فرض سمجھتا تھا کہ جس مشرقی سلطنت کا خاتمہ سکندر

نے کیا اور جس کو دوبارہ زندہ کرنے میں اشکانیوں کو پوری کامیابی نہ ہو سکی اس کے احیاء کے لیے از سر نو کوشش شروع کرے[1]، اس مطمحِ نظر کی وجہ سے اردشیر اور اس کے ابتدائی جانشینوں کی عملی کوششیں ملک گیری اور تشکیلِ شاہنشاہی پر مبذول تھیں، اس کے علاوہ چونکہ شمالی، مشرقی اور مغربی سرحدوں کی طرف سے ہمیشہ حملے کا خطرہ رہتا تھا اس لیے ان کی حفاظت کی خاطر ایک زبردست فوج رکھنے کی ضرورت تھی،

ساسانیوں کی فوجی تنظیم میں قدیم منصبداری کے طریقے کو داخل کیا گیا لیکن اس میں نئے حالات اور نئی ضرورتوں کے مطابق مناسب ترمیمیں کی گئیں، مثلاً یہ کہ منصبداروں کے سپاہیوں کو مستقل فوج میں داخل کر لیا گیا، ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ سب سے بڑا فوجی عہدہ ارگبذ کا تھا جو خاندان شاہی میں موروثی تھا، اسی طرح دو اور فوجی عہدے (یعنی نظارتِ امور سپاہ اور رسالہ فوج کی افسری) دو ممتاز خاندانوں میں موروثی تھے[2]، سپہبدوں کا خاص خاص علاقوں پر تعینات کیا جانا خسرو اوّل کے زمانے سے جاری ہوا اس سے پہلے یہ بات بہت شاذ و نادر تھی، حکّام صوبجاتِ سرحدّی کے اختیار میں ہمیشہ بھاڑے کی فوج رہتی تھی، سرحدّی قلعوں کی حفاظت کے لیے مستقل فوج کے دستے رکھے جاتے تھے[3]،

اشکانیوں کے زمانے کی طرح ساسانیوں کے وقت میں بھی فوج کا عمدہ ترین حصّہ زرہ پوش سواروں کا دستہ تھا جو عالی خاندانوں کے شہسواروں پر مشتمل تھا،

---

[1] دیکھو ہیروڈین (Herodian) ج ۶، ص ۲، [2] دیکھو اوپر، ص ۱۳۷ بعد، فوجی نظم و نسق کے متعلق دیکھو ص ۱۶۹ بعد، [3] نولڈکہ، ترجمۂ طبری، ص ۹۴، ح ۱،

میدان جنگ میں رسالہ فوج سب سے آگے رہتی تھی اور فتح و ظفر اسی کی قوت و شجاعت پر موقوف ہوتی تھی[1]، ایرانیوں کے زرہ پوش سواروں کی مرتب صفیں اس انبوہ کے ساتھ میدان جنگ میں رومیوں کے مقابلے پر آتی تھیں کہ ان کی زرہوں کی جھلملاہٹ آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی[2]، سواروں کے دستے سرتاپا لوہے کے بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے، ہر شخص کا بدن سر سے پاؤں تک زرہ بکتر کے پتروں سے ڈھکا ہوا ہوتا تھا اور وہ جسم کے اوپر ایسے چسپاں ہوتے تھے کہ ان کے جوڑ اعضائے جسم کی حرکتوں کے ساتھ ساتھ مڑتے تھے، چہرے کی حفاظت کے لیے ایک نقاب ہوتا تھا، اس ہیئت کے ساتھ ممکن نہ تھا کہ کوئی تیر جسم پر کارگر ہو سکے سوائے اس کے کہ وہ اُن باریک سوراخوں میں آکر لگے جو آنکھوں کے سامنے بنے ہوئے ہوتے تھے یا اُن شگافوں میں جو نتھنوں کے نیچے رکھے جاتے تھے اور اس قدر تنگ ہوتے تھے کہ ان میں سے سانس لینا بھی مشکل ہوتا تھا، ان میں سے کچھ سوار نیزے ہاتھوں میں لیے ایک جگہ جم کر اس طرح کھڑے رہتے تھے کہ گویا ان کو لوہے کی زنجیروں کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہے، ان کے پہلو میں تیراندازوں کا دستہ ہوتا تھا جو اپنے ہاتھوں کو تان کر اپنی لچکدار کمانوں کو کھینچتے تھے اس طرح کہ چلّہ سینے کے دائیں کنارے سے آملتا تھا اور تیر کا پیکان بائیں ہاتھ کے ساتھ چھو جاتا تھا، اور پھر چٹکی کے دباؤ سے پھرتی کے ساتھ تیر چھوڑتے تھے جو زنّاٹے کے ساتھ ہوا میں اڑتا ہوا جاتا تھا اور دشمن کو کاری زخم لگاتا تھا[3]، لیکن

[1] ایرانیوں کو سب سے زیادہ اعتماد اپنی رسالہ فوج پر ہوتا تھا" کیونکہ اس میں تمام اشراف اور ممتاز لوگ بڑی بڑی دشوار خدمتیں انجام دیتے تھے" "یہ فوج اپنے نظم و انضباط اور مسلسل قواعد و مشق اور مکمل اسلحہ کی وجہ سے ممتاز تھی"، (امیان مارسیلنوس ۲۳، ۶۰، ۸۰") [2] امیان مارسیلنوس ۲۴، ۶، ۸۰، [3] ایضاً ۲۵، ۱، ۱۲، ۱۳،

بااین ہمہ بقول امّیان[1] ایرانی گھمسان کی لڑائی میں جم کر نہیں لڑ سکتے تھے اور صرف فاصلے سے لڑنے میں بہادری دکھا سکتے تھے اور جب اُنھیں یہ معلوم ہوتا کہ ان کی فوج پسپا ہونی شروع ہوئی تو پھر طوفانی بادل کی طرح پیچھے ہٹتے تھے اور چونکہ بھاگنے میں ان کو پیچھے کی طرف تیر چھوڑنے کی مہارت تھی اس لیے دشمن کو ان کا تعاقب کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی ،

جیسا کہ ہخامنشیوں کے عہد میں تھا ساسانیوں کے زمانے میں بھی رسالہ فوج کے منتخب سواروں کا ایک دستہ ہوتا تھا جس کا نام "دستۂ جاودانان"[2] تھا اور غالباً اس کی تعداد بھی ہخامنشیوں کے نمونے پر دس ہزار سواروں کی تھی ، اس دستے کا سردار غالباً وَرْ ہرانیگان خُوذای کہلاتا تھا[3] ، اسی طرح شاید ایک اور دستہ بھی تھا جو اپنی جانبازی اور موت سے نڈر ہونے کی وجہ سے مشہور تھا اور جان اوسپار (جان سپار) کہلاتا تھا[4] ، برجستہ تصاویر میں بعض لوگ جو بادشاہ کے گرد کھڑے دکھلائے گئے ہیں ان کی اونچی اونچی ٹوپیوں پر چند علامتیں بنی ہوئی ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں :-



ہمارا قیاس ہے کہ یہ علامتیں مختلف فوجی افسروں کے لیے ان کی اپنی اپنی پلٹنوں

[1] ۲۵ ، ۱۸۰۱ ، [2] ایلیزے ، طبع لانگلوا ، ج ۲ ص ۲۲۱ ، پروکوپیوس ، ۱۰ ، ۱۴ ، ۱ ؛ [3] ہرتسفلٹ : پای کُلی (فرہنگ ، نمبر ۲۱۵) ، [4] دیکھو گائیگر (Geiger) کا مضمون (ویانا کا علوم مشرقی کا رسالہ بزبان جرمن ، ج ۲۷ ، ص ۱۹۷ - ۱۹۸ ،

کی نشانیاں تھیں،

رسالہ فوج کے پیچھے ہاتھیوں کی صف ہوتی تھی، ان کی چنگھاڑیں، ان کے جسم کی بو اور ان کی ڈراؤنی صورتیں دشمنوں کے گھوڑوں کے لیے خوف کا باعث ہوتی تھیں، ان پر مہاوت سوار ہوتے تھے جن کے داہنے ہاتھوں میں لمبے لمبے دستوں والے چھرے ہوتے تھے تاکہ اگر کوئی ہاتھی دشمن کے حملے سے ڈر کر اپنی ہی فوج کی صفوں پر جھپٹ پڑے اور لشکریوں کو گراتا اور پامال کرتا جائے (اور ایسا اکثر ہوتا تھا) تو مہاوت اس کی گردن کے مہروں میں چھرا بھونک کر اس کا کام تمام کر دے[1]،

پیادہ فوج (پائگان) لشکر کے پیچھے بطور ساقہ (مؤخّر الجیش) کے ہوتی تھی جس کا افسر پائگان سالار کہلاتا تھا، پیادہ سپاہی جاگیرداروں کے خدام ہوتے تھے جو بغیر کسی تنخواہ یا معاوضے کے فوجی خدمت انجام دیتے تھے، ان کے ہتھیار رومی زرہ پوشوں کے ہتھیاروں کی مانند ہوتے تھے[2]، یہ فوج در اصل کسانوں کا انبوہ ہوتا تھا جن سے فوجی خدمت لی جاتی تھی، ان میں سے کم از کم بعض کے پاس حفاظت کے لیے مستطیل شکل کی خمدار ڈھال ہوتی تھی جو بید کی ٹہنیوں کو بُن کر بنائی جاتی تھی اور اس پر چمڑا مڑھا جاتا تھا[3]، لیکن پیادہ فوج کے سپاہی عموماً کسی کام کے نہیں ہوتے تھے، قیصر جولین نے ایک مرتبہ اپنے رومی سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ایرانی قیدیوں کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے کہا تھا کہ "یہ گھناؤنی بکریاں ہیں جن کی صورتیں غلاظت سے بگڑ گئی ہیں، پیشتر اس کے کہ

---

[1] امیان، ۲۵، ۱، ۱۴-۱۵، [2] ایضاً، ۲۳، ۶، ۸۳، [3] ایضاً، ۲۴، ۶، ۸،

ان پر ہاتھ اٹھایا جائے وہ اپنے ہتھیار پھینک کر اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائینگے[1]"۔

کسانوں کی پیادہ فوج سے بدرجہا زیادہ مفید وہ امدادی فوجیں ہوتی تھیں جو اطرافِ سلطنت کی جنگجو قوموں کی طرف سے لڑنے کے لیے آتی تھیں، یہ قومیں اگرچہ حدودِ سلطنت کے اندر بود و باش رکھتی تھیں تاہم چونکہ وہ مقامی فرمانرواؤں کے زیرِ حکومت تھیں اس لیے ان کو امتیازی درجہ حاصل تھا، اس قسم کی فوجیں ہخامنشیوں کے وقت میں بھی شاہی لشکر میں شامل ہوا کرتی تھیں، داریوش اور کھشیارشا کی مہموں میں اقوام ساکا کی فوجیں بہت قدردانی کی نگاہ سے دیکھی گئیں؛ اسی طرح ساسانیوں کے زمانے میں ایسی امدادی فوجیں جن پر بہت اعتماد کیا جاتا تھا سگستانیوں کی تھیں[2] یعنی وہ قبائل ساکا جو ہجرت کر کے درنگیانا میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، مختلف پہاڑی اقوام کی فوجیں میدانِ جنگ میں فوجی خدمات پر اکثر مامور کی جاتی تھیں مثلاً اہلِ قفقاز اور بحرِ خزر کے جنوبی ساحل کے باشندے جن میں گیلی، کادوسی[3]، ورت، البان، دیلم[4]، وغیرہم شامل تھے، اسی طرح باختر کے قبائلِ کوشان[5] اور خیونیت (جنھوں نے غالباً چوتھی صدی کے نصف اوّل میں کوشان کا ملک فتح کر لیا تھا) فوجی خدمات سرانجام دیتے تھے[6]، ان میں سے بعض اقوام شاید کُلّی طور پر خود مختار تھیں اور بھاڑے کی فوجیں بہم پہنچاتی تھیں مثلاً قبائل ہون[7]

---

[1] امّیان ۲۴، ۱۰۸، [2] ایضاً، ۱۹، ۳۰۲، [3] ایلیز سے طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۲۲۱، امّیان، ۲۷؛ ۱۰۵، [4] اگا تھیاس، ۳، ۱۷، دیکھو نولڈکہ، ترجمۂ طبری، ص ۴۷۹، ح ۱، بقول اگاتھیاس دیلمی بہ نسبت تیر و کمان کے تلوار، خنجر اور نیزے کے ساتھ لڑنے میں زیادہ ماہر تھے اسی لیے وہ گھمسان کی لڑائی میں بہتر طور پر لڑ سکتے تھے، تاریخ اربیلا کے ایک بیان کی رو سے گیلیوں، دیلمیوں اور گرگانیوں کو شاپور اوّل نے مطیع کر لیا تھا، (دیکھو مارکوارٹ: "فہرست پایہ تخت ہائے ایرانشہر" ص ۵۲)،

[5] مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۳۶، [6] ایضاً، ص ۵۰، [7] (Huns)

جو کبھی کبھی ایرانی لشکر میں شریک نظر آتے ہیں[۱]، ان تمام امدادی فوجوں کے سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگ کرتے تھے بعینہٖ جس طرح کہ ایرانیوں کی رسالہ فوج لڑتی تھی[۲]، آرمینیہ کی رسالہ فوج جو ایرانیوں کے جھنڈے تلے لڑائی میں شریک ہوتی تھی خاص طور پر توقیر کی نظر سے دیکھی جاتی تھی، جب وہ طیسفون میں داخل ہوتی تھی تو شاہِ ایران کسی بڑے ممتاز امیر کو اُن سے آرمینیہ کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیجتا تھا اور دوسرے دن خود آ کر ان کی سلامی لیتا تھا[۳]،

فوج کے بڑے دستے کو گُنْد کہتے تھے جس کا افسر گُنْد سالار کہلاتا تھا، گُنْد چھوٹے چھوٹے حصّوں میں منقسم تھا جن کا نام درَفْش تھا اور درفش کے پھر چھوٹے حصّے کیے گئے تھے جو وُشْت کہلاتے تھے[۴]، ہر ایک درفش کا علیحدہ جھنڈا ہوتا تھا[۵]، ساسانیوں کی برجستہ تصاویر میں ان جھنڈوں اور فوجی علامتوں کے بعض نمونے دیکھنے میں آتے ہیں، مثلاً ایک جھنڈا ایسا ہے کہ اس کا پھریرا لمبا لیکن چوڑائی میں بہت کم گویا کم و بیش فیتے کی مانند ہے جو ایک بانس کے سرے پر لہرا رہا ہے[۶]، نقش رستم کے برجستہ کتبوں میں ایک ساسانی بادشاہ کی تصویر ہے[۷] جو ہاتھ میں نیزہ لیے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر دشمن پر جھپٹ رہا ہے اور دشمن کا نیزہ اس کی ضربت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے، اسی کے ساتھ ایک علم بردار کی تصویر بھی ہے جس کے ہاتھ میں ایک بلّی ہے اور اس کے اوپر کے سرے پر لکڑی کا ایک ٹکڑا صلیبی طور پر نصب کیا ہوا ہے جس کے اوپر تین گیند ہیں

---

[۱] ایلیزے، طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۲۲۱، [۲] امیان، ۱۹، ۲، ۲-۳، [۳] پاٹکانیان، مجلۂ آسیائی (JA) سنہ ۱۸۶۶ء، حصّہ اوّل ص ۱۱۲، [۴] ہیوبشمن، ارمنی گرامر، ج ۱، ص ۱۳۰؛ ۱۴۶، [۵] لفظ درفش کے معنے جھنڈے کے ہیں، [۶] فلاندین و کوشت Flandin and Coste: "سفرنامۂ ایران" (فرانسیسی) تصویر نمبر ۵۰، [۷] غالباً بہرام دوم،

لگی ہوئی ہیں دو دو نوسروں پر اور ایک بیچ میں بلّی کے سرے کے عین اوپر، دو پُھندنے جو شاید اون یا ایسی ہی کسی اور چیز کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں لکڑی کے دو نوسروں کے نیچے لٹک رہے ہیں[1]، (دیکھو تصویر) ، قیصر اورلین[2] نے ملکہ زینوبیا[3] پر فتح پاکر جو مالِ غنیمت حاصل کیا تھا اس کی فہرست میں "ایرانی جھنڈے" بھی مذکور ہیں[4]، میدانِ جنگ میں جب فوج کا حملہ شروع ہوتا تھا تو آتشی رنگ کا جھنڈا بلند کیا جاتا تھا[5]، شاہنامۂ فردوسی کے اس حصّے میں جو کیانیوں کے افسانوی زمانے کے متعلق ہے شاعر نے اکثر قدیم بہادروں کے جھنڈوں کو بیان کیا ہے، چونکہ یہ بیانات ساسانی مأخذوں سے لیے گئے ہیں لہذا یقینی بات ہے کہ ساسانی جھنڈوں کو نمونے کے طور پر پیشِ نظر رکھا گیا ہوگا، شاہنامے میں ایک شاہی جھنڈے کا ذکر ہے جس میں بنفشی رنگ کے کپڑے پر نیچے سورج کی تصویر بنی تھی اور اس کے اوپر سنہری رنگ کا چاند تھا[6]، ایک اور جھنڈے کا ذکر ہے جس پر شیر ببر کی تصویر بنائی گئی ہے جو اپنے پنجوں میں گرز اور تلوار پکڑے ہوئے ہے[7]، ایک اور سیاہ جھنڈا مذکور ہے جس پر ایک بھیڑیے کی شکل ہے، ایک اور جھنڈے پر شیر کی شکل بنی ہے، اسی طرح کئی جھنڈے اور ہیں جن میں کسی پر ہرن، کسی پر سؤر، کسی پر عقابِ شاہی

[1] زارہ۔ ہرٹسفلٹ: "برجستہ حجّاری" تصویر نمبر ۶ اور ص ۴۷ ببعد، زارہ: "قدیم ایران کی صنّاعی" (جرمن)، تصویر نمبر ۸۳، نیز دیکھو زارہ دررسالۂ کلیو (Klio)، ج ۳، جزء ۳، جہاں جھنڈے کی تصویر بھی دی ہے اور اس کی شرح بھی لکھی ہے، [2] (Aurelian)، عہدِ سلطنت ۲۷۰ء تا ۲۷۵ء (مترجم)، [3] (Zenobia)، پیلمرا کی ملکہ، واقعۂ مذکور ۲۷۱ء میں پیش آیا (مترجم) [4] "حیات اورلین" از فلیویوس دوپسکوس (Flavius Vopiscus) بزبان لاطینی، باب ۲۸، [5] امیان ۲۰، ۶، ۳، [6] شاہنامہ طبع فولرس، ج ۱، ص ۴۷۸، شعر ۴۷۳، [7] ایران کے موجودہ جھنڈے پر بھی ایک شیر کی تصویر ہے جس کے پنجے میں تلوار ہے اور پیچھے سورج ہے،

اور کسی پر اژدہائے ہفت سر کی تصویریں بنائی گئی ہیں[1]، پھر ایک اور جھنڈے پر سورج کی تصویر ہے، ایک پر گورخر کی شکل بنی ہے، ایک جھنڈے کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے کناروں پر جھالر لگی تھی اور کپڑے کی ارغوانی سطح پر چاند کی تصویر تھی، ایک اور جھنڈے پر بھینس کی شکل بنلائی گئی ہے[2] وغیرہ،

ساسانیوں کے زمانے میں ایران کا قومی جھنڈا درفش کاویان تھا جو بموجب روایت کاوہ آہنگر کے پیش بند کا بنا ہوا تھا جس نے قدیم افسانوی زمانے میں لوگوں کو ظالم دہاگ کے خلاف برانگیختہ کیا تھا لیکن اس بڑے شاہی جھنڈے کا ذکر عہد ساسانی کے صرف آخری زمانے میں ملتا ہے[3]،

بڑی بڑی لڑائیوں میں جب بادشاہ بذات خود فوج کی کمان کرتا تھا تو اس کے لیے قلب لشکر میں ایک بہت بڑا تخت نصب کیا جاتا تھا جس کے گرد بادشاہ کے خدم و حشم کھڑے رہتے تھے اور فوج کا ایک دستہ خاص اس کی نگہبانی کے لیے مامور رہتا تھا جس کا فرض ہوتا تھا کہ تادم زیست اس کی حفاظت کریں، تخت کے چاروں کونوں پر جھنڈے گاڑے جاتے تھے اور ان کے باہر کی طرف تیر اندازوں اور پیادہ سپاہیوں کا ایک حلقہ ہوتا تھا، جب بادشاہ موجود نہ ہوتا تھا اور فوج کی کمان سپہ سالارِ اعظم کے ہاتھ میں ہوتی تھی تو پھر اسی تخت پر وہ بیٹھتا تھا، قادسیہ کی لڑائی میں اسی قسم کا تخت تھا جس پر بیٹھ کر سپہ سالار رستم جنگ کے نشیب و فراز کو دیکھتا رہا تھا[4]، ایک خاص خیمے کے اندر سفری آتشدان رکھے

[1] شاہنامہ طبع فولرس ج ۲، ص ۷۸۵، شعر ۳۱۰ بعد، [2] ایضاً ج ۲ ص ۸۰۱، شعر ۵۲۷ بعد،
[3] دیکھو آگے باب دہم، [4] ابن خلدون، طبع فرانس، ص ۶۹ وغیرہ، مؤرخ امیان لکھتا ہے کہ آج تک یہ نہیں سنا گیا کہ کوئی شہنشاہِ ایران (شاپور دوم کی طرح) لڑائی کے گھمسان میں گھسا ہو،

جانتے تھے کیونکہ بادشاہ آتشدانوں اور موبدوں کے بغیر کبھی کسی مہم پر نہیں جاتا تھا[1]،

محاصرے کے فن میں اشکانیوں کو زیادہ مہارت نہ تھی لیکن ساسانیوں کے زمانے میں اہل ایران نے قلعہ گیری کے طریقے رومیوں سے سیکھ لیے تھے چنانچہ وہ محاصروں میں قلعہ شکن گُرزوں، منجنیقوں، متحرّک برجوں اور دوسرے قدیم آلاتِ محاصرہ کا استعمال کرنے لگے تھے، اور جب وہ خود محصور ہوتے تھے تو دشمن کے آلاتِ محاصَرہ کو بیکار کر سکتے تھے، ان کی قلعہ شکن مشینوں کو کمند سے پکڑ لیتے تھے اور ان پر پگھلا ہؤا سیسہ اور دوسرے آتشگیر مادے پھینکتے تھے[2]، لینن گراڈ کے عجائب گھر میں چاندی کا ایک پیالہ ہے جو عہد ساسانی کی ابتدائی صدیوں میں بنایا گیا ہے، اس کے اندر ایک تصویر بنی ہے جس میں ایک مضبوط قلعہ دکھایا گیا ہے جس کا دشمن نے محاصرہ کر رکھا ہے، اس کی کنگرہ دار دیوار ستونوں کے اوپر قائم ہے، درمیان میں قلعہ کا دروازہ ہے جو بند ہے، دیوار کے اوپر ایک برج ہے جس کے اوپر تین مسلّح سپاہی دیدبانی کر رہے ہیں، برج کے بائیں طرف ایک کھمبے پر جھنڈے کا لمبا اور سکڑا پھریرا ہوا میں اڑ رہا ہے، دیوار کے اوپر برج کے آگے چند بوق بجانے والے ایک آتشگاہ یا شاید کسی اور عمارت کے گرد جمع ہیں اور محصورین کو دشمن کے حملے کی خبر دینے کے لیے بوق بجا رہے ہیں، دونو طرف حملہ آور گھوڑوں پر سوار تلواریں نیزے اور گول ڈھالیں ہاتھوں میں

[1] پاتکانیان: "مجلّۂ آسیائی" (JA) سنہ ۱۸۶۶ء حصّۂ اوّل ص ۱۱۳، [2] امیان، ۱۹، ۵ ببعد،



نقش رستم میں عہد ساسانی کی برجستہ تصویر - (بہرام دوم ؟)

de'Smat 36184 4AC DT//1110233///TEW/TPW/FH2

سپاہی قلعہ پر حملہ کر رہے ہیں، ایک سوار کے ہاتھ میں جھنڈا ہے جس کے چاروں کونے ہوا میں لہرا رہے ہیں[1]، (دیکھو تصویر)

جب کبھی کوئی حملہ آور آتا تھا تو ایرانی لوگ اناج کے کھیتوں کو آگ لگا دیتے تھے تاکہ غنیم کو رسد نہ مل سکے[2] یا جہاں آبپاشی کا انتظام ہوتا تھا وہاں پانی کے بند کھول دیتے تھے تاکہ سیلاب کی وجہ سے راستہ رک جائے[3]، جنگ کے قیدیوں کو ان کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھ کر لے جاتے تھے اور یا تو اُنھیں غلاموں کے طور پر بیچ دیتے تھے[4] یا ملک کے غیر آباد علاقوں کو آباد کرنے اور زمین کے جوتنے بونے کے لیے بھیج دیتے تھے[5]، عہد ساسانی کے ایک برجستہ کتبے کی تصویر میں جو شہر شاپور (فارس) میں ہے بادشاہ کے حضور میں جنگ کے قیدیوں یا باغیوں کے کٹے ہوئے سر پیش کیے جا رہے ہیں[6]،

لڑائی میں جانوں کے نقصان کا اندازہ کرنے کے لیے ایرانیوں کے ہاں ایک انوکھا دستور تھا، جنگ سے پہلے بادشاہ ایک جگہ تخت پر بیٹھ جاتا تھا اور اس کے ساتھ وہ سپہ سالار ہوتا تھا جس کو وہ مہم سپرد کی گئی ہوتی تھی، پھر سپاہی ایک ایک کرکے بادشاہ کے سامنے سے گزرتے تھے اور ہر سپاہی ایک ایک تیر بڑے بڑے ٹوکروں میں (جو اسی مطلب کے لیے وہاں رکھے ہوتے تھے) پھینکتا جاتا تھا، اس کے بعد ٹوکروں کو بند کرکے اُن پر شاہی مہر

[1] زارہ: "ایران قدیم کی صنّاعی"۔ تصویر نمبر ۱۰۵، [2] امّیان، ۲۴، ۷۰۷،
[3] ایضاً ۲۴، ۳، ۱۰، [4] ایضاً، ۱۹، ۲۰۶، [5] دیکھو اوپر ص ۱۶۳، ۱۶،۲، امّیان، ۲۰، ۷۰۶، نیز دیکھو لابور (Labourt): "عیسائیت در ایران بعہد ساسانی" ص ۱۲۲، ح ۳،
[6] فلاندین و کوست، ج ۱، تصویر نمبر ۵۰؛

لگا دی جاتی تھی، جب لڑائی ختم ہو چکتی تھی تو ٹوکرے کھول لے جاتے تھے اور اُسی طرح ایک ایک سپاہی ایک ایک تیر اٹھاتا جاتا تھا، جتنے تیر بچ رہتے تھے اُن کی تعداد سے پتہ چل جاتا تھا کہ کتنے سپاہی مارے گئے یا قید ہوئے، بادشاہ کو اس بات کا بھی اندازہ ہو جاتا تھا کہ سپہ سالار نے اُس کے لیے لڑائی میں فتح کو کس حد تک مہنگی قیمت پر خریدا[1]، ایرانیوں میں یہ دستور بہت پرانا معلوم ہوتا ہے، مؤرخ ہیروڈوٹس نے جو مملکت اگزامپئیوس[2] کی عظیم الجثہ مقدس دیگ کا ذکر کیا ہے[3] وہ اگرچہ افسانہ ہے تاہم اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے زمانے میں نواح بحر اسود کے قبائل سکیتھین[4] میں مردم شماری کا کچھ اسی طرح کا دستور تھا،

ساسانی اوستا کے گم شدہ حصوں میں اور ان کی پہلوی شرحوں میں کہ وہ بھی تلف ہو چکی ہیں[5] فوجی امور کے متعلق بہت سی باتیں بیان کی گئی تھیں، مثلاً ملک پر غیر اقوام کے حملہ آور ہونے کی صورت میں سرحدوں کی حفاظت[6] اور کوچ کی حالت میں سپاہیوں کی ضروریات یا بیگار کی بہم رسانی وغیرہ پر اُن میں بحث کی گئی تھی[7]، ایک نسک موسوم بہ دُزْد سر نزْدْ میں ایک پورا باب بہ عنوان "ارتیشتارشتان[8]" تھا جس میں جنگ اور سپاہ اور اسی قسم کے اور اہم امور پر بحث تھی کیونکہ کہا گیا ہے کہ "دو پاؤں والے بھیڑیوں (یعنی دشمنوں) کی بیخ کنی چار پاؤں والے بھیڑیوں کی نسبت زیادہ ضروری ہے"۔ باب مذکور

---

[1] پروکوپیوس، ج ۱، ۱۸، ۵۲-۵۳، [2] (Exampaios)، [3] ج ۴، ص ۸۱، [4] (Scythian) [5] دیکھو اوپر، ص ۶۳-۶۴ اور ۱۸۴، [6] دین کرد، ج ۸، ص ۳۷ و ۵۰، [7] ایضاً ص ۲۲، [8] ایضاً ص ۲۶،

میں زرہ پوش اور غیر زرہ پوش فوجوں، فوج کے افسروں اور دوسرے افسروں کے مراتب، ہر ایک درجے کے افسر کے ماتحت سپاہیوں کی تعداد، افسروں اور سپاہیوں کی تنخواہ اور راشن، ان کے ساز و سامان، گھوڑوں کے راتب اور اسی قسم کی اور باتوں کے متعلق تفصیلات دی گئی تھیں، امن کے زمانے میں ہتھیاروں اور جنگ کے سامان کو میگزینوں (انبارگ) اور سلاح خانوں (گنز) میں رکھ دیا جاتا تھا جن کا محافظ ایران انبارگ بذ تھا[1]، اس کا یہ فرض تھا کہ ہر چیز کو مناسب حالت میں محفوظ رکھے اور جب ضرورت پڑے فوراً ہر چیز تیار ملے۔ جب لڑائی ختم ہو جاتی تھی تو تمام چیزیں پھر وہیں رکھ دی جاتی تھیں[2]، گھوڑوں کی خاص نگہداشت ہوتی تھی اور ستور بز ہشنگ (بیطار) بڑے رتبے کا آدمی سمجھا جاتا تھا، گھوڑوں کا علاج جڑی بوٹیوں سے ہوتا تھا اور ان کا ذخیرہ جمع کر کے رکھا جاتا تھا[3]، اس بات کی اجازت نہیں تھی کہ غیر فوجی لوگوں کے گھوڑے ضرورت کے وقت جبراً پکڑے جائیں سوائے اس حالت کے کہ فوری لڑائی پیش آجائے اور عین وقت پر گھوڑے مناسب تعداد میں بہم نہ پہنچ سکیں[4]، سپاہیوں کی خوراک کے لیے گوشت، دودھ اور روٹی کا سب کو برابر حصہ وزن کر کے روزانہ تقسیم کیا جاتا تھا[5]، معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے ایام میں آدمیوں اور گھوڑوں کو معمولی راتب سے زیادہ دیا جاتا تھا[6]،

ارتیشتارستان میں ان سب باتوں کے علاوہ میدان جنگ میں لڑائی کی

---

[1] دیکھو اوپر ص ۱۳۸، [2] دین کرد، ج ۸، ص ۲۶،
[3] ایضاً، ۲۶، ۱۱، [4] ایضاً، ۲۶، ۱۸،
[5] ایضاً، ۲۶، ۱۰، [6] ایضاً، ۲۶، ۱۲،

چالوں کے متعلق بھی اشارات تھے، مثلاً یہ کہ کن حالات میں لڑنا اور کن حالات میں نہ لڑنا مناسب ہے، سپہ سالار سے یہ توقّع کی جاتی تھی کہ وہ فنّ جنگ کی لیاقت بخوبی رکھتا ہو، ایک نظر میں سارے نشیب و فراز کو سمجھ سکتا ہو، اپنے لشکر کے پورے حال سے باخبر ہو، ہر بات میں محتاط ہو، فوج کے مختلف دستوں کو پہچانتا ہو اور ہر ایک کی قوّت کا اس کو خوب اندازہ ہو، لڑائی کے دن کسی قسم کی گھبراہٹ اس سے ظاہر نہیں ہونی چاہیے اور نہ اس کو ایسی گفتگو کرنی چاہیے جس سے لشکر میں خوف وہراس پیدا ہو، سپاہیوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے سے رشتۂ محبّت کے ساتھ پیوستہ رہیں اور سپہ سالار کی کورانہ اطاعت کریں، لڑائی کے دن سپہ سالار کے لیے لازمی تھا کہ اپنے لشکریوں کو موت کے خطرے میں پڑنے کا حوصلہ دلائے اور اُنہیں یہ بتائے کہ کفّار کے ساتھ جنگ کرنا ہر شخص کا مذہبی فرض ہے، اگر زندہ رہے تو اس دُنیا میں انعام اور ترقی ہے اور اگر مر گئے تو عقبیٰ میں روحانی اجر ہے[1]، بگل بجا کر فوج کو لڑائی کے لیے برانگیختہ کیا جاتا تھا[2]، لڑائی شروع کرنے سے پہلے سب سے قریب کی ندّی میں کچھ مقدّس پانی گرایا جاتا تھا اور کسی مقدّس درخت کی ٹہنی پہلے تبرک کے طور پر دشمن کی طرف پھینکی جاتی تھی[3]، یہ بھی دستور تھا کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے سپہ سالار دشمن کی فوج کو شہنشاہ کی اطاعت اور دین زرتشتی کو قبول کرنے کی نصیحت کرتا تھا[4] یا "مرد نہ مرد" (بمعنی "مرد کے مقابلے پر مرد"!) کی صدا لگا کر دلیروں

---

[1] دین کرد، ۲۶، ۱۴-۱۶، ۲۲-۲۳، [2] اتیان، ۱۹، ۲، ۵، ایلیزے، ج ۲، ص ۲۲،
[3] دین کرد، ج ۸، ۲۶، ۲۴،
[4] دین کرد، ج ۸، ۲۶، ۲۱،

کو مبارزت کے لیے آمادہ کرتا تھا[1]،

ارتیشتارستان میں آخری بحث یہ تھی کہ فتح کے بعد فوج کو کیا انعام دینا چاہیئے اور مغلوب دشمن اور اسیرانِ جنگ اور وہ لوگ جو بطور یرغمال دبے گئے ہوں ان سب کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے، پھر یہ کہ اگر ایک قوم مغلوب ہو جائے تو اس کو کن حالتوں میں اس بات کے انتخاب کا حق دینا چاہیے کہ وہ یا تو موت کو قبول کرے اور یا قومیّت ایرانی کو اختیار کرے[2] یعنی ایرانی فوج میں شامل ہو کر تلوار کے ذریعے سے سلطنتِ ایران کی خدمت کرے، اوستا کے ایک نسک میں جس کا نام سکا ذُم نسک ہے[3] ایک جگہ پر "با خوف اور بے خوف لشکروں" کا ذکر آیا ہے، شارح نے نہایت سادگی کے ساتھ اپنے قومی غرور کو یہ کہہ کر ظاہر کیا ہے کہ اجنبی لشکروں کے مقابلے میں "بے خوف" ہونے کا امتیاز ایرانی سپاہ کو حاصل ہے،

ساسانیوں کے آئینِ جنگ کا ایک دلچسپ نمونہ ابن قتیبہ[4] نے کسی آئین نامگ[5] سے اخذ کیا ہے اور اس کو موسیو اینوس ترانت زیفنت نے شائع کیا ہے[6]، جیسا کہ اس روسی فاضل نے توضیح کی ہے اس بیان کے دو حصّے ہیں ایک میدانی لڑائی کے متعلق اور دوسرا قلعہ گیری کے متعلق، پہلے حصّے میں میدانِ جنگ کے اندر صفوں کی ترتیب پر بحث ہے؛ لکھا ہے کہ قلبِ لشکر کو کسی بلند مقام پر جاگزیں کرنا چاہیے اور رسالہ فوج کو آگے رکھنا چاہیے، جو تیر انداز بائیں ہاتھ سے تیر

---

[1] نہایہ (براؤن)، ص ۲۵۰، پروکوپیوس، ج ۱، ص ۱۳، بلعمی (ترجمہ زوٹن برگ)، ج ۲، ص ۳۸۹-۳۹۰، نیز دیکھو زارہ ہرتسفلٹ: "برجستہ حجّاری" ص ۴۷، ح ۱، بین ونست: "مجلۂ آسیائی" (J. A.) سنہ ۱۹۳۲ء، ص ۱۳۵ بعد، [2] دین کرد، ج ۸، ۲۶، ۲۲، [3] ایضاً، ۳۸، ۳۰،
[4] عیون الاخبار، طبع مصر، ج ۱، ص ۱۱۲، بعد، [5] دیکھو اوپر، ص ۴۷، [6] "مطالعات ساسانی" (بزبان روسی)، ص ۴۶ بعد، ترجمہ انگریزی از بوگدانوف طبع کاما انسٹیٹیوٹ (بمبئی سنہ ۱۹۲۶ء) ص ۷-۵۲

چلا سکتے ہوں ان کو بائیں پہلو پر کھڑا کرنا چاہیے، اس کے بعد اعمال حرب کے متعلق کچھ تفصیلات بیان کی گئی ہیں، سپہ سالار کو چاہیے کہ لشکر کی ترتیب میں اس بات کا خیال رکھے کہ سورج اور ہوا کا رُخ پیچھے کی طرف سے ہو، اگر دونو لشکر کسی ندی کے قریب ہوں اور گھاٹ پر ہر ایک قبضہ کرنا چاہتا ہو تو مناسب یہ ہے کہ دشمن کے سپاہیوں اور جانوروں کو اطمینان کے ساتھ پانی پینے دیا جائے کیونکہ سیراب ہونے کے بعد آدمی بآسانی مغلوب ہوتے ہیں، اس کے بعد دشمن کے لیے جال بچھانے اور کمین گاہ کے لیے آدمیوں اور گھوڑوں کا انتخاب کرنے اور شبخون مارنے کے طریقے بتائے گئے ہیں، لکھا ہے کہ شبخون مارتے وقت خوب شور مچانا چاہیے اور ہر قسم کی آوازیں بلند کرنا چاہئیں تاکہ دشمن ان سے خوف زدہ ہو، دوسرے حصّے میں قلعہ گیری کے مختلف حیلے بیان کیے گئے ہیں کہ جاسوسوں کے ذریعے سے محصورین کا حال معلوم کرنے کی کس طرح کوشش کرنی چاہیے اور کس ہوشیاری کے ساتھ نامہ و پیغام بھیج کر یا تیروں کے ذریعے سے قلعے کے اندر خط پھینک کر ایسی وحشتناک خبریں دشمن کو پہنچانی چاہئیں جن سے وہ خوف زدہ ہو اور اس کی ہمّت ٹوٹ جائے،

موسیو اینوس ترانت زیف نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ ایرانیوں اور بازنتینی رومیوں کے فنونِ جنگ میں جو فرق شروع میں تھا وہ رفتہ رفتہ گھٹتا گیا یہاں تک کہ بالآخر دونو قوموں کے قوانین جنگ بالکل ایک ہو گئے، لہذا آئین نامگ کے اس اقتباس کی تفصیلات کو واضح کرنے کے لیے لڑائیوں کے اُن حالات سے یا آدابِ حرب کے متعلق اُن رسالوں سے جو بازنتینی

مصنّفوں نے لکھے ہیں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، فاضل مصنّف نے اقتباس مذکور کے روسی ترجمے کے ساتھ جو مفصّل تشریحات دی ہیں ان میں اس نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے، اس نے لکھا ہے کہ دونو قوموں کے قوانینِ جنگ کے درمیان ایسے روابط پائے جاتے ہیں جن کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے کی کتابوں سے فائدہ اُٹھایا ہے، ارتیشتارستان کے ساسانی مفسّرین نے جو مطالب بیان کیے ہیں ان کی توضیح کے لیے موسیو اینوس ترانت زیف کے اشارات کار آمد ہو سکتے ہیں،

وہ پہاڑی علاقہ جو بحر اسود کے مشرقی کنارے سے لے کر دریائے دجلہ کے وسط تک چلا گیا ہے سلطنت ایران اور سلطنت روم کے درمیان حدِّ طبعی نہ بن سکا اور اس جغرافیائی حالت کی وجہ سے دونوں سلطنتوں کے درمیان تقریباً دائمی جنگ جاری رہی، اگر آرمینیہ اتنا طاقتور ہوتا کہ دونو کے مقابلے پر اپنی آزادی کو برقرار رکھ سکتا تو شاید وہ دونو کے درمیان ایک مملکتِ فاصل کا کام دے سکتا لیکن وہ بہت کمزور تھا، خاندان اشکانی کی ایک شاخ آرمینیہ میں حکمران تھی لیکن وہاں کی سیاسی حالت مستحکم نہ تھی، وہاں کے ماتحت فرمانروا ہمیشہ بغاوت کے لیے آمادہ رہتے تھے اور ایرانی اثر اور رومی اثر میں باہمی جنگ جاری رہتی تھی،

اردشیر اول نے رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے سے کچھ زیادہ فائدہ حاصل نہ کیا اور ہیٹرا (الحضر) کی چھوٹی سی عربی مملکت نے بھی (جو قدیم نینوا

کے جنوبی صحرا میں واقع تھی) نہایت شدت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور مسخر نہ ہو سکی، بالآخر شاید شاپور اوّل نے اس کو فتح کیا[1]،

روم کے ساتھ جنگ کا خاتمہ ایک صلحنامے کے ذریعے سے ہوا جو ۲۴۴ء میں شاپور اوّل اور قیصر روم فیلیپ (ملقّب بہ "عرب") کے درمیان طے پایا، اس صلحنامے کی رو سے فیلیپ نے آرمینیہ ایرانیوں کے حوالے کر دیا، شاپور کو ابتدا میں نواح بحر خزر کے باشندوں اور اندرون سلطنت کی سرکش قوموں اور شمال و مشرق کی سرحدی مملکتوں کے ساتھ جنگ کرنی پڑی، تاریخ اربیلا کی روایت کے مطابق[2] شاپور نے اپنے عہدِ سلطنت کے پہلے سال میں خوارزمیوں کے ساتھ جنگ کی اور پھر کوہستانی علاقے کے مادیوں (اہل میڈیا) کے ساتھ نبرد آزما ہوا[3] اور ایک خونریز لڑائی کے بعد ان کو مغلوب کیا، وہاں سے دو گیلیوں، دیلمیوں اور گرگانیوں کو (جو دور دراز کے پہاڑی علاقوں میں بحر خزر کے نواح میں رہتے

---

[1] ہیٹرا (Hatra) کی فتح از روی افسانہ ایک غدّاری کی وجہ سے ہوئی، وہاں کے بادشاہ کی ایک بیٹی تھی جو شاہ ایران پر عاشق تھی، اس نے شہر کے دروازے کھلوا دیے تاکہ وہ داخل ہو سکے، شاپور نے اس غدّاری کے صلے میں اس سے شادی کر لی، بیاہ کی رات اس نے رو رو کر کاٹی اور اس قدر بیقرار رہی کہ سو نہ سکی، اگلے دن صبح جب بستر کو دیکھا گیا تو نہالی کے نیچے ایک آس کا پتا ملا جو رات بھر اس کی تکلیف کا باعث رہا تھا، بادشاہ اس کی انتہائی نزاکت سے سخت متعجّب ہوا اور اس سے پوچھا کہ تیرا باپ تجھے کیا کھلایا کرتا تھا؟ اس نے کہا گودا، انڈے کی زردی، بالائی، شہد اور عمدہ شراب، شاپور نے کہا کہ "پھر تو نے باپ کے احسانوں کا خوب بدلہ دیا! مجھے اندیشہ ہے کہ میرے ساتھ بھی تو ایسا ہی سلوک کریگی"، تب اس نے حکم دیا کہ اس کے سر کے بالوں کو ایک سرکش گھوڑے کی دم کے ساتھ باندھا جائے اور گھوڑے کو ایک ایسے میدان میں دوڑایا جائے جہاں کانٹے دار جھاڑیاں ہوں یہاں تک کہ اس کا کام تمام ہو جائے، (ثعالبی، ص ۴۹۲، مروج الذہب مسعودی، ج ۴، ص ۸۴)، دوسرے عرب مؤرّخین نے اس قصّے کا ہیرو اردشیر اوّل یا شاپور دوم کو بنایا ہے، (دیکھو گبریئیلی: رسالہ "مطالعات مشرقی" بزبان اطالوی ج ۱۳، ص ۲۰۹)،

[2] طبع منگانا (لیپزگ ۱۹۰۷ء)، مارکوارٹ: "فہرست پایہ تخت ہائے ایرانشہر" (ص ۵۲)، [3] آذربائجان میں، (مارکوارٹ)

تھے) زیر کرنے کے لیے گیا۔ ایک پہلوی کتاب موسوم بہ "شہرستانیہائے ایرانشہر"[۱] میں لکھا ہے کہ شاپور نے خراسان میں ایک تورانی بادشاہ پہلیزگ کو شکست دے کر قتل کیا اور جس جگہ لڑائی ہوئی تھی وہاں ایک مستحکم شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام اس نے نیو شاپور (بمعنی "پسندیدہ شاپور") رکھا جو آج نیشاپور کہلاتا ہے[۲]، وہ ولایت ابرشہر کا صدر مقام تھا اور بہ علاقہ قبیلہ اَپرن[۳] کا وطن تھا، اردشیر نے "شاہانشاہِ ایران" کے لقب پر قناعت کی لیکن شاپور نے اپنی فتوحات کے بعد اپنے کتبوں میں ایک زیادہ شاندار لقب اختیار کیا یعنی "شاہانشاہِ ایران و اَن ایران" (بمعنی شہنشاہِ ایران و غیرِ ایران)[۴]،

چند سال بعد روم کے ساتھ پھر جنگ چھڑ گئی، ۲۶۰ء میں قیصرِ روم ویلیرین[۵] جو بذاتِ خود ایران کے خلاف لشکر لے کر آیا تھا شکست کھا کر گرفتار ہوا، شہنشاہ اب اپنے آپ کو مشرق و مغرب کا مالک تصور کر رہا تھا چنانچہ اس نے ایک رومی مفرور سائریاڈیس[۶] کو جس نے ایران میں پناہ لی تھی "قیصرِ روم" کا لقب عطا کیا لیکن با ایں ہمہ اس شخص کا نام تاریخ میں باقی نہیں رہا[۷]، ویلیرین کے انجام کا حال معلوم نہیں صرف اس قدر یقینی ہے کہ وہ قیدی کی حالت میں (غالباً شہر گند یشاپور میں) مرا، لیکٹینٹیوس[۸] اور دوسرے رومی مؤرّخوں نے جو

---

[۱] آرٹیکل ۱۵، [۲] حمزہ اصفہانی (ص ۴۸) نے بھی یہی لکھا ہے کہ نیشاپور کو شاپور اوّل نے آباد کیا لیکن طبری (ص ۸۴۰) اور ثعالبی (ص ۵۲۹) راوی ہیں کہ اس کا بانی شاپور دوم تھا،

[۳] اَپرن: قومِ داہہ کا ایک قبیلہ تھا جو ایک خانہ بدوش ایرانی قوم تھی، خاندانِ اشکانی کا بانی ابتدا میں قبیلۂ اَپرن ہی کا سردار تھا، [۴] ہرتسفلٹ: پائی کُلی، ص ۴۱،

[۵] (Valerian) [۶] (Cyriades) [۷] زارہ - ہرتسفلٹ: "برجستہ حجّاری" ص ۷۹، [۸] (Lactantius)

اس قسم کی روایتیں لکھی ہیں کہ شاہ ایران ویلیرین کے ساتھ بدسلوکی کرتا رہا ان کو قبول کرنے میں تامّل چاہیے، مشرقی روایت کے مطابق شاپور نے اس کو ایک بند کی تعمیر میں کام کرنے پر مجبور کیا جو شوشتر کے قریب بنوایا گیا تھا اور پندرہ سو قدم لمبا تھا، آج بھی دریائے کارون کے پانی کو اُن کھیتوں میں پہنچانے کے لیے جو بلندی پر واقع ہیں اس بند سے کام لیا جاتا ہے اور اس کا نام بندِ قیصر ہے،[1] اصل حقیقت جو کچھ بھی ہو قیاس غالب یہ ہے کہ شاپور نے رومی قیدیوں کو گندیشاپور اور شوشتر کے نواح میں آباد کیا، ایران میں رومیوں کی صنعتی قابلیت کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شوشتر کا بند اور بڑا پُل دونوں رومی مہندسوں کے بنوائے ہوئے ہیں[2]،

شاپور نے ویلیرین پر اپنی فتح کو بہت سی پتھّر کی یادگاروں سے زندۂ جاوید بنا دیا ہے، نقش رستم میں ایک بہت بڑی برجستہ تصویر ہے جس میں شاپور کو دکھایا گیا ہے کہ ایک شاہانہ اشارے کے ساتھ قیصر کی جاں بخشی کر رہا ہے، شہنشاہ گھوڑے پر سوار آرہا ہے اور گھوڑے نے اپنا دایاں پاؤں اُٹھا رکھا ہے، دیوار دار تاج کے اوپر وہی کپڑے کی بنی ہوئی مخصوص گیند ہے جو اتنی بلند چلی گئی ہے کہ چٹان کی دیوار میں اس کو جگہ دینے کے لیے اوپر سے نصف دائرہ اور تراش کر دیوار کے ساتھ شامل کرنا پڑا ہے، اس کی گھنی اور گھونگریالی

---

[1] نولڈکہ: ترجمہ طبری، ص ۲۳۳، ح ۲، [2] دیولافوا (Dieulafoy): "ایران کی قدیم صناعی" (فرانسیسی) ج ۵، تصویر نمبر ۱۲ و ۱۳، بند شوشتر کی تعمیر کے متعلق جو مقبول عام روایت ہے اس پر دیکھو موسیو ہیوآر کا مضمون (جمعیت مستشرقین بین الاقوامی کے تیرھویں اجلاس کی روئداد ۱۹۰۲ء، ص ۱۱۵ ببعد)

ڈاڑھی کا نچلا سرا ایک حلقے میں پرویا ہوا ہے اور سر کے بال جن کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ چھلے دار بنایا گیا ہے سر کے پیچھے پڑے ہیں، فیتے جو لباس شاہی کا جزو ہیں پیچھے کی طرف دکھائی دے رہے ہیں اور ان میں متوازی شکن پڑے ہوئے ہیں، بدن میں ایک چست صدری پہن رکھی ہے اور شلوار پنڈلیوں پر شکن در شکن ہو رہی ہے، گلے میں کنٹھا اور کانوں میں بالیاں ہیں اور مرصع زین کے اوپر سیدھا بیٹھا ہوا ہے، بایاں ہاتھ تلوار کے قبضے پر ہے جو کمر بند کے ساتھ بندھی ہے اور دایاں ہاتھ علامتِ عفو کے طور پر ویلیرین کی طرف بڑھا رکھا ہے جو اس کے آگے گھٹنے ٹیک رہا ہے، قیصر کے سر پر ابھی تک برگِ غار کا تاج ہے[1]، اس کی رومی عبا اس کے پیچھے ہوا میں اُڑ رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت تیزی کے ساتھ شہنشاہ کے پاؤں پر گرنے کے لیے آگے بڑھ رہا ہے، اظہارِ عجز کے لیے دایاں گھٹنا جھکا رکھا ہے اور بایاں گھٹنا زمین پر ٹیکا ہوا ہے، دونوں ہاتھ بادشاہ کی طرف بڑھا رکھے ہیں گویا رحم کی درخواست کر رہا ہے، اس کے پہلو میں ایک شخص کھڑا ہے کہ وہ بھی رومی لباس میں ہے، موسیو زارہ کا قیاس ہے کہ وہ دشمنِ قیصر سائریاڈیس ہے، یہ برجستہ حجّاری ساسانی صنعتگری کے بہترین نمونوں میں سے ہے، تصویر کے سارے سین میں ایک زندگی پائی جاتی ہے اور احساسات کا اظہار جاذبِ توجّہ ہے، بادشاہ کے گھوڑے کے پیچھے ایک ایرانی شخص ہے جس کا سر اور ایک ہاتھ (جو اُس نے تعظیم کے لیے اُٹھا رکھا ہے) نظر آ رہا ہے، اس کے نیچے پہلوی کا ایک کتبہ ہے

---

[1] درختِ غار (laurel) کے پتوں کا تاج یونانیوں اور رومیوں کے ہاں عزت و افتخار کی علامت تھی، بادشاہوں، نامور شاعروں اور پہلوانوں کو وہ تاج طرۂ امتیاز کے طور پر پہنایا جاتا تھا، (مترجم)،

جو بمرورِ زمان ضائع ہو چکا ہے لیکن وہ بعد کے زمانے کا کندہ کیا ہُوا معلوم ہوتا ہے[1]، (دیکھو تصویر)

یہی تصویر بعض تغیّرات کے ساتھ اصطخر کے مغرب میں شہر شاپور کے قریب (جس کا بانی شاپور اوّل تھا) بنی ہوئی ہے[2]،

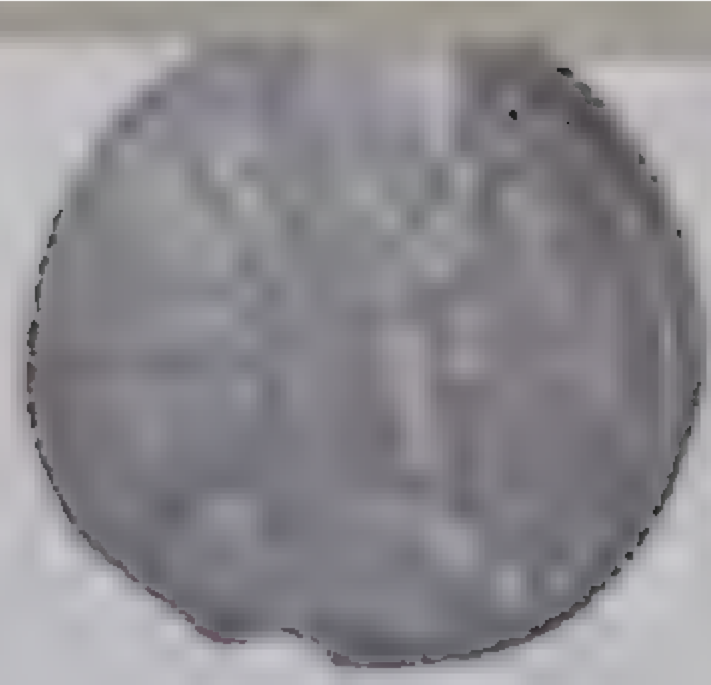
شاپور کی اس فتح کی یادگار میں دو اور بڑی بڑی تصویریں برجستہ حجّاری میں بنائی گئی ہیں اور وہ دونو شہر شاپور کی چٹان پر کندہ ہیں، ان میں سے ایک میں شاپور کو گھوڑے پر سوار دِکھایا گیا ہے اور سائرِیاڈیس پاس کھڑا ہُوا ہے، گھوڑے کے نیچے ایک شخص لیٹا ہُوا ہے اور سامنے قیصر گھٹنوں کے بل ہے، اوپر ایک فرشتہ ہوا میں تَیر رہا ہے اور دونو ہاتھ فاتح کی طرف بڑھا کر اس کو پتّوں کا تاج دے رہا ہے جس کے ساتھ فیتے لہرا رہے ہیں، دائیں اور بائیں طرف دو صفوں میں جو اوپر نیچے ہیں ایرانی سوار اور پیادے نظر آرہے ہیں جو مختلف اقوام کی امدادی فوجوں اور اُن کے ہتھیاروں کے نمونے پیش کرتے ہیں[3]،

دوسری تصویر بہت زیادہ بڑی ہے اور اس میں اشخاص کی تعداد بہت زیادہ ہے جو اوپر نیچے چار قطاروں میں دکھائے گئے ہیں، بدقسمتی سے یہ تصویر اب بہت خراب حالت میں ہے، تیسری قطار کے وسط میں شہنشاہ اور قیصر اُسی طرح دکھائے گئے ہیں جس طرح کہ مذکورہ بالا تصویر میں یعنی شہنشاہ گھوڑے پر سوار ہے

---

[1] دیولافوا، ج ۵، تصویر نمبر ۱۵، زارہ۔ ہرتسفلٹ: "برجستہ حجّاری" تصویر نمبر ۷ و ص ۷۷-۸۰، زارہ: "ایران قدیم کی صنّاعی" (جرمن)، تصویر نمبر ۴۷، [2] دیولافوا، تصویر نمبر ۱۸، زارہ۔ ہرتسفلٹ، تصویر نمبر ۴۴ و ص ۲۲۲، [3] دیولافوا، تصویر نمبر ۲۰، آنڈریاس اور شٹولٹس (Stolze): "پرسی پولس" تصویر نمبر ۴۳ اور ص ۲۲۰، تصویر کا دایاں حصّہ دیولافوا کی کتاب میں دبا ہُوا ہے، (ج ۵، تصویر نمبر ۱۹)،

ایران



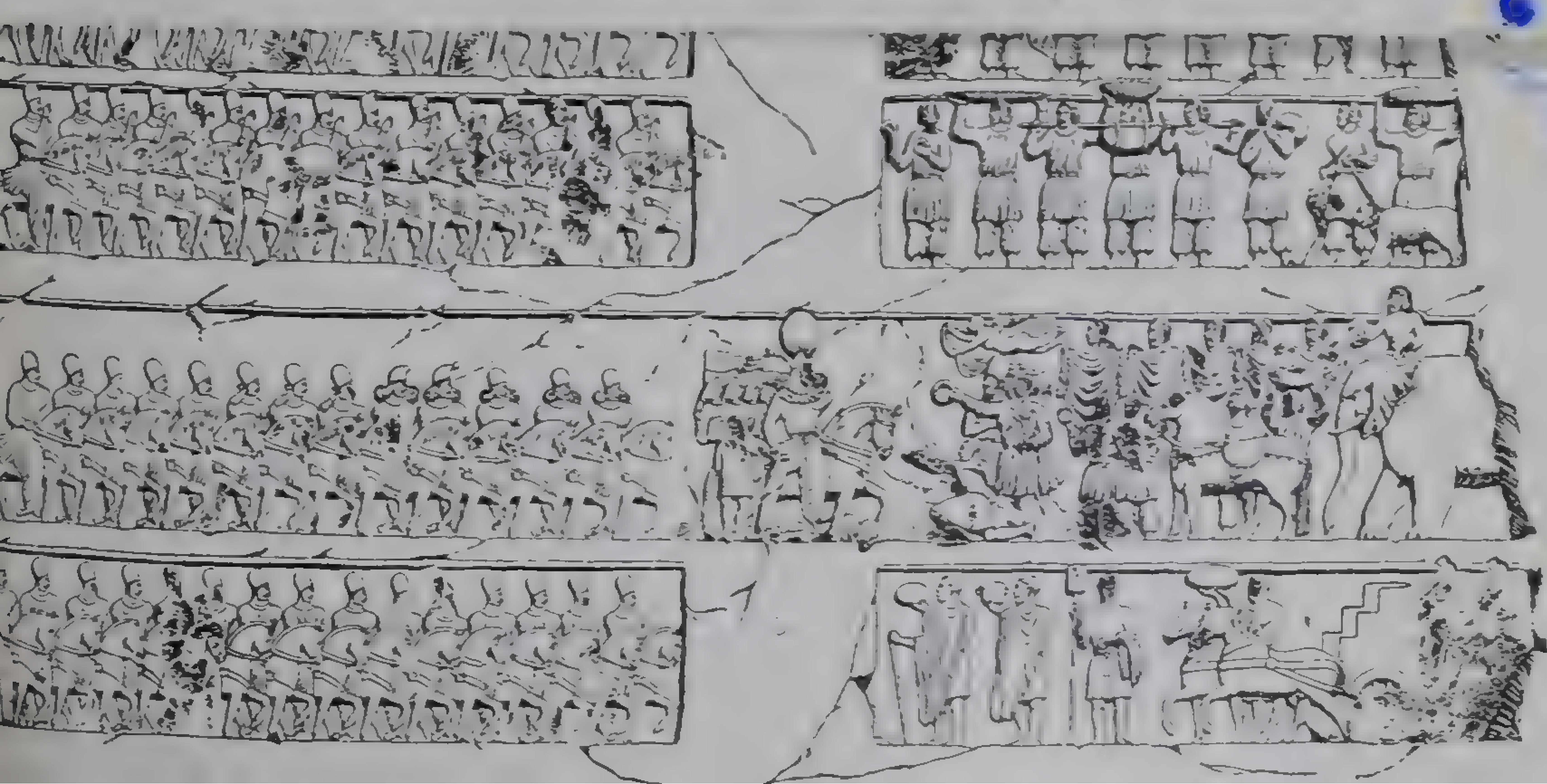
سکۂ شاپور اوّل



سکۂ بہرام اوّل



نقش رستم میں شاپور اوّل اور قیصر ویلیرین کی برجستہ تصویر



اور پاؤں کے نیچے ایک شخص کو روند رہا ہے، سائریا ڈیس پاس کھڑا ہوا ہے اور قیصر گھٹنوں کے بل ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے، قیصر کے پہلو میں دو آدمی کھڑے ہیں جن میں سے ایک نے اونچی ایرانی ٹوپی پہن رکھی ہے اور دوسرا ہاتھ بڑھا کر بادشاہ کو ایک حلقہ یا تاج دے رہا ہے، ایک فرشتہ اُسی طرح اوپر ہوا میں تیر رہا ہے، اس جماعت کے پیچھے چند اہل روم اپنے رومی چغے پہنے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ ہیں جو ایک گھوڑا اور ایک ہاتھی ساتھ لا رہے ہیں، ایک شخص سر پر طشت اُٹھائے ہوئے ہے، یہ سب لوگ تیسری قطار میں دائیں طرف ہیں، اسی طرف اوپر کی دو قطاروں میں چند آدمی ہیں جو گھٹنوں تک لمبے لمبے کرتے پہنے ہوئے ہیں اور ان کے پاجامے ٹخنوں تک ہیں، ان میں سے بعض سروں پر طشت اور بعض ہاتھوں میں تاج اُٹھائے لا رہے ہیں، ایک شخص نے ایک تھیلا اُٹھا رکھا ہے جو شاید روپوں سے بھرا ہے، دو شیر زنجیروں میں بندھے ہوئے ساتھ ہیں، سب سے نچلی قطار میں چند اور چیزیں لائی جا رہی ہیں جو شاید غنیمت کا مال ہے، ان میں ایک رومی جھنڈا بھی ہے، سب سے پیچھے قیصر کی جنگی رتھ ہے جس کو دو گھوڑے کھینچ رہے ہیں، بائیں طرف کی چار قطاروں میں ایران کی رسالہ فوج دکھائی گئی ہے، اس میں اکثر آدمی اونچی اسطوانی ٹوپیاں پہنے ہوئے ہیں جو اوپر سے گول ہیں، تیسری قطار میں پانچ سوار جو بادشاہ کے متصل پیچھے کھڑے ہوئے ہیں اُن کے بال بالکل بادشاہ کی طرح چھلّے دار ہیں، غالباً وہ شاہی خاندان کے شہزادے ہیں، اُن میں سے دو نے ایسی ٹوپیاں پہن رکھی ہیں جن کی نوکیں آگے کو نکلی ہوئی ہیں، اُوپر کی دو قطاروں کے سب

سواروں نے اظہار تعظیم کے لیے ہاتھوں کو اُٹھا کر انگشت شہادت کو آگے کی طرف بڑھا رکھا ہے، (دیکھو تصویر)

ویلیرین کو گرفتار کرنے کے کچھ عرصہ بعد شاپور نے ایک حقیر دشمن کے ہاتھ سے شکست کھائی، اُذینہ[1] ایک عرب سردار تھا جو صحرائے شام میں شہر پیلمرا[2] (تدمر) پر حکومت کرتا تھا، یہ شہر مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت کا ایک بڑا مرکز تھا، اذینہ کسی بات پر شاہ ایران سے بگڑ گیا اور جب وہ شام اور کاپاڈوکیہ میں لوٹ مار کر کے واپس آرہا تھا تو اس نے سپاہ روم کو ساتھ ملا کر ایرانی لشکر پر حملہ کر دیا، ایرانی بہت کچھ نقصان اُٹھا کر فرات کے پار اُتر جانے پر مجبور ہوئے، اس کے بعد اذینہ نے حرّان اور نصیبین پر قبضہ کر لیا اور شام اور مغربی ایشیا کے رومی مقبوضات کو دبا بیٹھا، وہ برائے نام روم کا ماتحت تھا لیکن حقیقت میں خود مختار تھا، قیصر روم گیلی اینس[3] نے اس کو امپراطور کا لقب دیا، ایرانیوں نے ۲۶۵ء تک پیلمرا کے ساتھ جنگ جاری رکھی لیکن کچھ حاصل نہ ہُوا، بالآخر جب اذینہ مارا گیا تو اس کی ملکہ بث زبینہ یا زینب نے جس کو رومی مؤرّخ زینوبیا لکھتے ہیں اپنے بیٹے وہب اللاّت کے ساتھ مل کر عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی، وہب اللات نے روم سے کلّی طور پر آزاد ہو جانا چاہا اور ۲۷۱ء میں آگسٹس کا لقب اختیار کیا، اس پر قیصر اورلین ایک زبردست لشکر لے کر پیلمرا پر چڑھ آیا، زینوبیا نے بڑی دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن قیصر نے شہر کو فتح کر کے برباد کر دیا، ملکہ

---

[1] (Odenathus) [2] (Palmyra) [3] (Gallienus)

نے ایرانیوں کے ہاں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور سنہ ۲۷۲ء میں قید ہو کر روم پہنچی، شہر پلمیرا کے مرعوب کرنے والے کھنڈرات اب بھی باقی ہیں جو اس چندروزہ سلطنت کی شان و شوکت پر گواہ ہیں[1]،

شاپور نے سنہ ۲۷۲ء میں وفات پائی، ایک نہایت عمدہ قیمتی پتھر "یونانی رومی" طرز کا بنا ہوا ہے جس پر پہلوی میں شاپور (اوّل) کا نام کھدا ہے لیکن اس پر جو تصویر ہے وہ بہت پرانا یونانی کام ہے، شاپور نے اس پر اپنا نام کندہ کرایا ہے[2]،

شاپور اوّل کے بعد اس کے دو بیٹے یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے یعنی ہرمزد اوّل (سنہ ۲۷۲ء۔ سنہ ۲۷۳ء) اور بہرام اوّل (سنہ ۲۷۳ء۔ سنہ ۲۷۶ء)، لیکن ان دونو کے عہد کے واقعات کا ہمیں بالکل کوئی علم نہیں ہے،

شہر شاپور کی چٹان پر ایک اور برجستہ تصویر ہے جس میں شاہ بہرام اوّل کو اہورمزد (خدا) کی طرف سے منصب شاہی کے عطا ہونے کا سین دکھایا گیا ہے[3]، بادشاہ نے ایک تاج پہن رکھا ہے جس پر نوکدار دندانے بنے ہوئے ہیں اور ان کے اوپر کپڑے کی گیند رکھی ہوئی ہے، اہورمزد کا وہی دیوار دار تاج ہے اور وہ اور بادشاہ دونو گھوڑوں پر سوار ہیں، بادشاہ

---

[1] دیکھو انگ ہولٹ (Ingholt) : "پلمرا کی حجّاری پر مطالعات" (بزبان ڈنمارکی، کوپن ہیگن سنہ ۱۹۲۸ء)، [2] زارہ: "ایران قدیم کی صنّاعی" ص ۵۴، پاپ کُلی، ص ۴۷، [3] اسی جگہ شاہ نرسی کا ایک کتبہ ہے، زارہ نے پہلے اس برجستہ حجّاری کو نرسی ہی طرف منسوب کیا تھا لیکن اپنی تازہ تصنیف موسوم بہ "ایران قدیم کی صنّاعی" (ص ۴۰) میں اس کو بہرام اوّل کا کام تصوّر کیا ہے، ہرتسفلٹ نے تصویر کے انداز اور بادشاہ کے القاب سے یہ ثابت کیا ہے کہ نرسی نے اپنے بڑے بھائی (بہرام) کی تصویر پر جعلی طور پر اپنا نام لکھوا دیا ہے، اس رائے کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ تصویر میں بادشاہ

حلقۂ سلطنت کو جو اہورمزد نے اس کی طرف کو بڑھا رکھا ہے ہاتھ سے پکڑ رہا ہے، صنّاعی کے لحاظ سے برجستہ حجّاری کا یہ نمونہ زمانۂ سابق کے تمام نمونوں سے بہتر ہے، بقول زارہ گھوڑے اور سوار کے درمیان جو عدم تناسب دوسری تصویروں میں پایا جاتا ہے وہ اس میں بالکل نہیں ہے اور "تصویر میں ایک لطیف کیفیت ہے جو پہلی مرتبہ دیکھنے میں آرہی ہے، گھوڑوں کو اپنی صحیح ہیئت اور حرکت میں دکھایا گیا ہے اور ان کی ٹانگوں کی نسوں کو اور پٹھوں کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے"۔ بادشاہ کی تصویر بنانے میں اگرچہ صنّاع کو سابقہ روایات کی پابندی کرنی پڑی ہے تاہم وہ بہرام کے چہرے پر احساسات کو ظاہر کرنے میں خاصا کامیاب ہوا ہے، مثلاً "بادشاہ کے دل میں خدا کے ہاتھ سے حلقۂ سلطنت کو لینے کی جو خواہش ہے وہ اس کے چہرے سے نمایاں ہے[1]" (دیکھو تصویر)

بہرام اوّل کے بعد اس کا بیٹا بہرام دوم تخت پر بیٹھا، اس کے عہد میں (۲۷۶ء - ۲۹۳ء) روم کے ساتھ پھر جنگ چھڑ گئی، قیصر کیروس[2] فوج لے کر طیسفون تک آپہنچا لیکن اس کی ناگہانی موت کی وجہ سے رومیوں کو واپس ہونا پڑا، ۲۸۳ء میں ایران و روم کے درمیان معاہدہ ہوا جس کی رو سے آرمینیہ اور میسوپوٹیمیا روم کے قبضے میں آگئے، شہنشاہ ایران کا ان دو صوبوں کو ایسے وقت میں روم کے حوالے کر دینا جبکہ دشمن کمزور ہو چکا تھا علّت سے خالی نہ تھا، وجہ یہ تھی کہ سلطنت کے مشرق میں ایک خطرناک بغاوت ہو گئی تھی،

[1] زارہ - ہرتسفلٹ: "برجستہ حجّاری" تصویر نمبر ۱۴ اور ص ۲۴۱، زارہ: "ایران قدیم کی صنّاعی" تصویر نمبر ۷۸، [2] (Carus)

سلطنت ایران کے مشرقی صوبے (خراسان) کے وائسرایوں نے جو سکّے جاری کیے وہ "سکیتھو ساسانی" سکّے کہلاتے ہیں[1]، ان کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بہرام دوم کے زمانے تک اس بڑے صوبے کا وائسرائے ہمیشہ شاہی خاندان کا کوئی شہزادہ ہوتا تھا اور وہ "کوشان شاہ" کہلاتا تھا، مثلاً شاپور اوّل کے بھائی پیروز[2] نے اپنے سکّوں پر اپنا لقب "کوشان شاہِ بزرگ" لکھا ہے ۲۵۲ء کے بعد جب شاپور اوّل نے اپنے بیٹے ہرمزد کو (جو بعد میں شاہ ہرمزد اوّل ہوا) خراسان کا وائسرائے مقرر کیا تو اس کو اس سے بھی زیادہ شاندار خطاب دیا یعنی "شہنشاہِ کوشانِ بزرگ"۔ بہرام اوّل اور بہرام دوم بھی بادشاہ ہونے سے پہلے اس اعلیٰ عہدے پر سرفراز رہے، بہرام دوم کے زمانے میں اس کا بھائی ہرمزد خراسان کا وائسرائے تھا، روم کے ساتھ جنگ کے زمانے میں اسی ہرمزد نے بغاوت کی اور اقوام ساکا اور کوشان اور گیل کی مدد سے مشرق میں اپنے لیے ایک آزاد سلطنت قائم کرنے کی کوشش کی، یہی وجہ تھی کہ بہرام دوم نے عجلت کے ساتھ جنگ کو ختم کیا تاکہ اپنی تمام طاقتوں کو اپنے باغی بھائی کے خلاف کام میں لاسکے، جب بغاوت فرو ہوگئی اور ساکستان فتح ہوگیا تو شہزادہ بہرام کو (جو بعد میں شاہ بہرام سوم ہوا) "سگانشاہ" (یعنی شاہِ اقوامِ ساکا) کا لقب دیا گیا کیونکہ (بقول ہرتسفلٹ) شہزادوں میں سے جو ولیعہد ہوتا تھا وہ یا تو سب سے اہم صوبے کا گورنر بنایا جاتا تھا یا اُس صوبے

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۷۹-۱۸۰، [2] مقابلہ کرو ص ۲۵۵-۲۵۷،

کا جو سب سے آخر میں فتح ہوا ہو[1]،

بہرام دوم نے بعض برجستہ تصاویر یادگار چھوڑی ہیں جو مطالعۂ آثار قدیمہ کے نقطۂ نظر سے بہت دلچسپ ہیں، نقش رستم میں اردشیر کی تاجپوشی کی تصویر کے برابر بہرام نے اس سے ذرا چھوٹے پیمانے پر اپنی برجستہ تصویر بنوائی ہے جس میں وہ اپنے اہل و عیال کے درمیان استادہ دکھایا گیا ہے کیونکہ وہ اس بات کا بہت شائق تھا کہ وہ ہمیشہ ایک خاندان کے باپ کی حیثیت سے سامنے آئے، اس کے سکوں پر بھی اُس کی اور اس کی ملکہ کی یک رُخی تصویر بنی ہوئی ہے اور سامنے ایک چھوٹا شہزادہ ہے جس کا چہرہ ان دونو کی طرف ہے، بادشاہ کے سر پر تاج ہے جس پر وہی روایتی گیند لگی ہوئی ہے اور پہلوؤں پر عقاب کے دو پر بنے ہوئے ہیں، ملکہ اور شہزادے کی ٹوپیاں جانوروں کے سروں کی شکل کی ہیں (دیکھو تصویر)، نقش رستم کی تصویر میں[2] بادشاہ وسط میں ہے، اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال ساسانی فیشن میں آراستہ کیے ہوئے ہیں، سر پر تاج ہے جس میں پر لگے ہوئے ہیں اور دونو ہاتھ ایک لمبی اور پتلی تلوار کے قبضے پر ہیں، اس کے سامنے بائیں جانب تین آدمی جن کے خط و خال صاف طور پر نمایاں ہیں اپنے چہرے بادشاہ کی طرف کیے ہوئے ہیں، موسیو زارہ کا قیاس ہے کہ ان میں سے پہلا شخص شاہزادہ بہرام سگانشاہ ہے اور باقی دو جن کے سروں پر جانوروں کے سروں کی شکل کی ٹوپیاں ہیں وہی ملکہ اور چھوٹا شہزادہ ہیں جن

[1] ہرتسفلڈ: "پای کُلی" ص ۲۴ بعد، مضمون بہ عنوان "پہلوی کتبوں سے تاریخ ایران پر نئی روشنی" (جرنل کاما انسٹیٹیوٹ بمبئی، نمبر ۷، ص ۱۱۰-۱۱۱)، "کشانی ساسانی سکّے" (آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا، نمبر ۳۸)، [2] دیکھو اوپر تصویر نمبر ۲ کی دائیں جانب،



بہرام اوّل اہورا مزد سے عہدۂ شاہی کا نشان حاصل کر رہا ہے



بہرام دوم کی فتحیابی کی برجستہ تصویر (شاپور درہ فارس)

کی تصویر سکّوں پر ہے ، ان تینوں کے پیچھے ایک شخص ہے جو شکل سے بے ریش معلوم ہوتا ہے ، اس کے سر پر امراء کی سی اونچی ٹوپی ہے اور اپنا ہاتھ تعظیماً اٹھائے ہوئے ہے ، آخری شخص ایک آدمی ہے جس کے بالوں کی بناوٹ اور کھڑے ہونے کا انداز اور یہ بات کہ وہ اپنا ہاتھ اُٹھائے ہوئے نہیں ہے اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ شاہی خاندان کا آدمی ہے ، موسیو زارہ کا خیال ہے کہ اونچی ٹوپی والا موبدان موبد اور دوسرا بادشاہ کا چچا زسی ہے ، بادشاہ کے پیچھے تصویر کے دائیں جانب تین امراء اونچی اونچی ٹوپیاں پہنے کھڑے ہیں اور دہنے ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہیں[1]۔

شہر شاپور کی چٹان پر بہرام دوم نے اپنی فتح کی یادگار میں ایک تصویر کندہ کرائی ہے ، رالنسن اور دیولافوا کا خیال ہے کہ یہ تصویر اقوام ساکا پر فتح کی یادگار ہے ، برخلاف اس کے موسیو زارہ نے اُن آدمیوں کو دیکھ کر جو بادشاہ کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور جو لمبے لمبے جُبّے پہنے اور سروں پر رسّی (؟) کے ساتھ کپڑا باندھے ہوئے ہیں یہ رائے قائم کی ہے کہ وہ کسی عربی قبیلے کے نمائندے ہیں جس کو مطیع کیا گیا ہے ، بہرام جو اپنے پردار تاج کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے گھوڑے پر سوار ہے ، اس کے سر کے بالوں اور ڈاڑھی کی وہی روایتی وضع ہے ، تاج کے ساتھ جو شکن دار فیتے لگے ہوئے ہیں وہ سر کے پیچھے ہوا میں لہرا رہے ہیں ، ایک لمبا ترکش کمر بند میں لٹک رہا ہے اور حسب معمول ایک لمبوتری گیند

---

[1] دیولافوا ، ج ۵ ، تصویر نمبر ۱۴ ؛ زارہ - ہرتسفلٹ : "برجستہ حجاری" - تصویر نمبر ۵ اور ص ۷۱ بعد ، ویسمر (Vasmer) : "رسالہ تاریخ مسکوکات" - ج ۸ ، ص ۲۸۶ - ۲۸۸ ،

گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں کے آگے نظر آرہی ہے، بادشاہ کے سامنے ایک ایرانی سپہ سالار دونوں ہاتھ تلوار پر ٹیکے کھڑا ہے، اس کے سر کے بالوں کی وضع کہے دیتی ہے کہ وہ شاہی خاندان کا آدمی ہے، اس کے پیچھے مغلوب دشمنوں کے سردار ہیں، تصویر میں ایک گھوڑا اور دو اونٹوں کے سر بھی نظر آرہے ہیں[1]، (دیکھو تصویر)

نقش رستم کی وہ برجستہ تصویر جس کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں[2] (دیکھو تصویر) اور جس میں دو سواروں کی لڑائی دکھائی گئی ہے بعقیدۂ موسیو ہرٹسفلٹ[3] بہرام دوم سے متعلّق ہے، اسی طرح کا سین دو اور تصویروں میں کہ وہ بھی نقش رستم میں ہیں اور بہت خراب حالت میں ہیں دکھایا گیا ہے، غالباً وہ بھی بہرام دوم کے عہد کی بنی ہوئی ہیں[4]، ایک ساسانی بادشاہ اور ایک رومی کے درمیان گھوڑوں کے اوپر لڑائی کا سین عقیق سلیمانی کے ایک ٹکڑے پر منقوش ہے جو پیرس کے قومی کتب خانہ میں محفوظ ہے (دیکھو تصویر)، قرین قیاس ہے کہ وہ بادشاہ بہرام دوم ہے[5]،

---

[1] دیولافوا، ج ۵، تصویر نمبر ۲۱، زارہ۔ ہرٹسفلٹ: "برجستہ حجاری" تصویر ۴۲ اور ص ۲۱۷ ببعد، زارہ: "ایران قدیم کی صنّاعی"۔ تصویر ۷۹، شہر قدیم پسرگڈی کے قریب برم دِلک میں ایک چٹان پر دو برجستہ تصویریں کندہ ہیں جو بمرور زمان بہت ضائع ہوچکی ہیں، موسیو زارہ (برجستہ حجّاری، تصویر ۳۲ و ص ۱۸۷) کا خیال ہے کہ وہ بہرام اوّل یا بہرام دوم اور اس کی ملکہ کی رسم تاجپوشی کی تصویریں ہیں، [2] ص $\frac{۲۷۵}{۲۷۶}$، [3] "ایشیا کے دروازے پر" (جرمن) ص ۴۳ - ۴۴،

[4] زارہ۔ ہرٹسفلٹ، تصویر ۸ و ۵۱، نیز دیکھو زارہ: "ایران قدیم کی صنّاعی"۔ ص ۴۱،

[5] بابلون (Babelon): "فہرست اشیاے کندہ کاری در کتب خانۂ قومی پیرس"۔ نمبر ۳۶۰، زارہ: "ایران قدیم کی صنّاعی"۔ تصویر ۱۴۵،



سکۂ بہرام دوم



سکۂ نرسی



دو سواروں کی لڑائی

(عقیق سلیمانی کی ایک مہر)

سنہ ۲۹۳ء میں بہرام دوم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بہرام سوم تخت پر بیٹھا لیکن اس نے صرف چار مہینے سلطنت کی، اس نوجوان بادشاہ کے عہد میں نرسی نے جو اس کے باپ کا چچا اور شاپور اوّل کا بیٹا تھا بغاوت کی اور فتحمند ہوا، پای کُلی کے مشہور کتبے کا موضوع نرسی کی یہ فتحمندی ہے[1]، ممکن ہے کہ سنہ ۲۹۳ء کے بعد بہرام سوم نے مشرقی ایران میں کسی جگہ اپنی حکومت کو برقرار رکھا ہو[2]۔

نرسی نے نقشِ رستم کی چٹان پر ایک تصویر کندہ کرائی ہے جس میں اس کو خدا کی طرف سے منصب شاہی کا عطا ہونا دکھایا گیا ہے، تصویر کا یہ موضوع بہت معروف ہے: بادشاہ علامتِ سلطنت کو (جس سے مراد ایک حلقہ ہے جس میں فیتے لگے ہوئے ہیں) دیوتا کے ہاتھ سے لے رہا ہے لیکن اس تصویر میں بجائے دیوتا کے دیوی ہے اور موسیو زارہ کا خیال ہے کہ وہ اناہیتا ہے، بادشاہ نے وہی معمولی چست لباس پہن رکھا ہے، اس کا تاج جو اس کے بعض سکوں پر بھی دیکھنے میں آتا ہے ایک کوتاہ سی ٹوپی کی شکل کا ہے جس پر عمودی خطوط ہیں اور اس کے اوپر وہی کپڑے کی بڑی سی گیند ہے، سر کے گھونگروالے بال (جو بڑی بڑی لہریں مارتے ہوئے کندھوں پر پڑے ہیں)، نوکدار ڈاڑھی کا سرا ایک حلقے میں پرویا ہوا، گردن کے پیچھے فیتے ہوا میں اڑتے ہوئے، موتیوں کا ہار وغیرہ یہ تمام چیزیں اسی روایتی انداز میں بنائی گئی ہیں، دیوی نے ایک دیوار دار تاج پہن رکھا ہے جو اوپر

[1] دیکھو اوپر، ص ۵۹-۶۰، [2] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۴۱۶،

سے کھلا ہے اور اس کے سر کی چوٹی کے چھلے دار بال نظر آ رہے ہیں، اس قسم کا تاج ساسانیوں کی برجستہ تصاویر میں دیوی دیوتاؤں کے ساتھ مخصوص ہے، بالوں کی لٹیں گردن اور کندھوں پر لٹک رہی ہیں، اس کی قبا ایک تکمے کے ذریعے سے بندھی ہے جو فیتوں سے سجایا گیا ہے اور موتیوں کے ہار کے نیچے ہے، قبا کے اوپر ایک کمربند بھی بندھا ہوا ہے، بادشاہ اور دیوی کے درمیان ایک بچّے کی تصویر نظر آ رہی ہے جو بہت خراب ہو چکی ہے، غالباً وہ نرسی کا بیٹا ہے جو بعد میں ہرمزد دوم کے نام سے بادشاہ بنا، بادشاہ کے پیچھے کوئی بڑا رئیس کھڑا ہے جس کے سر پر گھوڑے کے سر کی شکل کی اونچی سی ٹوپی ہے اور اس پر ایک امتیازی علامت لگی ہے، اس نے حسب معمول اپنا ہاتھ تعظیم کے لیے اُٹھا رکھا ہے،[1] (دیکھو تصویر)

روم کے ساتھ جنگ میں نرسی کو کامیابی نصیب نہ ہوئی، اس نے تیرداد شاہِ آرمینیہ کو جو قیصر روم کے سایۂ عاطفت میں حکومت کر رہا تھا ملک سے نکال دیا، اس پر قیصر گیلیریوس[2] بذات خود فوج لے کر آیا اور نرسی کو شکست دی، اس کی ملکہ ارسان رومیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئی اور اس کو ارمنستانِ کوچک کے پانچ ضلعے روم کے حوالے کرنے پڑے، تیرداد کو دوبارہ آرمینیہ کا بادشاہ بنایا گیا اور آئیبیریا[3] (گرجستان) نے قیصر کے اقتدار کو تسلیم کیا،[4]

۲۹۸ء میں ایران و روم کے درمیان جو صلح ہوئی وہ چالیس سال تک قائم

---

[1] دیولافوا، ج ۵، تصویر ۱۶، زارہ۔ ہرتسفلٹ: تصویر ۹ اور ص ۸۴ بعد، زارہ: تصویر ۱۸،
[2] (Galerius) [3] (Iberia) [4] دیکھو یوسٹی در گرنڈرس (Grundriss)، ج ۲، ص ۵۲۰،



نرسی عہدۂ شاہی کا نشان حاصل کر رہا ہے

(نقش رستم کی برجستہ تصویر)



سکۂ ہرمزد دوم



سکۂ شاپور دوم

رہی، نرسی کے بیٹے ہرمزد دوم نے ۳۰۲ء سے ۳۰۹ء تک سلطنت کی، وہ ایک عادل اور رحمدل بادشاہ تھا، اس کے مرنے کے بعد ملک میں اندرونی فساد برپا ہوئے، ہرمزد کا ایک بیٹا آذر نرسی جو اس کی پہلی بیوی سے تھا بادشاہ بنایا گیا، لیکن چونکہ اُس نے امراء کو ناراض کر دیا اس لیے اُنھوں نے چند مہینوں کے بعد اُسے تخت سے اُتار دیا، اس کے ایک بھائی کو اندھا کر دیا گیا اور دوسرا بھائی ہرمزد قید ہو گیا، لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ قید سے بھاگ نکلا اور رومیوں کے پاس جا کر پناہ گزین ہوا، اس اثناء میں امرا نے ہرمزد دوم کے ایک اور بیٹے شہزادہ شاپور کو جو دوسری بیوی سے تھا اور ابھی بالکل بچہ ہی تھا بادشاہ بنایا،[۱]

شاپور دوم ستر سال حکمران رہا (۳۰۹ء - ۳۷۹ء)، اس کی نابالغی کے زمانے میں اس کی ماں امراء دولت کے ساتھ مل کر حکومت کرتی رہی، مشرقی مآخذ میں بہت سی حکایات اس کے متعلق لکھی گئی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ بچپن ہی میں وہ کس حیرت انگیز طور پر عملی تدابیر اور اصلاحات سوچا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ طیسفون کے شاہی محل میں سو رہا تھا کہ دفعتہً باہر سے شور سنائی دیا جس سے اس کی آنکھ کھُل گئی، سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دجلہ کے پُل پر آنے والے اور جانے والے لوگوں کی بھیڑ ہے اور راستہ بہت تنگ ہے، نوجوان بادشاہ نے اُسی وقت حکم دیا کہ اسی پل کے ساتھ ایک دوسرا پُل تعمیر کیا جائے کہ ایک آنے

[۱] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۵۱، ح ۳، ہرٹسفلٹ نے پرسی پولس کے ایک کتبے کی رو سے (جس کا پڑھنا بہت دشوار ہے) یہ فرض کیا ہے کہ اس شاپور کا ایک اور بڑا بھائی شاپور تھا جس کا لقب سگانشاہ تھا (پای کُلی، ص ۱۲۱ و ۵۰، "آثار قدیمۂ ایران"، ج ۴، ص ۲)،

والوں کے لئے ہو اور دوسرا جانے والوں کے لیے[1]،

شاپور دوم کے عہد سلطنت کے ابتدائی تیس سال کے واقعات ہم کو صحیح طور پر معلوم نہیں ہیں لیکن یہ بات کہ وہ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد کئی سال تک روم کے ساتھ جنگِ انتقام کو شروع نہ کرسکا، ہمیں یقین دلاتی ہے کہ وہ سلطنت کی اندرونی مشکلات کو زیر کرنے میں مصروف رہا ہوگا، ہم یہ فرض کرسکتے ہیں کہ اس کی ابتدائی کوششیں شہرداروں اور واسپہروں کے اقتدار کو توڑنے میں صرف ہوتی رہی ہونگی جو اس کی نابالغی کے زمانے میں بہت طاقتور ہو گئے تھے، عہد اشکانی کی روایات امرائے سلطنت کے رگ و پے میں ابھی تک زندہ تھیں یعنی یہ کہ جب کبھی کوئی کم ہمت بادشاہ حبِّ جاہ کے راستے پر ان کی باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا تھا تو ان کے غلبے کا اندیشہ اور ملوک الطوائفی کا خطرہ ہمیشہ درپیش ہوتا تھا، اندرونی مشکلات کے علاوہ اس نو عمر بادشاہ کو غالباً اسی زمانے میں عربوں کے خلاف اپنی سرحد کی حفاظت بھی کرنی پڑی، طبری اور دوسرے مشرقی مؤرخ عربی قبائل پر اس کی فتوحات کا ذکر کرتے ہیں اور خلیج فارس کے عربی ساحل پر علاقۂ بحرین کی فتح شاپور دوم ہی کے عہد کا واقع ہے[2]،

شاپور بڑے جاہ و جلال کا بادشاہ تھا اور اردشیر اوّل، شاپور اوّل اور بہرام دوم کی جانشینی کا اہل تھا، اہل ایران اس کو "ذوالاکتاف" کے لقب سے یاد کرتے ہیں کیونکہ از روئے روایت عربوں کے خلاف اپنی سخت لڑائیوں میں وہ جتنے بدوی قیدی گرفتار کرتا تھا ان کے کندھوں میں سوراخ کروا دیتا

---

[1] طبری، ص ۸۳۷، [2] روٹ شٹائن: "خاندانِ لخمی" (بزبان جرمن)، ص ۱۳۱،

تھا،[1]

بالآخر اپنی طاقت کو استوار کرنے کے بعد شاپور نے روم کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، سلطنت روم میں اُس وقت بہت اہم واقعات پیش آرہے تھے، قسطنطین اعظم[2] نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، آرمینیہ میں عیسائی مذہب کا داخلہ شاہ تیرداد اور اس کے جانشینوں کے ہاتھوں اسی زمانے میں عمل میں آیا جس کی وجہ سے روم اور آرمینیہ کے درمیان ایک گہرا ارتباط پیدا ہو گیا اور اگرچہ قیصر جولین "مرتد"[3] کی مخالفت کے باعث عیسائیت کے خلاف ایک عارضی ردِ عمل ظہور پذیر ہوا تاہم اس سے صورت حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی، بایں ہمہ آرمینیہ کے اعیان و امرا کی ایک جماعت تھی جو اپنی ذاتی اغراض کی خاطر ایرانیوں کی امداد کی خواہاں تھی، امراء کی باہمی مخالفتوں اور خانہ جنگیوں کی وجہ سے آرمینیہ کی حالت نہایت خستہ ہو رہی تھی، بادشاہوں کو قتل کیا جا رہا تھا اور

[1] عربی مؤرخ جن کے بیانات ساسانی مآخذ پر مبنی ہیں عموماً شاپور کا لقب "ذوالاکتاف" (کندھوں والا) لکھتے ہیں، نولدکہ کی رائے ہے کہ اصل میں وہ ایک اعزازی لقب تھا جس کے معنی "فراخ شانوں والا" یعنی وہ شخص جو سلطنت کے بھاری بوجھ کو اٹھا سکے۔ لیکن حمزہ اصفہانی اور دوسرے مصنف جو اس کے پیرو ہیں اسی لقب کو فارسی شکل میں ہوبہ شُنبا لکھتے ہیں جس کے معنے "کندھوں میں سوراخ کرنے والا" ہو نگے، نولدکہ کا عقیدہ ہے (ترجمہ طبری، ص ۵۲، ح ۱) کہ عربی لقب "ذوالاکتاف" کے جو معنی فرضی طور پر تصور کیے گئے تھے اُنھی کے مطابق فارسی میں اس کا ترجمہ کر دیا گیا، لیکن یہ بات کہ کندھے کا ترجمہ قدیم ایرانی لفظ ہوبہ سے کیا گیا ہے ہمیں یہ فرض کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ حمزہ اصفہانی نے اس لقب کی جو شکل دی ہے وہ قدیم پہلوی الفاظ کی نقل ہے اور یہ کہ اس کی روایتی تعبیر (یعنی کندھوں میں سوراخ کرنے والا) صحیح ہے، علاوہ اس کے ساسانیوں کی تاریخ میں تنہا یہی موقع نہیں ہے جبکہ یہ وحشیانہ سزا دی گئی، خسرو دوم ایک موقع پر جب نجومیوں پر خفا ہوا تو ان کو اس نے یہ دھمکی دی کہ میں تمہارے شانوں کی ہڈیاں نکلوا دونگا (دیکھو طبری، ص ۱۰۱۲)، [2] (Constantine the Great) اس کا عہد سلطنت ۳۲۳ء تا ۳۳۷ء تھا (مترجم)، [3] (Julian the Apostate)، عہد سلطنت ۳۶۱ء تا ۳۶۳ء (مترجم)،

سازشوں اور غدّاریوں کا بازار گرم تھا، ان حالات کی وجہ سے وہاں کے معاملات میں کبھی ایران اور کبھی روم کی مداخلت ہوتی رہتی تھی اور سرزمین آرمینیہ ایران و روم کی باہمی لڑائیوں کا میدان کارزار بنی ہوئی تھی،

اس مرتبہ بھی آرمینیہ کی خانہ جنگیوں سے شاپور کو لڑائی شروع کرنے کا بہانہ ملا، اُسے امید تھی کہ نرسی کی شکستوں کی وجہ سے جو علاقے ایران کے ہاتھ سے جاتے رہے تھے ان کو دوبارہ حاصل کرلیگا، اس نے چھوٹتے ہی آرمینیہ پر قبضہ کیا اور پھر میسوپوٹیمیا میں رومیوں سے جا بھڑا، قسطنطین ابھی حال ہی میں مرا تھا اور اس کے جانشین کانسٹنس دوم[۱] نے رومی فوج کی سپہ سالاری خود اپنے ذمّے لی تھی[۲]، نصیبین کے قلعے نے ایرانیوں کے پے در پے حملوں کی مدافعت کی اور رومیوں نے سنجار کے قریب ایک لڑائی میں فتح پائی لیکن اس فتح کے بعد اُن کو کئی شکستیں ہوئیں، اس کے بعد سرحدّ روم پر چند سال کے لیے جنگ کی چھیڑ چھاڑ رک گئی، شاپور نے اس وقفے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قبائل چینوئیت اور دوسری وحشی اقوام کے خلاف جو ملک کے شمال مشرقی علاقوں پر حملہ آور ہو رہے تھے فوج کشی کر کے ان کو پسپا کیا، بالآخر اُس نے قبائل چینوئیت اور سکستان کے قبائل ساکا کے ساتھ رشتۂ اتّحاد قائم کرلیا،[۳]

سنہ ۳۵۶ع میں رومی سردار موسونیانوس[۴] نے ایرانی مرزبان تہم شاپور

[۱] (Constance II) [۲] دیکھو پیٹرز (Peeters)، مضمون بعنوان "کانسٹنس دوم کی آرمینیہ میں سیاسی مداخلت درسال سنہ ۶۳۸ع" (رسالہ رائل اکیڈمی بلجیم، سلسلۂ پنجم، ج ۱۷، سنہ ۱۹۳۱ع)

[۳] مارکوارٹ: ایرانشہر ص ۳۶ و ۵۰، مؤرخ امّیان کے ہاں بجائے سکستان کے گیلان ہے، اس کی تصحیح مارکوارٹ نے کی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سکستان شاپور کی نابالغی کے زمانے میں آزاد ہوگیا تھا، [۴] (Musonianus)

سے صلح کی تحریک کی اور اس نے اس تحریک کی اطلاع بادشاہ کو دی جو اُس وقت مشرقی سرحد پر امن و امان قائم کر کے فارغ ہو چکا تھا، شاپور نے قیصر کانسٹنس کے پاس ایک قاصد بہت سے تحائف دے کر روانہ کیا اور ایک خط سفید کپڑے میں لپیٹ کر ساتھ دیا[۱] جس میں لکھا تھا کہ شاپور شاہِ شاہان قرینِ ستارگان، برادر مہر و ماہ اپنے بھائی قیصر کانسٹنس کو سلام بھیجتا ہے اور اس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ قیصر بالآخر تجربے کے بعد راہ راست پر آگیا ہے، اس کے (یعنی شاپور کے) آباؤ اجداد نے اپنی سلطنت کی وسعت کو دریائے سٹریمون[۲] اور مقدونیہ کی سرحد تک پہنچا دیا تھا اور وہ خود جو (بدون خودستائی) جاہ و جلال اور بے نظیر خوبیوں کے اعتبار سے تمام گذشتہ بادشاہوں پر فائق ہے اپنا فرض سمجھتا ہے کہ آرمینیہ اور میسوپوٹیمیا کے صوبوں کو جو اس کے دادا کے ہاتھ سے دھوکا دے کر چھین لیے گئے تھے واپس لے، "اگر تم گستاخانہ طور پر یہ رائے ظاہر کرو کہ جنگ میں کامیابی ہر حال میں قابل تعریف ہے خواہ وہ کامیابی شجاعت کا نتیجہ ہو یا مکر و فریب کا تو ہم تمہاری یہ رائے ہرگز قبول نہیں کرینگے"۔ جس طرح کہ طبیب بعض وقت جسم کے خاص اعضاء کو کاٹ ڈالنا یا جلا دینا مناسب سمجھتا ہے تاکہ کم از کم باقی اعضاء کام دے سکیں اسی طرح قیصر کو چاہئے کہ ایک چھوٹا سا علاقہ جو اس قدر تکلیف و خونریزی کا موجب ہے دے ڈالے تاکہ باقی سلطنت پر امن و آرام کے ساتھ حکومت

---

[۱] دیکھو تاریخ امیان مارسیلینوس (طبع ویلیسیوس (Valesius)) حواشی ص ۱۳۸،

[۲] (Strymon)؛ مشہور دریا ہے جو یونان میں صوبۂ مقدونیہ اور تھریس کے درمیان حد فاصل ہے، ترکوں کے زمانے میں اس کا نام قراصو تھا (مترجم)،

کر سکے، اگر ایرانی سفیر بغیر کسی نتیجے کے واپس آگئے تو شہنشاہ موسم سرما میں آرام کرنے کے بعد قیصر پر اپنی تمام فوجی طاقتوں کے ساتھ حملہ آور ہوگا،

اس خط کے جواب میں جو "کانسٹنس فاتح بحر و بر، صاحب شکوہ جاودانی" نے "اپنے بھائی شاہ شاپور" کے نام لکھا اس تقاضے کو قبول کرنے سے صاف انکار کیا اور ساتھ ہی شہنشاہ کو اس کی بے انداز اور روز افزوں حرص پر سخت ملامت کی، جواب میں لکھا تھا کہ اگر اہل روم کسی وقت مدافعت کرنے کو حملہ کرنے پر ترجیح دیں تو اس کو ان کی بزدلی پر محمول نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ وہ اُن کی میانہ روی کی دلیل ہے اور اگرچہ کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ اُنھوں نے لڑائی میں نیچا دیکھا ہے تاہم جنگ کا قطعی اور آخری فیصلہ کبھی ان کے نقصان پر نہیں ہوا،

یہ دونوں خط مؤرخ امیان نے اپنی تاریخ میں دیے ہیں[1] لیکن اُن کی عبارت میں اس کا اپنا انداز تحریر پایا جاتا ہے، قدیم مصنفین کی عادت کے مطابق امیان نے ان کے متن کو آزاد طور پر نقل کر دیا ہے، بایں ہمہ اُس نے خطوط کی اصلی عبارت کو دیکھا ضرور ہے اور اس بات کا پتہ ہم کو شاپور کے القاب سے چلتا ہے یعنی "شاپور، شاہِ شاہان، قرینِ ستارگان، برادرِ مہر و ماہ"۔ اگرچہ یہ القاب شاید اس نے پوری صحت و امانت کے ساتھ درج نہیں کیے ہیں تاہم وہ شاپور کے اُن رسمی القاب کے ساتھ جو حاجی آباد کے کتبے میں پائے جاتے ہیں خاصی مطابقت رکھتے ہیں، وہ یہ ہیں: "پرستندۂ مزدا، خداوند، شاپور، شاہانشاہِ ایران و اَن ایران از نژادِ خدایان"۔ اور وہ اُن القاب کے ساتھ

[1] کتاب ۱۷، فصل ۵، ص ۳-۱۴،

بھی مطابق ہیں جو اُس نے آرمینیہ کے حکّام کے نام سرکاری مکاتبات میں لکھوائے یعنی: "باشکوہ ترین (یا شجاع ترینِ) پرستندگانِ مزدا، خورشید مرتبت شاہ شاہان" یا: "باشکوہ ترینِ دلیران، شاہانشاہِ ایران و انِ ایران"[1]

شاپور نے جنگ میں سب سے پہلے قلعۂ آمدہ (آمد) پر حملہ کیا جس کو اب دیار بکر کہتے ہیں اور محصورین کی دلیرانہ مقاومت کے بعد اس کو فتح کیا، یہ واقعہ ۳۵۹ء کا ہے، دو برس بعد کانسٹنس کے مرنے پر جولین قیصر روم ہوا اور رومی فوجوں کو لے کر بذاتِ خود ایرانیوں پر حملہ آور ہوا، اس کے سپہ سالاروں میں سے ایک ایرانی شاہزادہ ہرمزد تھا جو شاہِ ایران کا بھائی تھا اور جلاوطن کر دیا گیا تھا، اس کو اب امید تھی کہ رومیوں کی مدد سے وہ تختِ ایران پر جاگزین ہو سکے گا، اس کے علاوہ قیصر کا ایک اور حلیف بھی تھا اور وہ شاہ آرمینیہ ارشک سوم تھا جس نے اپنے رشتہ دار شاہ گنیل کو مروا کر اس کی بیوہ فرندزم سے شادی کر لی تھی جو بڑی لگائی بجھائی کرنے والی عورت تھی، رومی فوجیں اور ان کے اتحادی طیسفون کی جانب بڑھے لیکن ایک طاقتور ایرانی لشکر نے جس کا سپہ سالار خاندان مہران سے تھا ان کا راستہ روک لیا، دونوں لشکروں میں کئی ایک لڑائیاں ہوئیں جن میں جولین مارا گیا، یہ واقعہ ۳۶۳ء کا ہے، اس کا جانشین جووین[2] رومی فوجوں کو سرحد پار لے گیا اور ایران کے ساتھ تیس سال کے عرصے کے لیے بلا عذر صلح کر لی جس کی رو سے ایرانیوں کو نصیبین اور سنجار اور ارمنستان کو چک

---

[1] پاتکانیان، مجلۂ آسیائی (J. A.) ۱۸۶۶ء، حصۂ اوّل ص ۱۱۶، [2] (Jovian)

کے وہ اضلاع جو متنازعہ فیہ تھے مل گئے ، اس کے علاوہ قیصر نے عہد کیا کہ وہ ارشک کی حمایت نہیں کریگا ، امرائے آرمینیہ کی ایک جماعت نے ارشک کے خلاف بغاوت کی جس کی وجہ سے وہ تخت سے اتارا گیا اور قید کرکے ایران بھیج دیا گیا ، وہاں جاکر اس نے خودکشی کرلی ، اس کی بیوی فرندزم ایک مدت تک قلعۂ ارتگرس میں محصور ہوکر مقابلہ کرتی رہی لیکن آخر وہ بھی گرفتار ہوکر ایران بھیج دی گئی اور وہاں اس کو قتل کیا گیا ، ممالک قفقاز مثل آئی بیریا[۱] و البانیا از روی معاہدہ روم کے تصرف سے نکال لیے گئے اور ایران کی سرپرستی میں دے دیے گئے ، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رومیوں نے باضابطہ طور پر اس شرط کو قبول کیا کہ پہلے کی طرح وہ "دروازہائے خزر[۲]" کی درستی و محافظت کے اخراجات میں شریک رہینگے ، یہ دروازے درۂ داریال میں واقع تھے اور وحشی قبائل کے حملوں سے قفقاز کے جنوبی علاقوں کی حفاظت کرتے تھے[۳]،

قیصر والنس[۴] نے دو مرتبہ اس بات کی کوشش کی کہ ارشک کے بیٹے شاہزادہ پپ کو روم کے زیر حمایت آرمینیہ کا بادشاہ بنائے ، پہلی مرتبہ شاپور نے جو اس وقت کوشانیوں[۵] کے ساتھ جنگ میں مشغول تھا پپ کو آرمینیہ سے نکال دیا لیکن دوسری مرتبہ ارمنی سپہ سالار موشل نے ایرانیوں کو شکست دی ، اس

---

[۱] (Iberia) [۲] (Caspian Gates) [۳] مارکوارٹ : ایرانشہر ص ۹۵-۱۰۳ ، داریال "درِ الان" کا مخفف ہے یعنی وہ دروازہ جو قبائل الان کو روکنے کے لیئے بنایا گیا تھا ، [۴] (Valens) [۵] غالباً باختر کے قبائل چیونیت سے مراد ہے جن کو مؤرخ فاؤسٹوس اسی جگہ پر کوشان کے نام سے موسوم کررہا ، (دیکھو مارکوارٹ : ایرانشہر ص ۵۰)

نے صوبۂ ارزنین[1] اور دوسرے صوبوں کو جو باغی ہو گئے تھے مطیع کیا[2]، رومی فوجوں کو اپنے ساتھ ملایا اور ارمنی جاثلیق نرسی کے ساتھ دوستی کا رشتہ قائم کیا، بقول مؤرخ فائوسٹوس بازنتینی اُس نے ایرانی قیدیوں کی کھالیں اُترو ائیں اور اُن میں بھوسہ بھروا کر ان کو پپ کے پاس بھجوایا، کچھ عرصہ بعد پپ نے نرسی کو جو اپنی جا و بیجا نصیحتوں سے اس کو دق کرتا رہتا تھا زہر دلوا دیا لیکن خود اس کے خلاف بھی بعض ارمنیوں نے سازش کر کے قیصر والنس کو اس سے بدظن کر دیا اور بالآخر وہ قیصر کی تحریک سے مارا گیا، اس کے بعد روم و ایران کے درمیان گفت و شنید کا سلسلہ شروع ہوا، ایران کا نمایندہ خاندان سورین کا ایک امیر تھا، والنس نے آرمینیہ کے تخت و تاج کے معاملے میں مداخلت کا حق دوبارہ شاہِ ایران کو دے دیا، باوجود اس کے رومیوں نے ارمنی شاہزادہ وَرَزدات کو بادشاہ بنایا لیکن چونکہ اس کا بھی روم کے ساتھ جھگڑا ہو گیا لہذا اس کو تخت سے اُتارا گیا، اس کے بعد

---

[1] آرمینیہ میں جھیل وان کے جنوب مغرب میں (مترجم) [2] شہر فرکین کی فصیل میں (جس کو میافارقین یا مارٹیروپولس بھی کہتے ہیں اور وہ شہر ٹیگرانوکرٹا کا جدید نام ہے جو صوبۂ ارزنین کا صدر مقام تھا) پتھر کی چند سلیں پائی گئی ہیں جن پر ایک یونانی کتبہ ہے، یہ سلیں اپنی جگہ سے اکھڑ چکی ہیں اور ان میں سے بعض ناپید بھی ہو چکی ہیں، موسیو لیمن ہاؤپٹ نے اس کتبے کو مرتب کرنے کی کوشش کی ہے (دیکھو مقام مذکور، ص ۱۰۴ ببعد)، وہ کسی ارمنی بادشاہ کے حکم سے کندہ کیا گیا ہے اور اس میں ایک بغاوت کے بعد شہر ٹیگرانوکرٹا کے دوبارہ فتح کیے جانے کا حال درج ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں یہی واقعات لکھے گئے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ کہ وہ کتبہ پپ کا لکھوایا ہوا ہے، فرکین سے کوئی ڈھائی گھنٹے کے راستے پر ایک چٹان ہے جس کے اوپر کُردی محلہ بوشات تعمیر کیا گیا ہے، اس چٹان پر موسیو لیمن ہاؤپٹ نے ایک برجستہ تصویر دریافت کی ہے جس میں ایک ساسانی بادشاہ کو گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے، اس کا چہرہ دہنی جانب کو مڑا ہوا ہے اور ایک شخص اس کے گھوڑے کی دُم کے پیچھے کھڑا ہے، مصنّف کے قیاس کے مطابق جس کی تائید مقامی روایت سے بھی ہوتی ہے یہ سوار شاپور دوم ہے اور یہ برجستہ تصویر اُس فتح کی یادگار ہے جو

پپ کے دو نابالغ بیٹوں کو تخت پر بٹھایا گیا اور مانوئیل مامیکونی برادر مُوشل (جس کو وَرَزدات نے قتل کرا دیا تھا) اُن کا نائب السّلطنت مقرّر کیا گیا، مانوئیل نے جو کہ ایرانیوں کا دوست تھا رومیوں کی ایک عنقریب آنے والی مداخلت کے خلاف شاہِ ایران سے مدد مانگی، شاپور نے موقع کو غنیمت جان کر سورین کے ماتحت آرمینیہ کی طرف فوج روانہ کی اور اس کو وہاں کا مرزبان مقرّر کیا[1] شاپور اس واقعہ کے فوراً بعد مر گیا،

اب ہم اُن نمایاں واقعات کو بیان کرتے ہیں جو شاپور دوم کی روم کے ساتھ چہل سالہ جنگ کے دوران میں رونما ہوئے، دنیائے قدیم کی ان دو بڑی طاقتوں کے درمیان اس کشمکش کے مناظر کو کسی صنّاع کے ہاتھوں نے ایران کی کسی چٹان پر کندہ نہیں کیا[2] لیکن رومی تاریخ میں اس جنگ کی ایک زندہ تصویر ہم تک پہنچی ہے جو ایک ایسے شخص کے قلم کا نتیجہ ہے جو بذاتِ خود اُس میں شریک تھا اور جس نے اس کے بعض اہم واقعات کو بچشم خود دیکھا، اس سے ہماری مراد مؤرّخ امّیان مارسیلینوس[3] ہے جو رومی سپاہ میں ایک فوجی افسر تھا اور یونانی الاصل تھا، وہ ایک دلیر اور

[1] روم و ایران کے ساتھ آرمینیہ کے سیاسی تعلقات کی تاریخ بالکل بے ترتیب ہے، ہم نے اس کو بیان کرنے میں بیشتر یُوسٹی (Justi) کی پیروی کی ہے (گرنڈرس (Grundriss) ج ۲، ص ۵۲۴ بعد) کیونکہ اس نے اس کو لکھنے میں تمام ارمنی، لاطینی اور بازنطینی مآخذ سے استفادہ کیا ہے، مقابلہ کرو مارکوارٹ کی کتاب موسوم بہ "تاریخ ایران پر تحقیقات" ج ۱، ص ۴۴ بعد)، [2] بوشات کی برجستہ تصویر جس کا اوپر حاشیے میں ذکر ہوا سرزمین آرمینیہ میں بنائی گئی تھی نہ کہ ایران میں، [3] دیکھو اوپر، ص ۳،

تربیت یافتہ سپاہی تھا، اگرچہ اس کے اندازِ بیان میں تصنّع پایا جاتا ہے تاہم وہ برتر بن پائے کا واقعہ نگار ہے، اُس نے جو کیفیت اُن لڑائیوں کی بیان کی ہے جن کا خاتمہ ۳۵۹ءمیں ایرانیوں کی فتح اور آمدہ کی تسخیر پر ہوا اس کی وضاحت ایسی ہے کہ جس کی نظیر نہیں مل سکتی،

آرمینیہ کے صوبۂ کورڈیے نے[1] میں ایک ایرانی حاکم تھا جس کا رومی نام جووینین[2] تھا، چونکہ وہ جوانی کے زمانے میں یرغمال کے طور پر شام میں رہا اس لیے اس کو رومی تہذیب سے دلبستگی ہو گئی اور یقیناً اسی زمانے میں اُس نے اپنا اصلی نام بدل کر رومی نام رکھا، بہر حال اس کو خفیہ طور پر روم کے ساتھ ہمدردی تھی، امّیان کو اس کے پاس ایک معتبر فوجی سردار کی معیت میں بدیں غرض بھیجا گیا کہ ایرانی لشکر کی نقل و حرکت کی اطلاع بہم پہونچائے، جووینین نے ایک رہبر کو جو تمام اطراف و جوانب سے واقف تھا اس کے ہمراہ کر دیا، تیسرے دن وہ پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھے اور جونہی کہ سورج نکلا دیدبانوں نے دیکھا کہ تمام گرد و نواح میں لاتعداد ایرانی لشکر پٹا پڑا ہے اور خود شاہِ ایران (شاپور) زرق برق لباس پہنے فوج کے آگے آگے ہے، اس کے بائیں جانب گرُمباٹیس شاہِ چینوئیٹ ہے جو ایک ادھیڑ عمر کا، پتلا، دبلا، لیکن عالی ہمّت شخص ہے اور اپنی بہت سی فتوحات کے باعث ممتاز ہے، شاپور کے دہنی طرف شاہِ البان ہے جو رتبے اور شہرت میں گرُمباٹیس کا ہم پلہ ہے، ان کے پیچھے بہت سے سربرآوردہ سردار ہیں اور آخر میں لشکر

[1] (Cordyene) (= کردستان، - مترجم) [2] (Jovinian)

کا انبوہ ہے جو آس پاس کی قوموں کے بہترین فوجی دستوں پر مشتمل ہے، سپاہِ ایران نے کشتیوں کے پُل پر سے دریائے زاب کو عبور کیا، یہ دیکھ کر امیان، جو وینین کے پاس واپس آیا اور کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد دوبارہ اُسی پہاڑی راستے کو طے کرتا ہوا رومی لشکر سے جا ملا، تب رومیوں نے جنگ کی تیاری شروع کی اور کھیتوں میں سب غلّہ جلا دیا، ایرانی تیزی کے ساتھ نصیبین کے سامنے سے گزر گئے اور جلے ہوئے کھیتوں کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے دامنِ کوہ کی سرسبز وادیوں میں بڑھتے چلے گئے، دوسری طرف رومی لشکر بھی بسرعتِ تمام کمازین کے پایہ تخت سیموسیٹا[1] کی طرف بڑھا تاکہ وہاں سے دریا (یعنی فرات) کو عبور کرے، رومی فوجوں کے دو دستوں کی بُزدلی اور غفلت کی بدولت دو ایرانی سپہ سالار یعنی تہم شاپور اور نخوذار[2] ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر آمدہ کے نزدیک پہنچنے میں کامیاب ہوئے اور شہر کے اردگرد ٹیلوں کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھے، اسی جگہ رومیوں اور ایرانیوں میں وہ لڑائی ہوئی جس کی کیفیت امیان نے بالفاظِ ذیل بیان کی ہے :۔

"ہم صبح سویرے طلوعِ فجر کی دھندلی روشنی میں سیموسیٹا کی طرف کوچ کر رہے تھے کہ دفعتًہ (جیسا کہ میں نے بیان کیا)، ہم کو ایک ٹیلے کی بلندی پر سے ہتھیاروں کی چمک دکھائی دی، اچانک شور مچ گیا کہ دشمن آن پہنچا اور مقررہ اشاروں کے ذریعے سے ہمیں خبردار کیا گیا کہ لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ، ہم فوراً رُک گئے اور صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے لیکن مشکل یہ آ پڑی

---

[1] (Samosata)

[2] دیکھو صفحہ ۱۶ ح ۲،

کہ لڑ نہیں سکتے اس لیے کہ دشمن کی فوج کیا پیادے اور کیا سوار ہم سے کہیں بہتر و برتر تھے اور لڑنے کی صورت میں ہمارے لیے موت یقینی تھی ، اور بھاگ نہیں سکتے اس لیے کہ دشمن نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور بھاگنے کی صورت میں وہ یقیناً ہمارا تعاقب کرتا ، بالآخر ہم نے اتنا تو سمجھ لیا کہ لڑے بغیر چارہ نہیں لیکن یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ لڑائی کی کیا صورت اختیار کی جائے ، ہم میں سے چند آدمی بے احتیاطی کے ساتھ آگے بڑھے اور مارے گئے ، اس کے بعد دونوں لشکر آمنے سامنے آئے"۔

"..... اسی طرح آدھ گھنٹہ گزر گیا ، تب ہماری فوجِ ساقہ کے آدمی جو ٹیلے کی چوٹی پر کھڑے تھے چلّائے کہ زرہ پوش سواروں کا ایک اور دستہ پیچھے سے نہایت تیزی کے ساتھ بڑھا چلا آرہا ہے ، جیسا کہ ہمیشہ ایسے خطرے کے موقعوں پر ہوا کرتا ہے کسی کو ہوش نہ تھا کہ کدھر جائے ، اتنے میں وہ لاتعداد لشکر ہم پر چڑھ آیا اور ہم میں جو بھاگڑ پڑی تو ہر شخص نے جدھر بچاؤ کا رستہ دیکھا ادھر کو بھاگ کھڑا ہوا ، ہر چند کہ ہر شخص نے اپنے آپ کو اس فوری خطرے سے بچانے کی کوشش کی تاہم دشمن کے ہراول کے ساتھ مٹھ بھیڑ سے بچنا نہ ہو سکا ، اب چونکہ ہم میں سے کسی کو جانبر ہونے کی توقع نہ تھی ہم جان توڑ کر لڑے اور دشمن ہمیں دھکیلتا ہوا دجلہ کے ڈھلوان کنارے تک لے گیا ، وہاں کچھ لوگ دریا میں گر گئے ، بعض جن کے پاؤں ہتھیاروں میں الجھ گئے پایاب پانی ہی میں ڈوب کر رہ گئے اور بعض جن کو دریا کی رو بہا لے گئی زیادہ گہرے پانی میں جا کر غرق ہوئے ، بعض ایسے بھی

تھے جو دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور جتنا جس سے ہو سکا مقابلہ کیا، بعضوں نے لشکر کے انبوہ سے خوفزدہ ہو کر راہِ فرار اختیار کی اور کوہ تورُوس[1] کی قریب ترین گھاٹیوں میں پناہ لینے کی کوشش کی"

"..... میں خود اپنے ساتھیوں سے جُدا ہو گیا اور اس سوچ ہی میں تھا کہ کیا کروں کہ اتنے میں قراولوں کا سردار وریتین[2] میرے پاس آیا، اس کی ران میں ایک تیر گڑا ہوا تھا، اس نے میری منت کی کہ میں اُسے اپنے ساتھ لے چلوں لیکن میں نے دیکھا کہ ایرانی مجھے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، پھر میں نے کوشش کی کہ جلدی سے شہر (یعنی آمدد) کی طرف بچ کر نکل جاؤں جو کہ بلندی پر اُسی سمت میں واقع تھا جس طرف سے کہ دشمن ہم پر حملہ آور ہوا تھا وہاں پہنچنے کے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ بھی نہایت تنگ اور پھر مزید یہ کہ اس کے عین وسط میں چڑھائی کے اوپر ایک چکی بنی ہوئی تھی جس سے وہ اور بھی تنگ ہو گیا تھا، نتیجہ یہ کہ بچ کر گزرنے کے سب راستے مسدود تھے، جس وقت ہم بلندی پر پہنچے تو عین اُسی وقت ایرانی بھی وہاں آن پہنچے اور اس قدر ہجوم ہوا کہ بھیڑ کی وجہ سے مُردوں کی لاشیں تک کھڑی رہیں اور اُن کو زمین پر گرنے کی جگہ نہیں ملی، سورج کے نکلنے تک ہم کو اسی حالت میں رُکے رہنا پڑا، میرے عین سامنے ایک سپاہی جس کا سر ایک بہت بڑی تلوار کی ضرب سے دو نیم ہو چکا تھا چاروں طرف کی دھکا پیل سے کھمبے کی طرح سیدھا بے حرکت کھڑا ہوا تھا، ہر قسم کے منجنیق جو دیواروں کے اوپر نصب کیے ہوئے تھے تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے لیکن ہم دیواروں کے اس قدر

قریب تھے کہ ہمیں ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا، بالآخر میں نے ایک چور دروازے سے نکل کر اپنی جان بچائی اور دیکھا کہ عورتوں اور مردوں کا ایک جمِّ غفیر ہے جو گردو نواح سے سمٹ کر وہاں آگیا ہے، بات یہ تھی کہ یہاں ہر سال انھی دنوں میں ایک میلا لگا کرتا تھا اور دیہات کے لوگ بکثرت اس میں جمع ہوتے تھے، یہ سب لوگ اسی میلے کی خاطر سے آئے تھے لیکن یہاں پہنچ کر جب اُنھوں نے کُشت و خون کا منظر دیکھا تو چیخنے اور فریاد کرنے لگے کچھ ان میں سے زخمی ہوئے کچھ مارے گئے، بعض اپنے مُردوں پر روتے تھے اور بعض اپنے گم شدہ ساتھیوں کو پکارتے تھے لیکن اُس افراتفری میں کسی کا پتا نہیں لگتا تھا[۱]"

اس اثنا میں خود شاپور ایرانی فوج کا بیشتر حصّہ ساتھ لیے آمِدہ کے سامنے آپہنچا، اُس کے بعد امیّان لکھتا ہے :-

"صبح ہوتے ہی ہم نے دیکھا کہ چاروں طرف جہاں تک نظر کام کرتی تھی میدانوں اور ٹیلوں پر لشکر ہی لشکر دکھائی دے رہا تھا اور سواروں کی جگمگاتی ہوئی زرہیں آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی تھیں، خود بادشاہ قد و قامت میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھا اور گھوڑے پر سوار لشکر کے آگے آگے آرہا تھا، اس کے سر پر تاج کی بجائے ایک مطلّا ٹوپی تھی جس کی شکل مینڈھے کے سر کی سی تھی اور اس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے، امرا جو کثیر تعداد میں اس کے ہمرکاب تھے اور خدم و حشم جو مختلف اقوام کے لوگوں پر مشتمل تھے اس کے رعب و جلال کو دوبالا کر رہے تھے، قیاس غالب یہ تھا کہ وہ مدافعینِ شہر کو اس بات کی

ترغیب دینے کی کوشش کریگا کہ برضا و رغبت اطاعت قبول کرلیں کیونکہ انٹونیوس کے مشورے سے اس کو کسی دوسری طرف دھاوا کرنے کی جلدی تھی، لیکن چونکہ خدا کو یہ منظور تھا کہ سلطنتِ روم کے حصّے کی ساری مصیبتیں ایک ذرا سی جگہ پر نازل ہوں شاہِ ایران کو اس بات کا پورا وثوق ہوگیا کہ بس جونہی کہ وہ سامنے آئیگا محصورین اس کے فرطِ رعب سے حواس باختہ ہوکر اُس سے رحم کی درخواست کرینگے، چنانچہ اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوکر وہ شہر کے دروازوں کی طرف بڑھا اور نہایت اطمینان کے ساتھ اس قدر قریب پہنچ گیا کہ اس کے چہرے کے خط و خال تک پہچانے جاسکتے تھے، لیکن اس کا قریب آنا تھا کہ اس کے زیور و جواہرات کو دیکھ کر تیراندازوں نے اس کو اپنے تیروں کا نشانہ بنانا شروع کیا، حسنِ اتفاق سے گرد و غبار کے ایک بادل نے اس کو تیراندازوں کی نظر سے اوجھل کردیا ورنہ اس کا کام تمام ہوجاتا، وہ بالکل صحیح سلامت بچ گیا صرف اس کا چغہ ایک تیر کے لگنے سے چاک ہوُا، خدا کی قدرت اس کی جان اس لیے بچی تاکہ وہ ہزاروں بندگانِ خدا کی ہلاکت کا موجب ہو! وہ اس طرح غضبناک ہوُا کہ گویا ہم سے کوئی بہت بڑی بے حرمتی کا گناہ سرزد ہوُا ہو، کہنے لگا کہ ان لوگوں نے میری توہین کرنے سے حقیقت میں ایک ایسے شخص کی توہین کی ہے جو بیشمار فرمانرواؤں اور قوموں کا آقا ہے، پھر اُس نے کمال سرگرمی کے ساتھ شہر کو برباد کرنے کی تیاریاں شروع کیں، لیکن فوج کے برگزیدہ سرداروں نے بہ منّت اس سے التجا کی کہ اپنی اصلی

اور مہتم بالشّان مہم کو نظر انداز مت کرو، باقی امیروں نے بھی اپنے خیر خواہانہ خیالات کا اظہار کر کے اس کو ٹھنڈا کیا، تب اس نے ارادہ کیا کہ اگلے دن محصورین کو حکم دے کہ اطاعت قبول کریں۔"

"لہٰذا اگلے دن صبح گرُمباٹیس شاہِ چینوئیت جس نے کمال وثوق کے ساتھ محصورین کو بادشاہ کا پیغام پہنچانے کا ذمّہ لیا تھا تو مند سواروں کا ایک دستہ ساتھ لے کر شہر پناہ کی طرف بڑھا، لیکن جونہی کہ وہ تیر کی زد میں آیا ایک بڑے ماہر تیر انداز نے منجنیق میں تیر جوڑ کر ایسا تاک کر نشانہ لگایا کہ اس کا بیٹا جو اس کے برابر گھوڑے پر سوار چلا جا رہا تھا اس سے زخمی ہوُا، تیر اس کی زرہ اور سینے کے پار ہو گیا، وہ ایک نہایت حسین جوان تھا اور قامت و رعنائی میں اپنے ہم عمروں پر فائق تھا، اس کے مرنے پر اس کے تمام ہموطن پراگندہ ہو گئے لیکن پھر یہ محسوس کر کے کہ اس کی لاش کا رومیوں کے ہاتھ لگنا ٹھیک نہیں وہ تھوڑے عرصے کے بعد پھر پلٹ آئے اور باآوازِ بلند لوگوں کی ایک جماعت کو ہتھیار اٹھانے پر اکسانے لگے، اس جماعت کی کمک سے ایک نہایت شدید لڑائی ہوئی اور ہر طرف سے تیر اولوں کی طرح برسنے لگے، قتل و خون کا سلسلہ شام تک جاری رہا، جب رات ہوئی تو بڑی زحمت و تکلیف کے بعد ظلمتِ شب کی حفاظت میں کشتوں کے ڈھیر اور خون کے سیلاب میں سے دشمن کو لاش نکالنے میں کامیابی ہوئی..."

"اس موت نے سارے شاہی خاندان کو سوگوار بنا دیا اور تمام امرا اس ناگہانی صدمے میں باپ کے ساتھ شریکِ غم ہوئے، تمام جنگی

کارروائیاں یک قلم موقوف کردی گئیں اور اس جوانمرگ کی قوم کے دستور کے مطابق عزاداری کی رسمیں ادا کی گئیں، مرنے والا نہ صرف اپنی عالی نسبی کی وجہ سے قابلِ احترام تھا بلکہ خود بھی بہت ہردلعزیز تھا، معمولی ہتھیاروں سمیت اس کو اُٹھا کر ایک بہت بڑے تخت پوش پر لٹایا گیا اور اس کے گرد دس چارپائیاں بچھائی گئیں جن پر مصنوعی مُردے رکھے گئے، ان مُردوں کے بُت ایسی کاریگری کے ساتھ بنائے گئے تھے کہ ہوبہو اصلی معلوم ہوتے تھے، مَردوں نے اپنے نوجوان شاہزادے کے ماتم کی رسمیں سات دن تک ادا کیں اور ٹولیاں بنا کر رقص کے ساتھ نوحہ خوانی کرتے رہے، عورتیں نہایت دردناک طریقے پر سینہ زنی کرتی رہیں اور جیسا کہ ان کا دستور ہے اس جوانمرگ پر بین کر کر کے روتی رہیں، قوم کی امیدیں اس سے وابستہ تھیں، افسوس کہ آغازِ شباب ہی میں اس کا رشتۂ زیست منقطع ہو گیا ....''

''جب لاش کو جلایا جا چکا اور اس کی ہڈیاں ایک چاندی کے کوزے میں رکھ دی گئیں تاکہ باپ کی خواہش کے مطابق اُن کو خاکِ وطن میں دفن کیا جائے[1] تو جنگ کی تجاویز سوچنے کے لیے ایک بڑی کونسل منعقد کی گئی جس میں طے پایا کہ جوان شہزادے کی روح کی تسکین کے لیے ایک بڑی بھاری قربانی دی جائے یعنی یہ کہ شہر کو جلا کر خاکستر کر دیا جائے کیونکہ گرُومباٹیس یہ چاہتا تھا کہ جب تک اس کے اکلوتے بیٹے کا بدلہ نہ لیا

[1] اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ چینوئیٹ زرتشتی نہ تھے کیونکہ لاش کا جلانا یا دفن کرنا زرتشتی تعلیم کے منافی ہے۔ (دیکھو اوپر صفحہ ۳۸-۳۹)۔

جائے اُس جگہ سے ہلا نہ جائے، سپاہیوں کو اجازت دی گئی کہ دو دن آرام کرلیں اور اس مدّت میں صرف وہی فوجیں روانہ کی گئیں جن کو زرخیز کھیتوں اور فصلوں کو برباد کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا کیونکہ امن کے زمانے کی سی کیفیت تھی اور ان کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ تھا، اس کے بعد سپرداروں کی پانچ صفوں نے آگے پیچھے کھڑے ہو کر شہر کو گھیر لیا، تیسرے دن صبح رسالے کے سوار جگمگاتی زرہیں پہنے جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی میدان میں پھیلے ہوئے نظر آتے تھے، صفیں آہستہ آہستہ اُس جگہ کی طرف بڑھنی شروع ہوئیں جو قرعہ اندازی کے ذریعے سے معیّن کی گئی تھی، ایرانیوں نے شہر پناہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، مشرق کی سمت جہاں ہماری بدبختی سے جوان شہزادہ مارا گیا تھا چینوعجبت کو سپرد کی گئی، جنوب کی جانب قبائل وِرت[1] جاگزین تھے، شمال کی طرف آلبان کا لشکر تھا اور مغرب کی طرف سگستانی[2] صف آرا تھے جو جنگی حمیّت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، ان کے ساتھ مہیب اور تناور ہاتھی تھے جن کی کھالوں پر جھرّیاں پڑی ہوئی تھیں، مسلّح سپاہی اُن پر سوار تھے اور وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے چلے آرہے تھے، میں نے بارہا یہ بات کہی ہے کہ اس سے زیادہ ہیبت ناک منظر تصوّر میں نہیں آسکتا...،،

جب یہ قواعد ختم ہو چکی تو شاہی لشکر شام تک بے حرکت پڑا رہا، اس

---

[1] قبائل وِرت کے متعلق مؤرخ لکھتے ہیں کہ ان کی اصلیت غیر معلوم ہے، (مترجم)
[2] یعنی اہلِ سگستان یا سیستان، (مترجم)

کے بعد جس ترتیب سے آگے بڑھے تھے اُسی ترتیب سے پیچھے ہٹ گئے، اگلے دن صبح ہونے سے ذرا پہلے بگل کی آواز کے ساتھ از سرِ نو شہر کا محاصرہ کیا گیا اور لڑائی شروع ہوگئی، محصورین نے نہایت سختی کے ساتھ مقابلہ کیا،

"بھاری بھاری پتھروں نے جو ہم منجنیقوں کے ذریعے سے پھینک رہے تھے بیشمار دشمنوں کے سر کچل ڈالے، بہت سے تیروں کا نشانہ بنے اور بہت سے بھالوں کے ذریعے سے مارے گئے، حالت یہ ہو رہی تھی کہ لاشوں کے ڈھیروں کی وجہ سے دشمن کو آگے بڑھنا دشوار ہو رہا تھا، جو زخمی ہوئے ان کی کوشش تھی کہ بھاگ کر اپنے ساتھیوں سے جا ملیں، شہر کے اندر بھی تباہی اور خونریزی کچھ کم نہ تھی، تیروں کے ایک بادل نے آسمان کو تاریک کر دیا، آلاتِ جنگ جو ایرانیوں کو سنگارا (سنجار) کی لوٹ میں ہاتھ لگے تھے یہاں کے محاصرے میں اُنھوں نے استعمال کیے اور اُن کے ذریعے سے بہت لوگوں کو مجروح کیا، جب لڑائی میں ذرا سا وقفہ ہوتا تو محصورین اپنی پراگندہ طاقتوں کو پھر جمع کرتے اور مقابلہ شروع کرتے لیکن اگر وہ اُس جوش کی حالت میں جس کا اظہار وہ اپنے شہر کو بچانے کے لیے کر رہے تھے زخمی ہوتے تو ان کا گرنا دوسروں کے لیے مہلک ہوتا اس لیے کہ اپنے خون میں غلطاں ہونے کے باعث وہ پاس والوں کو بھی نیچے گرا دیتے، اور اگر وہ تیر کھا کر زندہ رہتے تو چیختے اور چابک دست تیر اندازوں کو پکارتے کہ ہمارے جسم میں سے تیر نکالو، خونریزی کی یہ کیفیتیں دن بھر دیکھنے میں آتی رہیں، دونو طرف کے جانباز اس طرح جم کر لڑے کہ رات کی تاریکی بھی اُن کے جوش کو کم نہ کر سکی، گارد کے

سپاہی رات بھر مسلّح رہے، دونو طرف کے لشکریوں کے نعرے ٹیلوں اور پہاڑیوں میں گونجتے تھے، ہماری طرف کے سپاہی قیصر کانسٹنس فرمانروائے عالم کی بڑائی کے گیت گاتے تھے اور ایرانی اپنے شہنشاہ شاپور پیروز کے نام کا نعرہ لگاتے تھے۔"

دوسرے روز پھر دن بھر لڑائی ہوتی رہی، طرفین کے شدید نقصانات نے ان کو مجبور کیا کہ کچھ عرصہ جنگ میں توقّف کریں، شہر کے اندر لوگوں کی تعداد کثیر تھی کیونکہ علاوہ بیس ہزار باشندوں کے سات دستے رومی فوج کے تھے اور ایک بڑی تعداد مہاجرین کی تھی، مردوں کو دفن کرنا بھی ناممکن ہو رہا تھا اس پر مزید آفت یہ آئی کہ وبا پھیل گئی، اس اثنا میں ایرانیوں نے شہر کے گرداگرد اپنی حفاظت کے لیے مٹی سے بھرے ہوئے ٹوکروں کی دیوار بنائی اور حملہ کرنے کے لیے چبوترے تعمیر کیے اور ان پر اونچے اونچے برج بنائے جن کے سامنے کی طرف لوہا چڑھایا گیا، ہر ایک برج کی چوٹی پر ایک ایک منجنیق رکھا گیا جس سے مقصد یہ تھا کہ شہر پناہ کے محافظوں کا کام تمام کیا جائے، محصورین نے نہایت تہوّر کے ساتھ چند بار باہر نکل کر حملہ کیا، ایرانی گارد کے ستّر تیر اندازوں نے ایک رومی مفرور کی رہنمائی سے شہر پناہ کے جنوب کی جانب ایک برج پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے صبح کے وقت ایک ارغوانی رنگ کا جھنڈا ہلا کر ایرانی فوج کو اشارہ کیا کہ حملہ شروع کر دو، ایرانی سپاہی سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھ گئے، رومیوں نے اس اثنا میں اپنے منجنیقوں کا رُخ اس برج کی طرف کر کے لکڑی کے بہت بڑے بڑے تیر برسانے شروع کیے جن میں سے

بعض وقت ایک ایک تیر بیک وقت دو دو دو دشمنوں کو چھیدتا ہوا چلا جاتا تھا، جب برج دشمنوں سے خالی ہو گیا تو محصورین نے اپنی تمام طاقتوں کو دیوار پر مجتمع کیا اور ایسی جانبازی کے ساتھ لڑے کہ قبائل وزنت جو جنوبی سمت پر صف آرا تھے منتشر ہو گئے، اس عرصے میں اسی نواح کے چند مستحکم مقامات دشمن کے قبضے میں آ گئے جن کو اُس نے لوٹا اور جلایا اور ہزاروں آدمیوں کو پکڑ کر باہر نکالا جن میں عورتیں اور بوڑھے بھی شامل تھے، کمزوری کی وجہ سے جب وہ چل نہیں سکتے تھے تو ان کے پاؤں اور پنڈلیوں کی ہڈیاں توڑ کر ان کو راستے میں پڑا چھوڑ جاتے تھے، ان قیدیوں کی قطاریں دیکھ کر گال[۱] کے سپاہیوں کو سخت طیش آیا، وہ نہایت برہم ہو کر حملہ کرنے کے لیے نکلے اور ایرانی لشکر میں موت اور دہشت کا طوفان برپا کر دیا، بالآخر ایرانیوں نے محاصرے کا سامان مکمل کر کے نہایت تندی کے ساتھ شہر پر اپنا آخری حملہ کیا، پہلے دن کی لڑائی کا کوئی نتیجہ نہ ہوا، دوسرے دن از سر نو ایرانی اپنے ہاتھیوں کو لے کر آگے بڑھے، رومیوں نے محاصرے کے برجوں کو تباہ کر دیا اور پتھر پھینک پھینک کر ایرانیوں کے منجنیق توڑ ڈالے اور ہاتھیوں کو مشعلوں کے ذریعے سے ڈرا کر بھگا دیا یہاں سے ہم پھر اپنے مؤرخ کے بیان کو اُسی کے الفاظ میں لکھتے ہیں:-

"آخر کار آلاتِ محاصرہ کو جلا دیا گیا لیکن لڑائی میں پھر بھی وقفہ نہ ہوا، وجہ یہ ہوئی کہ شاہِ ایران جو اگرچہ بذاتِ خود لڑائی میں شرکت کرنے پر مجبور نہ تھا ان پے در پے آفتوں سے اس قدر غضبناک ہوا کہ اس نے وہ کام کیا جو آج تک کبھی نہ ہوا تھا یعنی یہ کہ وہ ایک معمولی سپاہی کی طرح لڑائی کے گھمسان

میں گھس گیا، لیکن چونکہ جدھر وہ جاتا تھا لوگوں کا ایک ہجوم اس کی حفاظت کے لیے اس کے گرد رہتا تھا اس لیے سب اُسے بآسانی پہچان سکتے تھے حتیّٰ کہ جو لوگ زیادہ فاصلے پر تھے وہ بھی اُسے شناخت کر رہے تھے، لہٰذا تیر اور بھالے بکثرت اس کی طرف پھینکے گئے، اس کے محافظین میں سے بہت سے مارے گئے لیکن وہ خود وہاں سے نکل کر پیچھے ہٹ آیا اور ایک صف سے دوسری صف تک دوڑتا پھرا، شام تک یہی ہوتا رہا، زخمیوں اور مُردوں کے ہیبت ناک منظر سے اُسے مطلق وحشت نہ تھی، تب اس نے سپاہیوں کو اجازت دی کہ تھوڑا سا آرام کر لیں"

"بارے رات نے آکر سلسلۂ جنگ کو منقطع کیا، لیکن صبح ابھی سورج بھی نکلنے نہ پایا تھا کہ شاہِ ایران نے جو غیظ و غضب سے بے قابو ہو رہا تھا انسانی ضروریات کا بھی خیال نہ کرتے ہوئے اپنی فوج کو ہمارے خلاف بھڑکانا شروع کیا تاکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو، آلاتِ محاصرہ جیسا کہ ہم نے ابھی کہا جل کر تباہ ہو چکے تھے، اور چونکہ ہم پر حملہ اُن چبوتروں پر سے کیا جا رہا تھا جو شہر پناہ سے قریب ترین تھے اس لیے ہمارے آدمیوں نے بھی دیوار کے اندر کی جانب جس قدر عمدگی اور مستعدی کے ساتھ ہو سکا چبوترے تعمیر کیے اور اس مشکل موقع پر ایسی سختی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ دونو طرف کا پلّہ برابر رہا"

"یہ خونریز لڑائی بہت عرصے تک بے نتیجہ رہی، کوئی شخص نہ تھا جس کے دل میں مدافعت کا جوش موت کے خوف سے ٹھنڈا پڑ گیا ہو، لڑائی اپنے

پورے زور پر تھی کہ ایک ناگزیر حادثے نے طرفین کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، ہمارا چبوترہ جس کو بنانے میں ہم نے بہت وقت صرف کیا تھا ایک دم سے اس طرح گرا کہ گویا زلزلہ آیا، اس کے گرنے سے وہ خالی جگہ جو دیوار اور باہر کی جانب دشمن کے چبوترے کے درمیان تھی بھر گئی اس طرح کہ جیسے گویا ایک راستہ بنا دیا گیا یا ایک پُل تعمیر کر دیا گیا، دشمن کو وہ راستہ ایسا ملا جس پر سے گزرنے میں اُسے کوئی چیز نہیں روک سکتی تھی، ہمارے سپاہیوں میں سے اکثر کچلے گئے اور جو باقی تھے وہ اس انہدام کی وجہ سے اس قدر شکستہ خاطر ہوئے کہ قوّتِ عمل ان سے سلب ہو گئی، با ایں ہمہ سب کے سب اس ناگہانی خطرے کو روکنے کے لیے دوڑے، لیکن اس شتاب زدگی نے کام بگاڑ دیا، ہر شخص دوسرے کو آگے بڑھنے سے مانع تھا، برخلاف اس کے دشمن کا حوصلہ اس کامیابی سے بڑھ گیا، بادشاہ کے حکم سے تمام فوجی طاقتیں آگے بڑھائی گئیں اور تلوار کی لڑائی ہونے لگی، قتلِ عام میں دونو طرف سے خون کا سیلاب بہ رہا تھا اور خندقیں لاشوں سے اٹ گئی تھیں، اس سے دشمن کی فوج کو اور بھی کشادہ راستہ مل گیا اور ان کے آدمی سارے شہر میں بھر گئے، مدافعت یا فرار کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا، مسلّح، نہتّے، عورتیں، مرد، بلا امتیاز جانوروں کی طرح سے قتل کیے گئے''۔

اس کے بعد مؤرّخ نے خاتمے میں اپنے جانبازانہ فرار کی تفصیلات بیان کی ہیں، اپنے دو ہموطنوں کے ساتھ وہ رات کی تاریکی میں چھُپ کر بھاگا، راستے میں اُنھیں ایرانی سپاہی ملے جو رومی سواروں کے ایک دستے کا تعاقب

کرنے کے لیے نکلے تھے لیکن خوش قسمتی سے وہ ان سے بچ نکلے اور پہاڑوں کو طے کرتے ہوئے بالآخر شہر میلیٹین[1] میں پہنچے جو آرمینیہ کوچک میں واقع ہے، وہاں سے چل کر وہ ایک رومی افسر کے ہمراہ انطاکیہ واپس آئے،[2]

—— : ——

ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں میں سے صرف شاپور دوم ہی ایسا بادشاہ ہے جس کے ذاتی خصائص ہم کو اپنے مآخذ میں واضح طور سے نظر آرہے ہیں، سلطنت روم کے خطرناک دشمن کی حیثیت سے امیان کو طبعاً اس سے نفرت تھی لیکن باوجود اس کے وہ اپنی تاریخ میں شاپور کی بارعب شخصیت اور ذاتی دلیری کی تعریف سے باز نہیں رہ سکا۔ قد و قامت میں وہ ہمیشہ اپنے گرد و پیش کے آدمیوں سے بقدر سرو گردن بلند نظر آتا تھا، بیزابدے (بیت زبدے)[3] اور آمدہ کے محاصروں میں وہ بالکل بیدھڑک ہو کر خندق کے قریب پہنچ گیا اور تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کی پروا نہ کرتے ہوئے قلعے کے چاروں طرف کا معائنہ کرتا رہا،[4]

ایرانیوں کے عیسائیوں کو اگر شاپور نے موردِ آزار بنایا تو وہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر تھا نہ کہ مذہبی تعصب کی وجہ سے، سریانی زبان میں سینٹ اوژین[5] کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ شاپور نے اس عیسائی راہب سے خود ملنا چاہا اور اس کا بڑا احترام کیا، بادشاہ کے دو بیٹوں میں سے ایک کو آسیب ہو گیا تو اوژین نے اس کا علاج کیا، یہ صحیح ہے

[1] (Melitene)، آمدہ سے تقریباً سو میل شمال مغرب کی طرف (مترجم)
[2] کتاب ۱۹، ص ۱-۸، [3] (Bezabde)، آرمینیہ کے جنوبی حصے میں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر (مترجم)، [4] امیان کتاب ۲۲، ۷، ۲،
[5] (St. Eugene)

کہ اوڈین کی سوانح عمری پایۂ اعتبار سے ساقط ہے لیکن سریانی زبان میں عیسائی اولیا کے تذکرے ہیں جن میں قدیم روایات کے آثار موجود ہیں اور جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ شاپور کے دل میں عیسائیوں کے بارے میں کوئی معاندانہ احساسات نہ تھے[۱]، بات یہ تھی کہ ایران کے عیسائی جن کے دلوں میں حکومت کے خلاف خفیہ عداوت تھی سلطنت کے لیے ایک مستقل خطرے کا باعث تھے خصوصاً جب سے کہ قیاصرۂ روم نے صلیب کو جہاد کی علامت قرار دیا، اس اندرونی دشمن کے خلاف شاپور نے بلا کسی لحاظ کے کارروائی کی، عیسائیوں پر تعدّی اس کے طویل عہد حکومت کے آخر تک جاری رہی[۲]،

شاپور کو اپنی قدرت اور عظمت کا بیحد احساس تھا، وہ نہایت زود رنج اور تند خو تھا، اگر اس کی شان میں کوئی گستاخی کر بیٹھتا یا اس کے منصوبوں میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی تو وہ غصّے سے بے قابو ہو جاتا تھا[۳]، ایک مرتبہ ایک عیسائی کو جس کا نام پُوسگ (یا پوسیگ) تھا اس کے حضور میں حاضر کیا گیا، اس نے کہا کہ میں اپنے ہم مذہبوں کے شہید ہونے پر رشک کرتا ہوں اور بادشاہ کی عظمت میری نظروں میں ہیچ ہے، شاپور نے غصّے سے للکار کر کہا کہ اس شخص کو دوسرے آدمیوں کی طرح مت قتل کرو، چونکہ اس نے میری جلالت شاہانہ کی تحقیر کی ہے اور میرے ساتھ برابری کے دعوے سے ہمکلام ہوا ہے اس کی زبان کو گدّی سے کھینچ کر نکال دو تا کہ دوسرے لوگ جو ابھی زندہ ہیں اس کو دیکھ کر میرے غضب سے ڈریں[۴]،

---

[۱] لابور، ص ۳۰۵، [۲] اتیان، کتاب ۱۹، ۱، ۶، کتاب ۲۷، ۱۲، ۱۱، اور ۱۸،
[۳] اتیان، کتاب ۱۹، ۱، ۶، کتاب ۲۷، ۱۲، ۱۱ اور ۱۸، [۴] لابور، ص ۶۸،

لیکن مؤرخ امّیان کے بیان میں بعض آثار اس بات کے بھی موجود ہیں کہ شاپور مروّت اور رحمدلی سے بے بہرہ نہ تھا، ایک موقع پر جب اس نے دو چھوٹے چھوٹے رومی قلعے فتح کیے تو قیدیوں میں چند عورتیں بھی گرفتار ہو کر اس کے سامنے آئیں۔ انھی عورتوں میں ایک رومی کونسلر مسمّی کروگاسیوس کی بیوی تھی جو نہایت حسین تھی، وہ خوف کے مارے کانپ رہی تھی کہ مبادا فاتحین کی طرف سے اس پر کسی طرح کی زیادتی ہو، بادشاہ نے اس کو حضور میں طلب کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ تمہارا شوہر تم سے جلد آن ملیگا اور کوئی شخص تمہاری توہین نہیں کریگا، امّیان لکھتا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاپور نے سُن رکھا تھا کہ کروگاسیوس کو اپنی بیوی سے بہت محبّت ہے اور اُسے امید تھی کہ نصیبین کو فتح کرنے میں اس سے کام لیگا، مؤرخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاپور ہمیشہ اُن عیسائی لڑکیوں کو جو کلیسا کی خدمت کے لیے وقف ہوتی تھیں اپنی حمایت میں لے لیا کرتا تھا اور حکم دیتا تھا کہ اُنھیں اپنے فرائض مذہبی کے ادا کرنے کی پوری آزادی دی جائے اور کوئی ان سے متعرّض نہ ہو، امّیان کا خیال ہے کہ اس کا یہ رحم و انصاف محض مکر و حیلہ تھا لیکن بظاہر ایسا نہیں ہے، بعد میں جب رومیوں کو کروگاسیوس کے متعلّق سوءظن ہُوا اور اسے اس بات کا خوف پیدا ہُوا کہ مبادا مجھ پر غدّاری کا الزام لگایا جائے اور ساتھ ہی بیوی کی محبّت نے بھی اپنی کشش دکھائی تو وہ بھاگ کر ایرانیوں سے جاملا، شاپور نے اس کی بیوی، اس کے تمام رشتہ دار اور اس کی ضبط شدہ جائداد سب کچھ واپس دلایا اور اس کو بہت بڑا عہدہ دیا،[1]

[1] امّیان، کتاب ۱۸، ۱۰؛ کتاب ۱۹، ۹،

روم کے ساتھ طویل لڑائیوں نے شاپور کو اس بات کا موقع دیا کہ اپنی سپہ سالاری کے جوہر دکھا سکے، اس کی فوج میں انضباط کامل تھا، دشمن کے شہروں کو فتح کر کے وہ معمولاً بے فائدہ قتل عام نہیں کراتا تھا، سنہ ۳۶۰ء میں جب سنگارا (سنجار) کے قلعہ پر ایرانیوں کا قبضہ ہوا اور ایرانی فوج وہاں داخل ہوئی تو بہت کم لوگ مارے گئے، شہر کے باشندے اور رومی فوج کے پسماندوں کو شاپور کے حکم سے گرفتار کیا گیا اور سلطنت کے دور دراز علاقوں میں بھیج دیا گیا[1]، ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ ساسانی بادشاہ رومی قیدیوں کے ساتھ ہمیشہ یہی سلوک کیا کرتے تھے، ان کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ صنعت و حرفت میں رومیوں کی مہارت سے فائدہ اٹھایا جائے،

شاپور نہایت ہوشیار تھا اور موقع و محل کے مطابق تواضع یا غرور کے ساتھ پیش آتا تھا[2]، ایک مرتبہ اس نے خوشامد اور چاپلوسی سے ارشک شاہ آرمینیہ کو ایک دعوت میں بلایا اور وہاں اسے گرفتار کرا کے جیل بھجوا دیا، بعد میں جب دو رومی مغرور یعنی سیلاسیس[3] اور ارتبان جن کے ہاتھوں میں شاپور نے آرمینیہ کی حکومت دے رکھی تھی دوبارہ رومیوں کے ساتھ مل گئے اور ان کی مدد سے انہوں نے ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ ارشک کا بیٹا پپ[4] آرمینیہ کا بادشاہ بن گیا تو شاپور نے مصلحتِ وقت سے یہی مناسب سمجھا کہ زور دکھانے کا موقع نہیں ہے، چنانچہ اس نے پپ کو دوستی کے عہد نامے کا لالچ دلا کر فریفتہ کیا اور دوستانہ لہجے میں

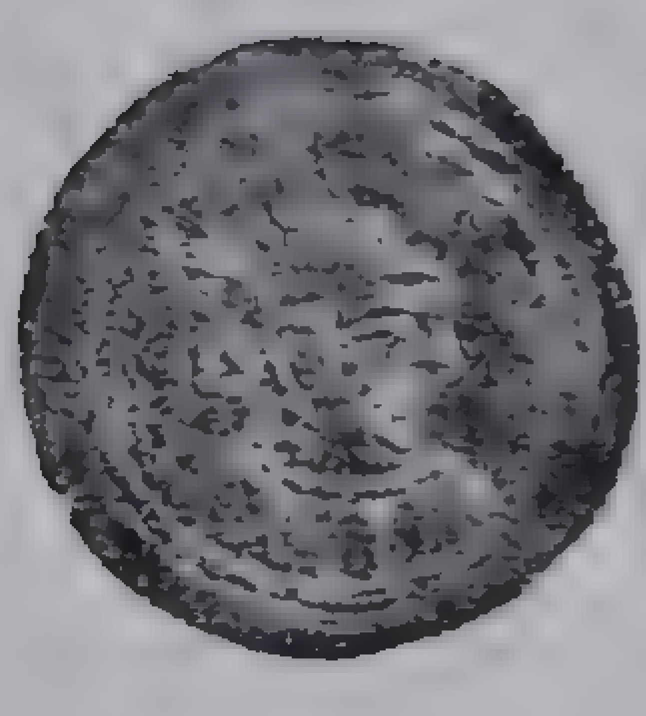
---

[1] امیان، کتاب ۲۰، ۶، ۷، [2] ایضاً، کتاب ۲۷، ۱۲، ۱۴،
[3] (Cylaces)
[4] امیان کے ہاں اس کا نام پارا ہے جس کو پاپا پڑھنا چاہیئے،



شاپور دوم شیروں کا شکار کر رہا ہے

(چاندی کا پیالہ)



سکۂ بہرام چہارم

اس کو ملامت کی کہ تم نے اپنے رتبے کی عظمت کا لحاظ نہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو سیلا سیس اور اردنبان کا غلام بنا رکھا ہے اور تمہارے حصّے میں سوائے ظاہری شان و شوکت کے اور کچھ بھی نہیں رہا، غرض ان باتوں سے اس نے پپ کو ایسی پٹّی پڑھائی کہ اس سست رائے بادشاہ نے اپنے ان دونو مشیروں کو قتل کرا دیا[۱]،

آخر میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ شاپور نے دنیا کے بڑے بڑے شہر بسانے والوں میں اپنا نام چھوڑا ہے، جب اس نے قدیم شہر شوش[۲] کو ایک بغاوت کی وجہ سے برباد کیا اور اس کے باشندوں کو قتل کیا[۳] تو اس نے اُس کو دوبارہ آباد کرایا اور اس کا نام ایرانشہر شاپور رکھا، اس سے تھوڑی دور شمال کی طرف اس نے ایک اور شہر بسایا جس کا نام اس نے ایران خورۂ شاپور رکھا، سریانی میں اس کو کرخائے لیدان لکھا ہے، شاپور کے زمانے کے ایک محل کے آثار وہاں اب بھی موجود ہیں جس کو ایوانِ کرخ کہتے ہیں[۴]،

شاپور دوم کے جانشین کمزور بادشاہ تھے، ان میں پہلا تو اس کا بھائی (؟) اردشیر دوم (سنہ ۳۷۹ء - سنہ ۳۸۳ء) تھا اور دو اس کے بیٹے تھے یعنی شاپور سوم (سنہ ۳۸۳ء - سنہ ۳۸۸ء) اور بہرام چہارم (سنہ ۳۸۸ء - سنہ ۳۹۹ء)[۵]، ان تینوں کے

---

[۱] امیان کتاب ۲۷، ۱۲، ۱۲، [۲] (Susa)، [۳] لابور، ص ۷۰، [۴] نولڈکہ: ترجمہ طبری، ص ۵۸، ح ۱، مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۱۴۵، زارہ - ہرتسفلٹ، "حجّاریِ برجستہ" ص ۱۳۰،
[۵] بقول شمٹ سنہ ۳۸۶ء - سنہ ۳۹۷ء، ("سیریا" سنہ ۱۹۳۶ء، ص ۲۲)، بہرام چہارم کا لقب کرمانشاہ تھا کیونکہ وہ اپنے باپ کے عہد میں کرمان کا گورنر رہا تھا، نولڈکہ کے قیاس کے مطابق (طبری، ص ۷۱، ح ۳) ایران کے مغرب میں شہر کرمانشاہ اب بھی اس بادشاہ کے لقب کو یاد دلاتا ہے،

عہد میں امرائے سلطنت نے اپنی طاقت جو وہ شاپور بزرگ کے زمانے میں کھو بیٹھے تھے دوبارہ حاصل کی، اردشیر دوم کو تو امراء نے تخت سے اُتار دیا اور باقی دو تو غیر طبعی موت مرے، بہرام چہارم کے عہد میں ایران اور روم نے آرمینیہ کو آپس میں تقسیم کرلیا، اس کا مشرقی حصّہ جو بہت وسیع تھا ایران کے تسلّط میں آیا اور مغربی حصّے کو روم نے اپنی حمایت میں لے لیا، مشرقی حصّے کی بادشاہت خسرو پسر وَرَزْدات کو دی گئی لیکن بہرام چہارم نے اس کو ۳۹۲ء میں معزول کرکے اس کے بھائی وُرَم شاپوہ [1] کو اس کی جگہ پر تخت نشین کیا، کچھ عرصہ بعد خسرو دوبارہ بادشاہ بن گیا اور ۱۴ہ عسے ۴۱۶ء تک حکومت کرتا رہا۔

ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے جو نرسی کے زمانے تک گزرے ہیں اپنی برجستہ تصاویر کو پرسی پولس کے آس پاس کی چٹانوں پر کندہ کرایا لیکن اردشیر دوم اور اس کے جانشینوں نے اپنے عہد کی یادگاروں کو منقوش کرانے کے لیے قدیم میڈیا میں ایک جگہ کو انتخاب کیا جو اُن کے پایہ تخت سے قریب تر تھی، اس سے ہماری مراد طاقِ بوستان سے ہے جو کرمانشاہ کے شمال مشرق کی طرف بہت تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہے، یہ جگہ عین اُس سڑک پر ہے جو بغداد سے ہمدان کو جاتی ہے، پرانے زمانے میں کاروانوں کا راستہ بھی تھا، نہایت قدیم زمانے سے بادشاہ اپنی یادگاریں اسی جگہ پر بنواتے رہے، موسیو ہرتسفلٹ نے اس کا نام "ایشیا کا دروازہ" رکھا ہے [2]، طاقِ بوستان میں اُس

---

[1] یہ بہرام شاپور کی ارمنی شکل ہے، [2] دیولافوا، ج ۵، ص ۹۵ بعد، مورگن: "ایران میں علمی مشن" ج ۴ ص ۳۰۳ بعد، ہرتسفلٹ: "ایشیا کے دروازے پر" ص ۵۷ بعد،



طاق بوستان



طاق بوستان۔ اردشیر دوم عہدۂ شاہی کا نشان حاصل کر رہا ہے

جگہ پر جہاں چٹان کی دیوار میں سے بڑے بڑے چشمے ابلتے ہیں قدیم زمانے میں یقیناً کوئی زیارتگاہ تھی جو مزدا پرستی کے عہد میں غالباً اناہتا کی پرستش کے لیے مخصوص تھی[1]، یہ چٹان جو سطح زمین کے ساتھ بالکل عمودی طور پر تراشی گئی ہے ایک تالاب کے عقب میں استادہ ہے (دیکھو تصویر) اور اس کے دامن میں جدید زمانے کا ایک محل بنا ہوا ہے جو تفریح گاہ کے طور پر بنایا گیا ہے، اس عمارت کے بالکل پاس بائیں طرف ایک تصویر چٹان میں سے تراش کر بنائی گئی ہے جس میں شاپور دوم کے عہدۂ شاہی قبول کرنے کا منظر دکھایا گیا ہے، بادشاہ کے دائیں طرف اہورمزد ہے جو اپنا چہرہ بادشاہ کی طرف موڑے ہوئے سر پر دیوار دار تاج پہنے ہوئے حلقۂ سلطنت کو جس میں فیتے آویزاں ہیں بادشاہ کی طرف بڑھا کر اسے دے رہا ہے، خدا اور بادشاہ دونو نے کرتے پہن رکھے ہیں جو ان کے گھٹنوں تک ہیں، بادشاہ کے کرتے کا کنارہ نیچے سے گول ہے، دونوں کی شلواروں میں ٹانگوں کے اندر کی طرف شکن پڑے ہوئے ہیں اور ان کی موہریاں تکسوؤں کے ذریعے سے ٹخنوں کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں، دونو نے پیٹیاں باندھ رکھی ہیں اور گلوبند اور کنگن پہنے ہوئے ہیں، بادشاہ کے پیچھے ایک اور مقدس ہستی ہے جس کا لباس تقریباً وہی ہے جو اہورمزد کا ہے لیکن اس کی امتیازی علامت یہ ہے کہ اس کے سر کے گرد شعاعوں کا ہالہ ہے اور ہاتھوں میں ٹہنیوں کا ایک مٹھا اٹھائے ہوئے ہے جو مراسم مذہبی میں استعمال ہوتا ہے اور جس کو برسم (اوستا = بَرَسمَن) کہتے ہیں، آج کل کے پارسیوں

---

[1] ہرتسفلٹ، مقام مذکور، ص ۵۸،

کا یہ خیال ہے کہ یہ زرتشت کی "صحیح" تصویر ہے لیکن حقیقت میں وہ متھرا دیوتا ہے کیونکہ اسی تصویر کو ہم ایک تو انٹیوکس شاہِ کماژین کے مقبرے میں دیکھتے ہیں اور دوسرے وہ شاہانِ "تُرُشک"[۱] کے زرتشتی سکّوں پر موجود ہے اور دونو جگہ کے کتبوں میں اس کا نام ونشان واضح طور پر بتلایا گیا ہے لہذا کوئی شک نہیں کہ وہ متھرا ہے، بادشاہ اور اہورمزد کے پاؤں کے نیچے ایک مغلوب دشمن زمین پر پڑا ہے، برخلاف اس کے متھرا ایک کنول کے پھول پر استادہ دکھایا گیا ہے۔[۲]

اس برجستہ تصویر کے بائیں طرف دو محرابیں ہیں جن میں سے پہلی جو چھوٹی ہے غالباً شاپور سوم کے زمانے میں تراشی گئی ہے کیونکہ اس میں اس کی اور اس کے باپ شاپور دوم کی برجستہ تصویریں موجود ہیں، وہ دو شخص جن کی تصویریں پیچھے کی دیوار میں محراب کے بالائی حصّے میں اس کی گولائی کے اندر کندہ کی ہوئی ہیں شاپور دوم اور شاپور سوم ہیں، ان کا نام ونشان اسی جگہ چند پہلوی کتبوں میں لکھا ہُوا موجود ہے جو اب بھی پڑھے جاتے ہیں، یہ تصویریں بظاہر شاپور سوم کے عہد میں کندہ کی گئی ہیں، دونو بادشاہوں کو سامنے سے دکھایا گیا ہے[۳] لیکن ان کے چہرے مُڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، شاپور دوم دائیں طرف کو دیکھ رہا ہے اور شاپور سوم بائیں طرف کو، دونوں کا لباس روایتی ہے یعنی وہی شکن دار شلوار وہی گلوبند وہی لہراتے ہوئے فیتے وہی چھلّے دار بال

[۱] شاہان ترشک ترکی الاصل تھے اور شاہانِ کوشان کے وارث وجانشین تھے، تیسری صدی عیسوی سے وادی کابل پر ان کا تسلّط قائم ہوا (مترجم)، [۲] ہرتسفلٹ: "ایشیا کے دروازے پر" تصویر ۲۹، ص ۵۹ ببعد، [۳] ایضاً، تصویر ۳۱ و ۳۲، ص ۶۶ ببعد،



طاق بوستان - شاپور دوم اور شاپور سوم کی برجستہ تصاویر

اور وہی نوکدار ڈاڑھی جس کا نچلا سرا ایک حلقے میں پرویا ہوا ہے، دونو نے اپنے ہاتھ اپنی لمبی اور باریک تلواروں پر رکھے ہوئے ہیں دایاں ہاتھ قبضے پر اور بایاں میان کے بالائی حصّے پر، شاپور دوم کے سر پر دیوار دار تاج ہے جس کے کنارے دندانہ دار ہیں اور اس کے اوپر کپڑے کی گیند لگی ہوئی ہے اور نیچے فیتے لٹک رہے ہیں، یہ تاج شاپور اوّل کے تاج کی نقل ہے صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں نچلے کنارے کے اوپر چھوٹی چھوٹی متّصل قوسوں کا ایک سلسلہ چلا گیا ہے، شاپور سوم کے تاج کی جزئیّات پتھر کی شکست و ریخت کی وجہ سے واضح طور پر نمایاں نہیں ہیں، ان دونو کی ہیئت سے ہمیں اُن "شمشیر برداروں" کی تصویریں یاد آتی ہیں جو چینی ترکستان کے غاروں میں بنی ہوئی ہیں، ساتھ ہی ہمیں اس سے صلیبی مجاہدین اور یورپ میں قرونِ وسطیٰ کے شہسوار اور بشپ بھی یاد آتے ہیں جن کی تصویریں ہم آج دیکھتے ہیں۔[1]

---

[1] ہرتسفلٹ: "ایشیا کے دروازے پر" ص ۶۸،

باب ششم

ایران کے عیسائی

علماء دین زرتشتی اور امراء کی روز افزوں طاقت ۔ کلیسائے زرتشتی کا اوج۔ ایران میں یہودیوں اور عیسائیوں کی حالت ۔ شاپور دوم کے عہد میں عیسائیوں پر جور و تعدّی ۔ یزدگرد اوّل اور بہرام پنجم کا عہد سلطنت ۔ وزرگ فرماذار مہرنرسی اور اس کا خاندان ۔ عیسائیوں پر نئے مظالم ۔ یزدگرد دوم ۔ آرمینیہ کے معاملات ۔ شہدائے سریانی و ایرانی ۔ یعقوبیوں[1] اور نسطوریوں کے منافشات۔ شاہ پیروز و شاہ بلاش ۔ ہپتالیوں کا حملہ ۔ نسطوری مذہب کا غلبہ ۔ سلطنتِ ایران کا نظامِ عدالت ۔ وقائعِ شہداء کا خلاصہ ،

دولتِ ساسانی کا محکمانہ طمطراق کوئی نئی چیز نہ تھی ، حکومت کے محکمے اور عہدہ داروں کے القاب سب وہی تھے جو پارتھیوں کے وقت سے چلے آتے تھے ، اشکانیوں کے زمانے ہی میں امرائے جاگیردار نے امرائے دربار کی حیثیت بھی حاصل کرلی تھی لیکن خاندانِ ساسانی کے ابتدائی بادشاہوں نے اس محکمانہ

[1] (Monophysites) جن کو ان کے بانی جیکب (Jacob) کے نام پر یعقوبی بھی کہا جاتا ہے ، (مترجم)

اقتدار کو جیسا مضبوط اور پائدار بنایا ویسا وہ آج تک نہیں ہُوا تھا، علاوہ اس کے اُنھوں نے صوبجاتی حکومتوں اور مرکزی حکومت کے درمیان ایک محکم رشتہ قائم کیا، اشکانیوں کے عہد میں ابتری یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ سلطنتِ پارتھیا چھوٹی چھوٹی باجگزار اور نیم آزاد ریاستوں کا ایک مجموعہ بن کر رہ گئی تھی جو ایک مرکزی حکومت کے گرد جمع تھیں، لیکن اس مرکزی حکومت میں بھی بڑے بڑے پارتھی خاندان شہنشاہ کے اقتدار کو سلب کرنا چاہتے تھے، اردشیر اوّل نے شروع ہی سے نظامِ حکومت میں ایسی مضبوط مرکزیت قائم کی جو ساسانی سلطنت کی عظمت کا باعث ہوئی، اس وقت سے صوبوں کے گورنر کاملاً شہنشاہ کے وابستۂ فرمان بنا دیے گئے، اس کے علاوہ انتظامی معاملات میں اضلاع کی تقسیم صوبوں کی گورنمنٹ کے ساتھ (جو بیشتر فوجی نوعیت کی ہوتی تھی) مربوط نہ تھی، اس سے اس بات کا انسداد مدّنظر تھا کہ جاگیرداری کی روایات حکومت کی طرف منتقل نہ ہو جائیں یعنی یہ کہ گورنریاں بھی جاگیروں کی طرح موروثی ریاستیں نہ بن جائیں، صوبوں کی سِوِل حکومت کمتر درجے کے امرا یعنی دہقانوں کے ہاتھ میں تھی جو ہمیشہ بادشاہ کے وفادار تھے، جاسُوسی کا قدیم انتظام بھی نہایت مؤثّر طریقے پر جاری تھا، ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کی قدرت میں نیا زور پیدا ہوا جس کا اظہار ہم اس بات میں دیکھتے ہیں کہ خاندانِ ساسانی کے پہلے دو بادشاہوں نے اپنے جانشین خود نامزد کیے ہے[1]

[1] طبری، ص ۸۲۵، ۸۳۱، یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ طبری نے صرف اردشیر اوّل، شاپور اوّل، شاپور دوم، کواذ اور خسرو اوّل کے متعلق محض اتفاقی طور پر لکھ دیا ہے کہ اُنھوں نے اپنے جانشین

لیکن منصبداری کا نظام بدستور جاری رہا، بڑے بڑے واسپہر اپنی اپنی رعایا میں سے فوج بھرتی کر کے اپنے ماتحت میدانِ جنگ کو لیجاتے تھے لیکن کسانوں کے ان لشکروں میں کوئی نظم و نسق نہیں ہوتا تھا اور نہ وہ اچھے سپاہی ہوتے تھے، ان کے مقابلے پر بھاڑے کی فوج بہتر خدمات انجام دیتی تھی، ایرانی فوج کا عمدہ ترین حصہ زرہ پوش سواروں کا دستہ تھا جس میں صرف نجیب خاندانوں کے افراد بھرتی کیے جاتے تھے، بظاہر ان سواروں میں سے اکثر واسپہروں کے ماتحت نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ خود چھوٹی چھوٹی جاگیروں اور گڑھیوں کے مالک ہوتے تھے اور مستقیماً بادشاہ کے ماتحت تھے، غالباً پارتھیوں کے زمانے میں واسپہروں کی جاگیریں جغرافیائی لحاظ سے یکجا واقع تھیں لیکن اب حالت مختلف تھی یعنی یہ کہ ان کی جاگیریں سلطنت کے ہر کونے میں بکھری ہوئی تھیں، اس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ منصبداروں کو اب وہ غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا جو انھیں پہلے نصیب تھا،

لیکن امرائے جاگیردار (جیسا کہ اشکانیوں کے عہد میں تھا) ساتھ ہی ساتھ امرائے دربار بھی تھے، بعض بڑے بڑے عہدے سات برترین خاندانوں میں موروثی تھے لیکن جوں جوں محکمانہ اقتدار جاگیرداری پر غالب آتا گیا توں توں امرائے جاگیردار مرکزی حکومت کے اونچے عہدے غیر موروثی طور پر حاصل کرنے کا دستور جاری کراتے گئے، اس طریقے سے انھوں نے اپنی طاقت کو محفوظ رکھا ورنہ وہ حکومت کے انقلاب کی وجہ سے ان کے ہاتھوں سے بالکل سلب ہو جاتی،

شاپور دوم کے جانشین اپنی شخصیت میں کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے لہذا اس کی وفات کے وقت سے ایک دور شروع ہوتا ہے جس کی مدت تقریباً ایک سو پچیس برس تھی جس میں امرائے سلطنت اور بادشاہ کے درمیان غلبے کے لیے کشمکش جاری رہی، اونچے درجے کے امراء نے علماء مذہب کے ساتھ اتحاد کرلیا اور اس طریقے سے وہ از سر نو بادشاہ کی طاقت کے لیے خطرے کا باعث بن گئے،

تاریخی ماخذ جو ہمارے پیش نظر ہیں ہمیں بالتفصیل اُس شدید جد و جہد کا حال نہیں بتلاتے جو مُغوں کی طاقت اور بادشاہ کے اقتدار کے درمیان جاری تھی، ہر ممکن ذریعے سے اطلاعات جمع کرنے کے بعد ہمیں اُن حالات کا اندازہ ہوتا ہے جن کے ماتحت مغوں نے امرائے جاگیردار کے ساتھ تعاون کرکے اپنی طاقت کو اوجِ کمال پر پہنچایا، ان اطلاعات کی ناکافی روشنی میں ہم غیر واضح طور پر ایک کشمکش کو دیکھ رہے ہیں جو بادشاہی اور ریاستِ کلیسا کے باہمی رابطے کے بارے میں دو مختلف عقیدوں میں جاری ہے، اپنے کتبوں میں شاہانِ ساسانی ہمیشہ اپنے آپ کو "پرستندگانِ مزداہ" (مَزْدَیَسْن) کہتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اپنے نام کے ساتھ خدا کے القاب بھی لگاتے ہیں اور اپنے آپ کو شخصِ ربّانی (بغ) اور خداؤں (یزدان) کی نسل سے بتلاتے ہیں[1]،

شاپور دوم نے اپنے خط میں جو اس نے قیصر کانسٹنس کے نام لکھا تھا اور جس

[1] لفظ بغ قدیم فارسی میں اسم ہے جس کا اطلاق ربّانی ہستیوں پر ہوتا ہے، یزدان مخصوص طور سے زرتشتی لقب ہے، شہنشاہ کے القاب میں ان دو اصطلاحوں کے درمیان تمیز کی گئی ہے اور یہ بات خاص معنی رکھتی ہے،

کا اوپر ذکر آچکا ہے[۱] اپنے نام کے ساتھ "شہنشاہ، قرینِ ستارگان، برادر مہر و ماہ" کے شاندار القاب لگائے ہیں، اس کے مقابلے پر خسرو اوّل (انوشیروان) نے قیصر جسٹینین کے نام خط لکھنے میں اپنے نام کی تعظیم مفصّلہ ذیل القاب کے ساتھ کی ہے:

"وجودِ ربّانی، نیکوکار، ملک کو امن دینے والا، واجب الاحترام، خسروِ شہنشاہ، ارجمند، پارسا، فیض رساں، جس کو خداؤں نے بہت بڑی سعادت اور سلطنت سے بہرہ مند کیا ہے، زبردستوں کا زبردست، خداؤں کا ہمشکل"

خسرو دوم (پرویز) نے اپنے القاب کو یہاں تک بلند کیا کہ صفاتِ ذیل کے ساتھ اپنے آپ کو متّصف کر رہا ہے:-

"خداؤں میں انسانِ غیر فانی اور انسانوں میں خدائے لاثانی، اس کے نام کا بول بالا، آفتاب کے ساتھ طلوع کرنے والا، شب کی آنکھوں کا اجالا[۲]"

ایسے شاندار القاب کے ہوتے ہوئے یہ بات بیشک لازمی تھی کہ بادشاہ تمام جسمانی عیوب سے معرّا ہو، یہی وجہ ہے کہ بادشاہ اکثر اوقات اپنے خاندان کے ایسے افراد کو جن سے ان کو اندیشہ ہوتا تھا اندھا یا اپاہج کر دیتے تھے تاکہ وہ تخت پر بیٹھنے کے قابل نہ رہیں، بادشاہ کے لیے یہ بات شائستہ نہ تھی کہ وہ زراعت یا تجارت کے ذریعے سے روپیہ کمائے، اپنی تخت نشینی

---

[۱] دیکھو ص ۳۰۵-۳۰۶، [۲] تھیوفی لیکٹس، ج ۴، ص ۸،

کے وقت اسے عہد کرنا پڑتا تھا کہ وہ عدل کے ساتھ حکومت کریگا کوئی زمین زراعت کے لیے اپنے پاس نہیں رکھیگا کسی قسم کی تجارت نہیں کریگا[1] اور کسی غلام کو خدمت کے لیے نہیں رکھیگا کیونکہ "غلام کبھی اس کو مفید اور کارآمد نصیحت نہیں کرسکیگا"۔ صرف سلطنت کی آمدنی تھی جس سے بادشاہ اپنے لیے دولت و ثروت حاصل کرسکتا تھا[2]،

بادشاہ چونکہ آسمانی خداؤں کی نسل سے تسلیم کیا جاتا تھا لہذا اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مذہبی جماعت کی پیشوائی بھی اس کی ذات کے ساتھ وابستہ رہے، افسانۂ اردشیر میں لکھا ہے کہ پابگ نے خواب میں دیکھا کہ تین مقدّس آگیں (یعنی اہلِ جنگ کی آگ، علمائے دین کی آگ اور اہلِ زراعت کی آگ[3]) ساسان کے گھر میں جمع ہوئیں جو اس افسانے کی رو سے آگے چل کر پابگ کا داماد اور اردشیر کا باپ بنا، شاہنامۂ فردوسی میں جو لوگ بادشاہ سے خطاب کرتے ہیں اکثر اس کو "موبد" کہہ کر پکارتے ہیں، یہ اطلاع فردوسی کے ہاں غالباً کسی پہلوی مأخذ سے آئی ہے، اس میں بلاشبہ وہی ابتدائی نظریہ ہے جس کی تائید خسرو اوّل کے زمانے سے دوبارہ بڑے زور شور سے ہونے لگی (یعنی یہ کہ بادشاہ دین اور ملک کی پیشوائی کا جامع ہے)،

دوسری طرف کتاب دین کرد میں جو عہد ساسانی کے بعد کی پہلوی تصنیف ہے

---

[1] ابن خلدون جس نے ہمیں یہ اطلاع دی ہے اس کی توجیہہ یوں کرتا ہے کہ اگر بادشاہ زراعت کو اختیار کریگا تو پاس کے زمینداروں کو اس سے ضرر پہنچیگا اور اگر وہ تجارت کریگا تو اشیا کا نرخ بہت بڑھیگا، لیکن اس توجیہہ میں بیشتر ایک مصلحت کا سوال ہے، [2] ابن خلدون، مقدمہ طبع فرانس (Notices et Extraits ج ۱۷ ص ۸۶، ج ۲۰ ص ۹۸، [3] دیکھو اوپر، ص ۲۱۶،

ہمیں بادشاہ کے فرائض اور حقوق بتلائے گئے ہیں، یہ بیان ایک طرح سے اُس نظریے کا خلاصہ ہے جو بادشاہ کے اختیارات کے متعلق ساسانی زمانے کے علمائے دین نے قائم کیا تھا اور اگرچہ خسرو اوّل و دوم کے عہد کے سیاسی انقلاب کی وجہ سے اُس میں کسی قدر ترمیم ہو چکی تھی تاہم وہ اپنی نوعیت میں علمائے مذہب کا نظریہ ہے، کتاب دین کرد کے بیان کے مطابق[1] ایک بادشاہ کے اوصاف اور فرائض حسب ذیل ہیں:-

(۱) وہ فرائض جو دینِ بہ (مذہب زرتشت) سے متعلق ہیں، (۲) عقلِ سلیم، (۳) اخلاقِ حمیدہ، (۴) قدرتِ عفو، (۵) رعایا کی محبّت، (۶) رعایا کو آسائش بہم پہنچانے کے وسائل کا جاننا، (۷) خوشی، (۸) ہمیشہ اس بات کو یاد رکھنا کہ سلطنت ناپائدار ہے، (۹) نیک منش لوگوں کی تعظیم، (۱۰) بدمنش لوگوں کا استیصال، (۱۱) رؤسائے سلطنت کے ساتھ حسنِ سلوک، (۱۲) انصاف کے ساتھ احکام جاری کرنا، (۱۳) دربار عام کی رسم پر کاربند ہونا، (۱۴) سخاوت، (۱۵) حرص کو مغلوب کرنا، (۱۶) لوگوں کو خوف سے بچانا، (۱۷) نیکوں کو دربار اور سرکار کے عہدے دے کر ماجور کرنا، (۱۸) عمّالِ سلطنت کے مقرر کرنے میں احتیاط سے کام لینا، (۱۹) ہوشمندی کے ساتھ خدا کی عبادت کرنا،

[1] طبع پشوتن سنجانا، ص ۱۵۳ ببعد، ترجمہ ص ۱۸۰ ببعد،

مجوّزہ اوصاف و فرائض کا یہ مجموعہ علمائے پارسی کے دوسرے اخلاقی بیانات کی طرح ضابطہ سے عاری ہے لیکن اس پر ایک نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ علمائے مذہب کے نزدیک عہدۂ شاہی کا کیا تصوّر تھا اور یہ کہ انھوں نے اپنے نظریہ میں سلطنت کی مذہبی خاصیّت پر کس قدر زور دیا ہے، یہ مذہبی خاصیّت کتاب دین کرد میں ہر جگہ واضح کی گئی ہے، ذیل کی عبارت اس کی ایک مثال ہے[1]:

"اس دنیا میں بہترین بادشاہ وہ ہے جو علمائے دینِ بہ (دستوران) کا معتقد ہو جو اہورمزد کے علم و دانش کے جامع ہیں"

جب ایک بدکردار بادشاہ کی بدنیتی یا بے لیاقتی واضح ہو جائے تو جلالِ ربانی اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے لہذا اُس کو معزول ہونا چاہیے، "اگر رعایا پر کوئی مصیبت پڑے اور بادشاہ کو اتنی قدرت نہ ہو کہ اس کا خاتمہ کر سکے یا یہ کہ اُسے اس کی پروا نہ ہو یا اس کا چارۂ کار اس کی سمجھ سے باہر ہو تو ظاہر ہے کہ ایسا بادشاہ حکومت اور عدل کرنے کے ناقابل ہے لہذا دوسروں کو چاہیے کہ انصاف کی خاطر اُس سے جنگ کریں[2]" سلطنت ساسانی کا آئینِ حکومت اصولاً اور عملاً استبداد پر مبنی تھا لیکن اس استبداد کو بادشاہ کی معزولی اور قتل کی گنجائش سے معتدل بنایا گیا تھا، بادشاہ کے اختیارات کی ایک حدبندی ضرور تھی لیکن وہ تحریری قانون کے ذریعے سے معیّن نہیں کی گئی تھی بلکہ عہدۂ شاہی کے اخلاقی اور مذہبی تصوّر پر مبنی تھی، بادشاہ کی نالائقی کا اظہار

---

[1] طبع پشوتن ۔ ج ۱، ص ۳۱۹ ترجمہ ص ۴۲۲ ۔ ۴۲۳، [2] ایضاً ص ۱۰۱، ترجمہ ص ۱۱۵،

مختلف طریقوں سے ہوتا تھا مثلاً ایک یہ کہ وہ موبد موبدان کے ارشاد و نصیحت پر کاربند نہ ہو، بادشاہ کی معزولی کا نظریہ موبدوں کے ہاتھ میں ایک زبردست حربہ تھا، جب تختِ سلطنت کے کئی ایک دعویدار پیدا ہو جاتے تھے جن میں سے ہر ایک کی حمایت میں امراء کی ایک ایک جماعت ہوتی تھی تو موبدِ موبدان کی رائے فیصلہ کُن ہوتی تھی کیونکہ وہ روحانی طاقت کا نمایندہ تھا اور قوم کے مذہبی اعتقادات اور احساسات اُسی کی ذات سے وابستہ ہوتے تھے،

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا خاندان ساسانی کے ابتدائی بادشاہ اپنا جانشین خود نامزد کرتے تھے، جانشینی کے لیے کوئی خاص قواعد مقرر نہ تھے بادشاہ عموماً اپنے بیٹوں میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرتا تھا لیکن اگر وہ مناسب سمجھتا تو اپنے خاندان کے ممبروں میں سے کسی اور کو منتخب کر سکتا تھا،

جس زمانے میں کہ بادشاہ کی طاقت انحطاط پذیر ہوئی تو بہرام پنجم اور یزدگرد دوم[1] جیسے بادشاہوں نے جو مذہب کے معاملے میں ہر لحاظ سے راسخ الاعتقادی کا اظہار کرتے تھے امورِ سلطنت کو امراء کے ہاتھ میں دے دیا اور حکومت کی مشکلات سے اپنا پیچھا چھڑایا، بہرام پنجم ایک ایسا بادشاہ تھا جو امراء کے مذاق کے بالکل مطابق تھا، وہ اپنا وقت شہسواری اور عیش و عشرت میں بسر کرتا تھا، شاہ پیروز[2] اپنے تدیّن کی وجہ سے ممدوحِ خاص و عام تھا

[1] بہرام پنجم (بہرام گور) کا عہدِ سلطنت سنہ ۴۲۰ء - سنہ ۴۳۸ء ہے اور یزدگرد دوم جو اس کا بیٹا اور جانشین ہے سنہ ۴۳۸ء - سنہ ۴۵۷ء تک حکمران رہا (مترجم)

[2] شاہ پیروز (انوشیروان کا دادا) سنہ ۴۵۹ء سے سنہ ۴۸۳ء تک حکمران رہا (مترجم)،

حالانکہ اُس نے بادشاہِ ہیاطلہ کے ساتھ سخت بدعہدی کی تھی[1]، وہ بہادر اور جنگجو تھا لیکن اس کی لڑائیاں سلطنت کے لیے بدبختی کا موجب ہوئیں، اس زمانے میں بادشاہ اپنا جانشین خود نامزد نہیں کرتا تھا بلکہ رسم یہ جاری ہوگئی تھی کہ بادشاہ خاندانِ ساسانی میں سے انتخاب کیا جاتا تھا اور انتخاب کا حق علمائے مذہب، اہلِ سیف اور دبیروں کے عالی ترین نمایندوں کو حاصل تھا، اگر ان میں اختلاف رائے ہو تو پھر صرف موبدانِ موبد کا فیصلہ قطعی سمجھا جاتا تھا، نامۂ تنسر کی رو سے[2] بادشاہ (کے جانشین) کا انتخاب ذیل کے طریقے پر ہوتا تھا: بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے تین خط لکھتا تھا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک نہایت دیانتدار اور معتبر آدمی کے سپرد کرتا تھا، ایک خط موبدان موبد کے نام ایک دبیران مہشت کے نام اور ایک ایران سپاہ بذ کے نام، جیسا کہ ڈارمیسٹیٹر نے کہا ہے[3] یہ خطوط "محض عمومی ملاحظات پر مشتمل ہوتے تھے اور ان میں مختلف امیدواروں کے خصائل اور ہر ایک کی صلاحیت اور سلطنت کی ضروریات پر چند مشاہدات درج ہوتے تھے، صریح طور پر کوئی سفارش نہیں ہوتی تھی کیونکہ پھر ایسی صورت میں تو ان تین عالی مقام عہدہ داروں کے لیے غور و انتخاب کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی تھی"۔ اس سے آگے نامۂ تنسر میں لکھا ہے کہ "جس وقت ملک سے شہنشاہ

[1] جس بدعہدی کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ یہ تھی کہ شاہ پیروز اور بادشاہ ہیاطلہ (خشنواز) کے درمیان جنگ کے بعد اس شرط پر صلح ہوئی کہ پیروز اپنی بیٹی کی شادی خشنواز کے ساتھ کردے۔ پیروز رضامند ہوگیا لیکن بیٹی کی بجائے اپنی کوئی کنیز اس کو دے دی، بھید کھل جانے کے بعد دوبارہ جنگ شروع ہوگئی، (مترجم)، [2] طبع ڈارمیسٹیٹر ص ۲۳۹ - ۲۴۱، طبع مینوی ص ۳۸/۴۴،

[3] دیکھو حاشیہ بر مقام مذکور،

کا سایہ اُٹھ جائے تو موبدان موبد اور دوسرے دو نو شخص (یعنی ایران سپاہ بد اور دبہیران مہشت) بلائے جائیں، وہ مل کر معاملے پر غور کریں اور سربمہر خطوں کو کھولیں اور آپس میں اس بات کا مشورہ کریں کہ بادشاہ کے بیٹوں میں سے کس کو انتخاب کیا جائے، اگر موبدان موبد کی رائے باقی دونو کی رائے کے ساتھ موافق ہو تو عوام الناس کو فیصلے سے آگاہ کر دیا جائے اور اگر اتفاق رائے نہ ہو تو کسی بات کو آشکار نہ کیا جائے نہ خطوں کے مضمون سے کسی کو آگاہ کیا جائے اور نہ موبدان موبد کی رائے اور قول کا کسی کو پتا لگنے دیا جائے، تب موبدان موبد خفیہ طور پر ہیربدوں، دستوروں اور دینداروں کی ایک مجلس شوریٰ منعقد کرے اور یہ سب لوگ مل کر زمزمہ خوانی کے ساتھ نماز ادا کریں اور دعا پڑھیں اور اہل صلاح و تقویٰ اُن کے پیچھے آمین کہیں اور تضرّع و زاری کے ساتھ سجدہ کریں اور دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائیں، نماز شام کے ساتھ اس عمل کو ختم کیا جائے اور اس اثنا میں جو رائے خدا کی جانب سے موبدان موبد کے دل پر منکشف ہو اس کو سب لوگ اعتقاد کے ساتھ قبول کریں، اسی رات کو دربار کے کمرے میں تاج اور تخت لا کر رکھا جائے اور بڑے بڑے اہلکار اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہوں، تب موبدان موبد ہیربدوں، امیروں اور وزیروں کو ہمراہ لے کر شاہزادوں کی مجلس کے سامنے آئے اور سب کے سب ان کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوں اور یہ الفاظ کہیں :- "ہم نے خدائے برتر کے حضور میں مشورت کی ہے اُس نے از راہ کرم ہماری رہبری کی ہے اور ہمیں

بذریعۂ کشف وہ بات بتادی ہے جو ہمارے حق میں بہتر ہے"۔ تب موبدان موبد باآواز بلند کہے کہ "فرشتوں نے فلان بن فلان کو بادشاہ بنانے پر اتفاق کیا ہے تم بھی اے لوگو اس پر اتفاق کرو اور تمہیں مبارک ہو!" تب اس شاہزادے کو اُٹھاکر تخت پر بٹھایا جائے اور اس کے سر پر تاج رکھ دیا جائے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے یوں کہا جائے : "کیا تو نے خدا کی طرف سے دین زرتشت کو قبول کیا جس کی تقویت وشتاسپ پسر لہراسپ نے کی اور جس کو اردشیر پسر پابگ نے دوبارہ زندہ کیا"؟ شاہزادہ اس کا جواب اثبات میں دے اور کہے کہ : "خدا نے چاہا تو میں اپنی رعایا کے ساتھ بھلائی کرونگا"۔ اس کے بعد محل کے خدمتگار اور محافظ وہیں ٹھیریں اور باقی سب لوگ اپنے اپنے کام پر چلے جائیں۔

غرض یہ کہ بادشاہ کے انتخاب کا آخری فیصلہ موبدان موبد کی رائے پر ہوتا تھا اور اس کو تاج پہنانے کا شاندار فرض بھی اُسی کے لیے مخصوص تھا[1]، اس سے کافی طور پر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ عہد ساسانی میں علمائے زرتشتی اور موبدان موبد کا کیا رتبہ تھا، سلطنت ایران کے برترین عہدہ داروں کی جو فہرست یعقوبی نے اور مسعودی نے (کتاب التنبیہ میں) دی ہے اس سے ہمیں اُن تغیرات کا پتا چلتا ہے جو پانچویں صدی کے نصف اوّل میں ظہور پذیر ہوئے، یعقوبی کے ہاں جو فہرست ہے وہ بظاہر اس صدی کے شروع یعنی تقریباً یزدگرد اوّل کے عہد سے تعلق رکھتی ہے[2]، وہ شہنشاہ کے بعد بلا فاصلہ

---

[1] طبری، ص ۸۶۱، [2] دیکھو ضمیمہ ۲،

وُزُرگ فرماذار کا نام لیتا ہے[۱]، اس کے بعد موبدان موبد، پھر ہیربذان ہیربذ، پھر دبہیربذ اور پھر سپاہ بذ جس کے ماتحت ایک پاذگوسپان ہے[۲]، اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ صوبے کا حاکم مرزبان کہلاتا ہے اور ضلع کا شہریگ، افسران سپاہ کو سوار[۳] کہتے ہیں حکّام عدالت کو شاہ رِیشت (؟) اور رئیس مجلس انتظامی کو ایران آمارکار[۴]، مسعودی کی کتاب التنبیہ کے بیان کی رو سے جس کا مأخذ گاہ نامگ[۵] ہے اور جس میں تقریباً یزدگرد دوم کے عہد کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جو پانچویں صدی کے وسط کا زمانہ ہے عہدوں کی ترتیب یہ تھی[۶]:-

(۱) موبدان موبد جس کا معاون ہیربذان ہیربذ تھا، (۲) وزرگ فرماذار، (۳) سپاہ بذ[۷] (۴) دبہیربذ، (۵) ہُتُخْشْ بذ جس کو واستریوشِ بذ بھی کہا جاتا تھا (یعنی اُن سب لوگوں کا محافظ اور رئیس جن کا پیشہ دستکاری تھا مثلاً صنعتگر، مزدور اور تاجر وغیرہ)، یہ پانچ اشخاص سلطنت کے رہبر اور پیشوا تھے اور بادشاہ اور رعایا کے درمیان واسطہ تھے، آجکل کی اصطلاح میں اُن کو کابینۂ وزارت کہا جائیگا، ان میں سے چار تو گویا رعایا کے چار طبقوں کے نمایندہ تھے اور پانچواں یعنی وزرگ فرماذار بادشاہ کا نمایندہ تھا، منجملہ دوسرے بڑے عہدہ داروں کے مسعودی نے مرزبانوں کا نام لیا ہے جو حُکّامِ صوبجات سرحدّی تھے جو جہاتِ اربعہ کی مناسبت سے تعداد میں چار

---

[۱] یعقوبی، طبع یورپ ص ۲۰۲، [۲] دیکھو اوپر باب دوم کا وہ حصّہ جس میں سلطنت کے نظم و نسق کا بیان ہے، [۳] اساویرات، یعنی اسوار کی جمع جو پہلوی میں اسواران یا یا اسوارگان ہے [۴] دیکھو ضمیمہ ۲ کا آخری حصّہ، [۵] دیکھو اوپر، ص ۷۵، [۶] کتاب التنبیہ طبع یورپ ص ۱۰۳، [۷] یعنی ایران سپاہ بذ،

تھے[1]، مسعودی کی فہرست میں وزرگ فرماذار کی جگہ موبدان موبد کو دی گئی ہے، جس کے معنی یہ ہوئے کہ عمائد سلطنت میں اس کا رتبہ سب سے اونچا تھا،

علمائے مذہب زرتشتی بہت متعصّب تھے لیکن ان کا تعصب سیاسی وجوہات پر مبنی تھا، دین زرتشتی تبلیغی مذہب نہیں تھا اور اس کے پیشوا بنی نوع انسان کی روحانی نجات کے لیے سرگرم کار نہ تھے، لیکن حدود سلطنت کے اندر وہ ایک کامل تسلّط کا دعویٰ رکھتے تھے، غیر مذہب کے لوگوں کے متعلّق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ حکومت کے ساتھ ان کی وفاداری مشکوک ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اُن کے ہم مذہب کسی دوسری سلطنت میں بااقتدار ہوتے تھے، مانویوں نے جو خطرہ ملک کے اندر پیدا کر دیا تھا اُس کا دفعیہ کامیابی کے ساتھ کیا گیا لیکن بابل کے یہودی کلیسائے زرتشتی کی قوّت اور سلطنتِ ایران کے وجود کے لیے خطرے کا باعث نہ تھے، یہ صحیح ہے کہ اردشیر اوّل یہودیوں پر کچھ ایسی مہربانی کی نظر نہیں رکھتا تھا اور وہ اشکانیوں کی رواداری کے سلوک کو حسرت کے ساتھ یاد کرتے تھے کیونکہ ساسانیوں کے ابتدائی دَور میں ان پر حکومت کی طرف سے بعض وقت سختی کی جاتی تھی خصوصاً جبکہ وہ ٹیکس کے بوجھ کو اتار پھینکنے کی کوشش کرتے تھے لیکن پھر بھی فی الجملہ وہ شہنشاہِ ایران کی حمایت میں امن کی زندگی بسر کرتے تھے[2] لیکن عیسائیوں کی حالت اس سے بہت مختلف تھی،

جس زمانے میں کہ خاندان ساسانی نے اشکانیوں کی جگہ لی عیسائیوں

---

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۳۰ و ۱۴۷ مابعد ضمیمہ نمبر ۲، [2] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۶۸ ح ۱، لابور ص ۷، ۹

کا ایک بہت بڑا تبلیغی مرکز شہر اڈیسہ (الرُّہا) میں تھا، روم کے ساتھ لڑائیوں کے دوران میں جو قیدی گرفتار کیے گئے ان کو (جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں) سلطنت ایران کے دور دراز علاقوں میں آباد کیا گیا، شاہان ایران نے شام کی مہموں میں اکثر اوقات ایسا کیا ہے کہ ایک شہر کی ساری کی ساری آبادی کو منتقل کر کے سلطنت کے کسی اندرونی حصے میں مقیم کر دیا ہے، چونکہ ان لوگوں میں سے بیشتر عیسائی ہوتے تھے اس لیے مسیحیت ایران میں تقریباً ہر جگہ رائج ہو گئی،[۱]

چوتھی صدی کے شروع میں پاپا بارعگائی نے جو سلوکیہ طیسفون کا بشپ تھا اس بات کی کوشش کی کہ ایرانی عیسائیوں کے تمام فرقوں کو طیسفون کے کلیسائی مرکز کے ماتحت متحد کرے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک وجہ مخاصمت پیدا ہو گئی جس سے صورتِ حالات بدتر ہو گئی، انجام یہ ہوا کہ مجلس کلیسا نے پاپا کو معزول کر دیا لیکن مخاصمت پھر بھی جاری رہی، سلطنتِ ایران میں دجلہ کے مشرق کی طرف آرمینیہ اور کردستان سے لے کر کرکوک اور حلوان تک اور جنوب کی طرف گندیشاپور تک اور خوزستان میں شوش اور ہرمز دار دشیر تک بہت سے شہر تھے جو کلیسائی حلقوں کے صدر مقام تھے اور جہاں بشپ رہتے تھے، چوتھی صدی میں عیسائیوں کے مختلف فرقوں کی جو حالت تھی اس کی تاریک تصویر ایک شخص مسمّی افرات نے کھینچی ہے جو شام کے عیسائیوں میں اُس زمانے میں ایک سر برآوردہ شخص تھا، اپنی کتاب کے

---

[۱] لابور، ص ۱۸ - ۱۹،

چودھویں خطبے میں وہ لکھتا ہے کہ پیشوایانِ دینِ مسیحی کو قوم کی بہبودی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں اور نہ وہ احکامِ دین کی پروا کرتے ہیں بلکہ اپنی ذاتی اغراض کے پورا کرنے میں منہمک ہیں اور جاہ طلبی میں مصروف ہیں، مشرقی عیسائیت کے یہ ہیرو غرور، حسد اور حرص میں مبتلا ہیں اور اشیائے مقدسہ کی خرید و فروخت کے مرتکب ہوتے ہیں یہانتک کہ جور و تعدّی کے زمانے میں بھی وہ ان باتوں سے باز نہیں آتے[1] اور ان کے مذہبی جنون میں کمی نہیں ہوتی، ان کا یہ جنون نہ صرف مانویوں کے خلاف ہے بلکہ فرقۂ والنٹینی، مارسیونی اور باردیسانی[2] اور دوسرے عرفانی فرقے بھی ان کے تعصّب سے نالاں ہیں،

جب تک کہ دولتِ روم لامذہب رہی ایران کے عیسائی امن میں رہے لیکن جونہی کہ قیصر قسطنطین[3] نے عیسائی مذہب اختیار کیا صورتِ حالات بدل گئی، اُسی وقت سے ایران کے عیسائی جن کی تعداد اُن سرحدّی صوبوں میں زیادہ تھی جو روم کے متّصل تھے ایک طاقتور سلطنت کے گرویدہ ہو گئے جہاں ان کا مذہب سرکاری مذہب قرار پا گیا تھا، افراہٹ نے پیشینگوئی کی کہ بالآخر "قوم خدا" یعنی اہلِ روم کو فتح ہوگی اور اگر ایرانی فتحیاب ہوئے بھی تو یہ خدا کی طرف سے رومیوں کے لیے سزا اور تنبیہ ہوگی لیکن آخر کار دجّال کا خاتمہ ہو کر رہیگا[4] وقائع شہدائے ایران میں لکھا ہے کہ شاپور دوم نے ممالک آرامی کے حکّام کو بالفاظِ ذیل فرمان بھیجا: "جونہی کہ یہ فرمان جو

[1] لابور، ص ۲۴ ببعد، [2] دیکھو اوپر، ص ۴۴، [3] (Constantine)، [4] لابور، ص ۴۸-۴۹،

ہماری درگاہِ خداوندی سے صادر ہُوا ہے تمہیں پہنچے تو فوراً سائمن رئیسِ نصاریٰ[1] کو گرفتار کرو اور جب تک وہ اس تحریر پر دستخط نہ کرے اور اس بات کا اقرار نہ کرے کہ مقررہ ٹیکس اور خراج کی دُگنی رقم جو اُن عیسائیوں سے واجب الادا ہے جو مابدولت کی سلطنت میں سکونت رکھتے ہیں ادا کر دیگا اس کو رہا مت کرو کیونکہ ہماری ذاتِ خداوندی تو جنگ کی زحمت کو گوارا کر رہی ہے اور وہ ہیں کہ امن و عیش کی زندگی بسر کر رہے ہیں! وہ سکونت تو مابدولت کی مملکت میں رکھتے ہیں لیکن ان کی ہمدردی قیصر کے ساتھ ہے جو ہمارا دشمن ہے[2]!" سائمن کو جب گرفتار کیا گیا تو اس نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا، شاپور کو جب یہ خبر پہنچی تو مارے غصے کے پکار اُٹھا کہ سائمن اپنے پیروؤں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسانا چاہتا ہے اور اس کی یہ خواہش ہے کہ سلطنتِ ایران کو اپنے ہم مذہب قیصر کے ہاتھ میں دیدے، لابور جو شہدائے ایران کی تاریخ کا ایک بے تعصب مؤرخ ہے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ شاپور کا یہ شبہ بے بنیاد نہ تھا اگرچہ سائمن نے دورانِ جرح میں غداری کے اس الزام کے خلاف احتجاج کیا، بالآخر سائمن قتل کیا گیا[3]،

یہ واقعات ایران کے عیسائیوں پر جور و تعدی کی تمہید تھے اور اس تعدی کا زمانہ ۳۳۹ء سے شروع ہو کر شاپور کی وفات پر ختم ہوتا ہے، عیسائیوں پر عقوبت بیشتر شمال مغربی صوبوں میں اور اُن علاقوں میں تھی

[1] یعنی سائمن بار صبّعی جو پاپا کا جانشین تھا، [2] لابور، ص ۴۵-۴۶،
[3] لابور ص ۴۵ بعد،

جو سلطنت روم کے متصل تھے، اس دوران میں خونریزیاں اور قتل عام بھی ہوئے اور بہت لوگ جلاوطن بھی کیے گئے، سنہ ۳۶۲ء میں جب عیسائیوں نے بغاوت کی تو قلعۂ فنک[1] (واقع بیزابدہ[2]) کے نو ہزار عیسائیوں کو مع اُن کے بشپ ہیلیوڈور کے جلاوطن کرکے خوزستان بھیج دیا گیا،[3] مؤرخ سوزومین نے اُن عیسائیوں کی تعداد جو شاپور کی تعدّی کا شکار ہوئے سولہ ہزار بتلائی ہے اور بقول اس کے ان سب کے نام بھی معلوم ہیں لیکن لابور کے نزدیک اس تعداد میں کسی قدر مبالغہ ہے،

شہدائے ایران کے حالات میں سریانی زبان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں اُن مظالم کا حال بیان کیا گیا ہے جو دو سو برس کے عرصے میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد عیسائیوں پر ہوتے رہے، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ یہ بیانات حد سے زیادہ تعصّب آمیز ہیں اور ان کو افسانوں کے ساتھ مزیّن بھی کیا گیا ہے تاہم چونکہ وہ عمدہ روایات پر مبنی ہیں خصوصاً وہ جو قدیم ترین دَور سے متعلّق ہیں[4] لہذا وہ اُس زمانے کی ایرانی زندگی کے بارے میں بہت سی اطّلاعات پیش کرتے ہیں،

شاپور کا جانشین اردشیر دوم بھی عیسائیوں کا ہمدرد نہ تھا، لیکن شاپور سوم[5] اور بہرام چہارم[6] نے قیصر روم کے ساتھ دوستانہ تعلّقات قائم کیے، اور یزدگرد اوّل کے عہد میں (سنہ ۳۹۹ء۔ سنہ ۴۲۱ء)[7] زرتشتیوں اور

---

[1] (Phenek)، [2] (Bezabde)، [3] لابور، ص ۷۸، [4] ایضاً ص ۵۳ ببعد، [5] سنہ ۳۸۳ء۔ سنہ ۳۸۸ء، (مترجم)، [6] سنہ ۳۸۸ء۔ سنہ ۳۹۹ء (مترجم)، [7] بقول موسیو تمٹ اس کا عہد سلطنت سنہ ۳۹۷ء۔ سنہ ۴۱۷ء تھا، (سیریا، سنہ ۱۹۳۴ء ص ۲۲)،

عیسائیوں کے درمیان تعلّقات نے ایک بالکل نئی صورت اختیار کی،

یزدگرد اوّل کی سیرت کے بارے میں عیسائی اور ایرانی مصنّفوں کی رائے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے، ایک معاصر تصنیف میں جو سریانی زبان میں ہے اس کو "رحمدل، نیکوکار، شاہ یزدگردِ مسیحی، مقدّس ترین بادشاہاں" کہا گیا ہے اور لکھا ہے کہ "ہر روز وہ غریبوں اور بینواؤں پر بخششیں کیا کرتا تھا[1]" بازنطینی مؤرّخ پروکوپیوس بھی اس بادشاہ کی کریم النفسی کو بلند آہنگی کے ساتھ بیان کرتا ہے، برخلاف اس کے عربی اور فارسی مؤرّخوں نے جن کے بیانات کا مأخذ عہد ساسانی کی وہ تاریخ ہے جس پر علمائے زرتشتی اور امراء کے عقاید کا رنگ چڑھا ہُوا ہے اس کو "بزہ کار" (بمعنی گناہ گار) اور "دبہر" (بمعنی دھوکے باز) کے القاب دیے ہیں، بقول اُن کے وہ احسان ناشناس اور بدگمان تھا، اگر کوئی شخص اس کے سامنے کسی کے حق میں کلمۂ خیر کہتا تو فوراً اس سے پوچھتا کہ اُس نے تجھے کیا دینے کا وعدہ کیا ہے جو تو اس کی حمایت کر رہا ہے اور اب تک تو اُس سے کیا کچھ لے چکا ہے؟ وہ نہایت تند مزاج اور بدکار تھا اور ہمیشہ ایسے موقع کی تاک میں رہتا تھا کہ لوگوں کو وحشیانہ سزائیں دے سکے، طبری نہایت سادگی کے ساتھ لکھتا ہے کہ لوگوں کے لیے اس کے ظلم و ستم سے بچنے کا کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ اگلے بادشاہوں کے عمدہ قوانین اور حکیمانہ اقوال پر کاربند ہوں، اس کی سخت گیری کے

---

[1] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۷۵، ح،

خوف سے رعایا[1] نے اس کے خلاف اتحاد کیا[2]، طبری کے ہاں ایک اور مقام ہے جو اس غرض آمیز بیان کی تصحیح کے لیے مفید ہے، وہ لکھتا ہے کہ یزدگرد کے بیٹے اور جانشین بہرام نے اپنی تخت نشینی کے وقت لوگوں کو جو خطبہ دیا اس میں کہا کہ میرے باپ نے اپنے عہد سلطنت کے شروع میں انصاف اور مہربانی کا رویہ اختیار کیا لیکن چونکہ اس کی رعایا نے یا کم از کم بعض لوگوں نے اس کی قدر نہ پہچانی اور نافرمانی کرنے لگے اس لیے ناچار اس نے سختی اختیار کی اور لوگوں کا خون بہایا[3]، یزدگرد کی ان غلط اور مجعول تصاویر کے عقب میں ہم کو اس کے اصلی خط و خال نظر آرہے ہیں، وہ ایک مستعد اور زبردست شخصیت کا بادشاہ تھا اور بالطبع رحمدلی کی طرف مائل تھا، لیکن اُس جد و جہد کی وجہ سے جو اس کو اپنے متکبر اور نافرمان امراء کے خلاف اپنے شاہی اقتدار کی حفاظت کی خاطر کرنی پڑی وہ مجبور ہو گیا کہ جور و ظلم کا رویہ اختیار کرے،

چونکہ اب روم اور ایران کے درمیان صلح ہو چکی تھی اور یزدگرد نے یہاں تک بھی کیا کہ قیصر کے نابالغ بیٹے تھیوڈوسیوس دوم[4] کو تربیت کے لیے اپنی نگرانی میں لے لیا[5] (اگرچہ یہ محض اخلاقاً تھا اور اس کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی) لہذا شہنشاہِ ایران نے بہ ضرورتِ وقت اس امر کو تسلیم کیا کہ حکومتِ ایران اور اس کی عیسائی رعایا کے درمیان کوئی سمجھوتا ہونا چاہیئے، مشرقی سلطنت

---

[1] رعایا سے مراد امراء ہیں، [2] طبری، ص ۸۴۸، [3] ایضاً، ص ۸۶۵،

[4] Theodosius II

[5] پروکوپیوس، ۱، ۲،

روم[1] کی طرف سے ایک وفد میّا فارقین کے بشپ مارُوثا کی سرکردگی میں یزدگرد کے دربار میں بھیجا گیا، مارُوثا نے اپنی وجاہت اور وقار سے یزدگرد کو بہت متاثر کیا اور اس کا پورا اعتماد حاصل کر لیا، بادشاہ نے حکم دے دیا کہ جو گرجے گرا دیے گئے تھے ان کو دوبارہ تعمیر کیا جائے اور جو عیسائی اپنے مذہب کی وجہ سے قید کیے گئے تھے ان کو رہا کر دیا جائے، پادریوں کو اجازت دی گئی کہ وہ سلطنت ایران میں جس جگہ ان کا جی چاہے جائیں، مارُوثا نے بادشاہ کو اس بات پر بھی راضی کر لیا کہ سلوکیہ میں ایک عیسائی کانفرنس منعقد کی جائے جس میں ایران کے عیسائیوں کے متعلق تمام امور طے کیے جائیں اور کلیسائے عیسوی کا اتّحاد قائم کیا جائے، یہ کانفرنس ۴۱۰ء میں سلوکیہ طیسفون کے بشپ اسحاق اور مارُوثا کی صدارت میں منعقد ہوئی اور بادشاہِ ایران کی سلامتی کی دعا کے ساتھ اس کا افتتاح ہؤا۔ اس جلسے میں بہت سے نئے قانون وضع کیے گئے جن کی رُو سے کلیسائے شرقی کے نظام اور عقاید کو اُن قوانین کے مطابق کیا گیا جو مغرب میں رائج تھے، نیکیا کے طے شدہ عقاید کو[2] باضابطہ اختیار کیا گیا اور کلیسائی مراتب کی ترتیب از سرِ نو کی گئی، سلوکیہ طیسفون کا بشپ ایران کے تمام عیسائیوں کا جاثلیق قرار پایا اور کشکر کا بشپ اس کا نائب

---

[1] چوتھی صدی میں رومن امپائر کے دو حصے ہو گئے تھے، ایک حصہ مشرقی سلطنت روم (Eastern Roman Empire) کہلاتا تھا جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا، (مترجم)،

[2] قسطنطینِ اعظم نے ۳۲۵ء میں نیکیا (Nicæa) کے مقام پر جو ایشیائے کوچک کے شمال مغرب میں واقع ہے ایک عیسائی کانفرنس منعقد کرائی جس میں بہت سے متنازعہ فیہ مسائل کا تصفیہ کیا گیا، منجملہ اور باتوں کے حضرت عیسیٰ کی الوہیت کو تسلیم کیا گیا، اس کانفرنس میں تین سو بشپ جمع ہوئے تھے، (مترجم)،

ہوا۔ جاثلیق کے ماتحت پانچ اُسقف مقرر ہوئے ایک بیث لاپط (= گندیشاپور) میں جو خوزستان میں تھا دوسرا نصیبین میں تیسرا پرات میشان میں جو صوبہ میسین میں تھا چوتھا اربل میں اور پانچواں کرخائے بیث سلوخ (= کرکوک) میں، تقریباً تیس پادری ان کے ماتحت کیے گئے، بعض عیسائی فرقے جو دور کے علاقوں میں رہتے تھے اس تنظیم سے خارج رکھے گئے، البتہ خوزستان میں چار کلیسائی رئیس اپنے اپنے فرقوں کے پیشوا مانے گئے لیکن اس شرط پر کہ جب ان میں سے کوئی مرے تو اس کے جانشین کا انتخاب جاثلیق کرے، یزدگرد نے ان تمام فیصلوں کو منظور کرلیا، اُس کے حکم سے سلطنت کے دو سب سے بڑے عہدہ داروں نے (یعنی وزرگ فرمادار خسرو یزدگرد اور مہرشاپور جس کے لقب "ارگبد" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہی خاندان سے تھا)[1] ان تمام اساقفہ کو دربار شاہی میں بلایا اور ان کے سامنے بادشاہ کی طرف سے تقریر کی اور اُنہیں اطمینان دلایا کہ عیسائیوں کو اب از سر نو مذہبی آزادی حاصل ہے اور اُنھیں گرجاؤں کی تعمیر کا حق دیا جاتا ہے، جو کوئی جاثلیق اسحاق اور ماروثا کے احکام کی نافرمانی کریگا اس کو سخت سزا دی جائیگی،[2]

چند سال بعد جاثلیق یہبلاہا کو جو اسحاق کا دوسرا جانشین تھا قسطنطنیہ بھیجا گیا تاکہ وہ دونو سلطنتوں کے درمیان تعلّقات کو خوشگوار بنائے، وہاں سے وہ بہت سے تحفے لے کر واپس آیا جن کو اس نے سلوکیہ طیسفون کے گرجا کی مرمّت میں اور اسی شہر میں ایک نیا گرجا تعمیر کرانے میں صرف کیا،

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۳۷، [2] لابور، ص ۸۷-۹۹،

یزدگرد کے زیرِ حمایت عیسائیت کے حق میں بڑے بڑے نتائج حاصل ہوئے لیکن باوجود اس کے ایران کے عیسائی فرقوں میں جو باہمی تنازعات تھے اُن کا خاتمہ نہ ہُوا چنانچہ سنہ ۴۲۰ء میں جو کانفرنس منعقد ہوئی اُس میں ان کا شدت کے ساتھ اظہار ہُوا[1]۔

یزدگرد نے جو عیسائیوں کے ساتھ دوستی کے تعلقات پیدا کیے تو یہ سیاسی وجوہات کی بنا پر تھا، وہ چاہتا تھا کہ مشرقی سلطنتِ روم کے ساتھ صلح رکھ کر اپنی تمام کوششوں کو یکسوئی کے ساتھ اپنی طاقت کو بڑھانے میں صرف کرے، لیکن ساتھ ہی اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مذہبی رواداری اس کی طبیعت میں داخل تھی چنانچہ اس نے یہودیوں کے ساتھ بھی مہربانی کا سلوک رکھا حالانکہ ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی[2]، اس کی ایک بیوی یہودی تھی جس کا نام شوشیندخت (؟) تھا اور وہ یہودیوں کے رئیس (ریش گالوُتا)[3] کی بیٹی تھی، لیکن یزدگرد نے اپنے عہد کے آخر میں عیسائیوں کے ساتھ اپنا رویہ بدل دیا اور اس میں قصور خود اُنھی کا تھا، وہ اس قدر دلیر اور بیباک ہو گئے کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اس لیے سخت گیری کے سوا چارہ نہ رہا، شہر ہرمزد اردشیر میں جو صوبہ خوزستان میں تھا ایک عیسائی پادری نے جس کا نام ہشو تھا یہاں تک جرأت کی کہ بشپ عبدا کی باضابطہ یا خاموش رضامندی کے ساتھ ایک آتشکدہ کو جو گرجا کے نزدیک تھا مسمار کرا دیا، پادری

---

[1] لابور، ص ۱۰۰-۱۰۳، [2] نولڈکہ، ترجمہ طبری ص ۷۵، ح ، [3] دیکھو اوپر، ص ۴۰ مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۵۳ ح ۱، نیز گرے کا مضمون بہ عنوان "پہلوی ادبیات میں یہودی" (روئداد اجلاس چہاردہم انجمن مستشرقین، پیرس سنہ ۱۹۰۶ء ص ۱۹۰ بعد)

اور بشپ اور بہت سے اور لوگ جو اس کام میں شریک تھے گرفتار کر کے طیسفون بھیج دیے گئے، بادشاہ نے بذات خود ان سے اس معاملے کے متعلق دریافت کیا، عبدا نے تو اپنی برارت کا اظہار کیا لیکن ہشو نے کھلم کھلا اقرار کیا کہ میں نے خود آتشکدہ کو مسمار کیا ہے اور ساتھ ہی دینِ زرتشتی کو بُرا بھلا کہا، بادشاہ نے عبدا کو حکم دیا کہ آتشکدہ کو دوبارہ تعمیر کروا کے دو لیکن وہ انکار پر اڑا رہا، آخر بادشاہ نے اُسے مروا دیا، تاریخِ کلیسا کے مصنّف تھیوڈورٹ نے اگرچہ آتشکدہ کے مسمار کرانے کو ناعاقبت اندیشی پر محمول کیا ہے تاہم وہ عبدا کے استقلال کی تحسین کرتا ہے[1]،

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے اور وہ خاص طور پر اس لیے دلچسپ ہے کہ جتنے عیسائی اس میں شریک ہیں ان سب کے ایرانی نام ہیں، ایک پادری نے جس کا نام شاپور تھا ایک ایرانی رئیس آذر فرنبگ کو جو ایک مرض میں مبتلا تھا ترغیب دی کہ وہ عیسائی ہو جائے تاکہ اُسے اس مرض سے شفا ہو، رئیس نے پادری کو دعوت دی کہ میرے گاؤں میں آکر ایک گرجا تعمیر کرو، شاپور نے چھوٹتے ہی زمین کا قبضہ حاصل کیا اور گرجا بنا ڈالا، موبد آذر بوزی[2] نے اس معاملے کی اطّلاع بادشاہ کو پہنچائی اور کہلا بھیجا کہ ایک ایرانی رئیس کا اس طرح مرتد ہو جانا کس قدر افسوسناک ہے، یزدگرد نے موبد کو فرمائش کی کہ جس طرح ہو سکے اس کو دینِ زرتشت کی طرف واپس لاؤ صرف اتنی بات کی تاکید جانو کہ اس کو جان سے مت مرواؤ، آذر فرنبگ نے دوبارہ دینِ زرتشتی

---

[1] ہوفمن، ص ۳۴، لابور ص ۱۰۵، [2] شاید وہ موبدان موبد تھا،

کو قبول کر لیا اور اپنی زمین (جس پر گرجا تعمیر کیا گیا تھا) واپس مانگی لیکن پادری شاپور نے ایک اور بشپ نرسی کے بھڑکانے سے زمین واپس کرنے سے انکار کیا اور قبالہ ساتھ لے کر بھاگ گیا، تب اس گرجے کو آتشکدہ بنا دیا گیا لیکن نرسی نے آگ کو بجھوا دیا اور وہاں عیسائی طریقے پر نماز ادا کرائی، وہاں کے موبد کو جب اس دست درازی کا علم ہوا تو اس نے گاؤں میں دہائی دی اور لوگوں کو برانگیختہ کیا، نرسی کو کوڑے لگائے گئے اور اس کو پا بہ زنجیر طیسفون بھیج دیا گیا، وہاں پہنچ کر آذر بوزے نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر تم آتشکدہ کی مرمت کروا دو اور نقصان کی تلافی کر دو تو تمہیں معاف کر دیا جائیگا، نرسی نے انکار کیا جس پر اس کو قید خانے بھجوا دیا گیا، بعد میں چونکہ وہ اپنے انکار پر اڑا رہا لہذا اس کو قتل کروا دیا گیا،[1]

اس قسم کی دست درازیاں جو عیسائی کرتے رہے ان سے لازمی طور پر ان کے خلاف تعصّب پیدا ہوتا گیا، بالآخر یزدگرد نے جو عیسائیوں کے کھلم کھلا دشمن مہر نرسی کو وزرگ فرماذار کے عہدے پر مأمور کیا تو یہ بدیہی ثبوت اس بات کا تھا کہ عیسائیوں کے ساتھ اس کا رویّہ بالکل بدل گیا تھا،[2]

یزدگرد کی موت جو سنہ ۴۲۱ء میں واقع ہوئی آج تک ایک معمّا ہے، ایرانی روایت یہ ہے کہ وہ گرگان میں کسی جگہ ٹھہرا ہوا تھا کہ ایک گھوڑا جو خوبصورتی میں بے نظیر تھا اور کسی نے اس کو پہلے نہیں دیکھا تھا آیا اور

---

[1] ہوفمن، ص ۳۶ - ۳۸، لابور ص ۱۰۷ - ۱۰۸، [2] اسی سے نولڈکہ نے (ترجمہ طبری ص ۷۶، ح ۱) استدلال کر کے طبری کے اس بیان کو غلط ثابت کیا ہے کہ یزدگرد نے تخت پر بیٹھتے ہی مہر نرسی کو وزیر بنا لیا تھا،

یزدگرد کے دل پر ایک دولتی لگائی، بادشاہ وہیں مر کر رہ گیا اور گھوڑا اس کے بعد نگاہوں سے غائب ہوگیا، ایک اور روایت یہ ہے کہ وہ تیزی کے ساتھ بھاگ گیا، ہمارے نزدیک نولڈکہ کا یہ قیاس بالکل صحیح ہے کہ یہ قصّہ بعد میں اس غرض سے گھڑا گیا تاکہ بادشاہ کے مرنے کی اصلی وجہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے، بات دراصل یہ تھی کہ امرا اس سے نفرت رکھتے تھے اور کسی دور دراز مقام میں اس کی اقامت کو غنیمت سمجھ کر انھوں نے اُس سے نجات حاصل کی،[1]

یزدگرد نے تین بیٹے چھوڑے، شاپور، بہرام اور نرسی، شاپور کو باپ نے آرمینیہ کے اُس حصّے کا بادشاہ مقرر کیا جو ایران سے تعلق رکھتا تھا، بہرام حیرہ کے عرب بادشاہ کے ہاں جو شہنشاہ کا باجگزار تھا مقیم تھا، طبری کے بیان کی رو سے اس کو بچپن ہی سے وہاں بھیج دیا گیا تھا تاکہ وہ حیرہ کی صحت بخش آب و ہوا میں پرورش پائے[2]، لہٰذا وہ اپنی چال ڈھال اور حرکات و سکنات میں بجائے ایرانی کے عرب معلوم ہوتا تھا[3]، لیکن اس ہمسایہ سلطنت میں اس کی طویل اقامت حقیقت میں ایک جلاوطنی تھی جس کا باعث یزدگرد اور اس کے نوجوان بیٹے کے درمیان اختلافِ رائے تھا[4]، جو بات یقینی طور پر معلوم ہے وہ یہ ہے کہ بہرام حیرہ میں قصر خورنق میں رہتا تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کو نعمان لخمی نے بنوایا تھا لیکن حقیقت

---

[1] نولڈکہ (ترجمہ طبری، ص ۷۷، ح ۱)، [2] طبری ص ۸۵۵،
[3] ایضاً، ص ۸۵۸،
[4] نولڈکہ ترجمہ طبری، ص ۹۰، ح ۲،

ہیں وہ زیادہ پُرانے زمانے کا بنا ہُوا تھا[1]، وہاں اس کی تربیت منذر کی نگرانی میں ہوئی جو نعمان کا بیٹا اور جانشین تھا اور جس کو یزدگرد نے "رام افزود یزدگرد" (بمعنی یزدگرد کی خوشی کا بڑھانے والا) اور "مہشت" (بمعنی اعظم) کے پُر افتخار خطابات دے رکھے تھے[2]، یزدگرد کا تیسرا بیٹا نرسی جو اس کی یہودی بیوی[3] کے بطن سے تھا غالباً اپنے باپ کی وفات کے وقت ابھی نابالغ تھا کیونکہ بہرام کی عمر بھی اس وقت بیس سال سے زائد نہ تھی[4]،

اب جبکہ امراء اور موبدوں کو ایک ناموافق بادشاہ سے نجات ملی تو موقع سے فائدہ اُٹھا کر انھوں نے چاہا کہ اپنی برتری کو قائم کریں، امراء میں سے بعض نے اس بات پر ایکا کیا کہ یزدگرد کے تینوں بیٹوں کو تخت سے محروم کریں، دینوری نے[5] ان امراء میں سے جن کے نام لیے ہیں ان میں سے ایک تو وستہم ہے جو میسوپوٹیمیا (سواد) کا سپاہبد تھا اور ہزارفت کے لقب سے ملقب تھا، ایک یزدگشنسپ ہے جو ضلع الزّوابی[6] کا پاذگوسپان تھا، ایک پیرگ مہران[7] ہے جو محاسبِ فوج تھا، ایک گشنسپ آذرویش ہے جو صاحب الخراج تھا اور ایک پناہ خسرو ہے جو ناظر امورِ خیریہ تھا[8]، ایک بات جو قابلِ توجّہ ہے وہ یہ ہے کہ اس فہرست میں مہرنرسی کا نام نہیں ہے جو یزدگرد اوّل اور بہرام پنجم کا مقتدر وزیر تھا، شاپور شاہِ آرمینیہ تخت حاصل کرنے کے

---

[1] روٹ شٹائن، ص ۱۶، ۱۴۴، [2] طبری، ص ۸۵۵، [3] دیکھو اوپر، ص ۳۵۶،
[4] طبری، ص ۸۶۳، [5] ص ۵۷، [6] بیبی لونیا کا جنوبی علاقہ جس میں سے وہ نہریں گذرتی تھیں جن کو زاب کہا جاتا تھا، (نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۵۰۱، مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۱۶۴)،
[7] دینوری یہ سمجھا ہے کہ مہران کسی عہدے کا نام ہے، [8] رَوانگان دبہیر، دیکھو اوپر، ص ۱۲۶،

لیے فوراً طیسفون آیا لیکن اُمراء نے اس کو مروا دیا[1] اور ایک اور شہزادے خسرو کو جو ساسانی خاندان کی کسی شاخ سے تعلق رکھتا تھا بادشاہ بنا دیا،

لیکن شاہزادہ بہرام نہیں چاہتا تھا کہ بے لڑے اپنے حق سے دست بردار ہوجائے، اس کے سرپرست (منذر) نے اُسے کافی امداد دی، عرب مؤرخ لکھتے ہیں کہ شاہ حیرہ کی کمان میں سواروں کے دو دستے تھے جن میں سے ایک کا نام "دوسر" تھا اور وہ اُن عربی قبائل پر مشتمل تھا جو نواح حیرہ کے رہنے والے تھے اور تنوخ کے نام سے معروف تھے، دوسرے کا نام "شہباء" تھا اور وہ ایرانیوں پر مشتمل تھا،[2] بہرحال منذر کے زیرفرمان کافی فوج تھی جو ساز و سامان سے خوب آراستہ تھی، اس فوج کو اس نے اپنے بیٹے نعمان کے ماتحت روانہ کیا، نعمان طیسفون کی جانب بڑھا، امرائے ایران نے خوف زدہ ہوکر منذر اور بہرام کو صلح کا پیغام بھیجا، خسرو کو معزول کیا گیا اور بہرام پنجم تخت پر بیٹھا، ایرانی روایت نے اس واقعہ کو ایک افسانے کے ساتھ آراستہ کیا ہے، لکھا ہے کہ بہرام نے پہلے یہ وعدہ کیا کہ اس کے باپ (یزدگرد) نے سلطنت کو جو ضعف پہنچایا تھا وہ اس کی تلافی کریگا اور ایک سال آزمائش کے طور پر حکومت کرنے کا مجاز ہوگا، اس کے بعد بادشاہ کا انتخاب مشیت ایزدی سے ہوگا یعنی اس طرح کہ تاج اور شاہی لباس کو ایک اکھاڑے میں رکھا جائیگا جس کے دو طرف دو بھوکے شیر چھوڑے جائینگے پھر سلطنت کے دو دعویداروں میں سے جو کوئی اس تاج اور لباس کو اُٹھالانے

[1] نولڈکہ، ترجمۂ طبری، ص ۹۱ ح ۴، [2] روٹ شٹائن، ص ۱۸ ببعد،

کی جرأت دکھائیگا وہی بادشاہ ہوگا، خسرو نے اس اکھاڑے میں پہلے اُترنے سے انکار کیا، تب بہرام آیا اور دونو شیروں کو مار کر تاج اور لباسِ شاہی کو اُٹھا لے گیا، اس پر خسرو اور اس کے پیچھے تمام حاضرین نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کو بادشاہ تسلیم کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قصّہ اس شرمناک حقیقت کو چھپانے کے لیے گھڑا گیا ہے کہ ایک مُٹّھی بھر عرب سپاہیوں نے ایران کے امرائے کبار کے فیصلے کو الٹ کر رکھ دیا اور انہیں اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ ایک ایسے شخص کو بادشاہ تسلیم کریں جسے وہ رد کر چکے تھے،

ساسانی خاندان میں کوئی بادشاہ باستثنائے اردشیر اوّل اور خسرو انوشیروان اور خسرو پرویز اس قدر ہر دلعزیز نہیں ہوُا جتنا کہ بہرام پنجم، وہ ہر شخص کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا اور خراج کا ایک حصّہ ہمیشہ ادا کنندگان کو بخش دیتا تھا، اقوام شمالی اور دولتِ بازنطینی کے خلاف لڑائیوں میں بہادری کے جو معرکے اس نے دکھائے اس کے بہت سے قصّے مشہور ہیں، اسی طرح اس کے شکار کے کارنامے اور عشق کی داستانیں بھی زبان زدِ عام ہیں، ان کارناموں اور داستانوں کو نہ صرف ادبیّاتِ فارسی میں زندۂ جاوید بنایا گیا ہے بلکہ صدیوں تک مصوّروں نے ان کے مضامین کو اپنی تصویروں میں دکھایا ہے اور قالینوں اور آرائشی پردوں میں یہ تصویریں ہمیشہ سرمایۂ زینت رہی ہیں، ان کے علاوہ ساسانی زمانے کے بعض چاندی کے پیالے اب تک موجود ہیں جن میں اس بادشاہ کے بعض شکار کے سین نقش کیے گئے ہیں، لینن گراڈ میں ہرمیتاژ کے عجائب خانہ میں ایک پیالہ ہے جس میں بہرام پنجم کی تصویر (جو اپنے تاج کی

شکل سے پہچانا جاتا ہے) اس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ ایک اونٹ پر سوار ہے اور اس کے پیچھے اس کی ایک نوجوان محبوبہ بیٹھی ہے، بادشاہ اور عورت کے درمیان رتبے کے تفاوت کو ان کے قد کے اختلاف سے ظاہر کیا گیا ہے، تصویر کا مضمون یہ ہے کہ محبوبہ نے شرارت سے بادشاہ سے یہ کہا ہے کہ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آیا حضور اس بات پر قادر ہیں کہ تیر لگا کر ہرن کو مادہ اور ہرنی کو نر بنا سکیں؟ یہ سن کر بادشاہ نے دو تیر ہرنی کو اس طرح لگائے کہ وہ جا کر اس کے سر میں گڑ گئے اور یوں معلوم ہونے لگا کہ گویا دو سینگ ہیں، پھر ایک دوشاخہ تیر اس طرح تان کر ہرن کو لگایا کہ اس کے دونو سینگ صاف اڑ گئے[1] پیالہ بنانے والے نے تیر کی ایک خاص شکل بنائی ہے اور پیکان کو ہلال کی صورت میں دکھایا ہے[2]

بہرام ایک تنومند اور شہ زور آدمی تھا اور ہر شخص کو زندگی کا لطف اٹھانے کی ترغیب دیتا تھا، وہ عربی میں شعر کہتا تھا اور بہت سی زبانوں میں گفتگو کر سکتا تھا[3]، وہ موسیقی کا بڑا شوقین تھا اور دربار میں اس نے موسیقی دانوں اور گویوں کو حتیٰ کہ مسخروں کو سلطنت کے بڑے سے بڑے عہدہ داروں کے برابر اور اگر برابر نہیں تو ان سے اتر کر جگہیں دے رکھی تھیں[4]، ایک مشہور

---

[1] عیون الاخبار لابن قتیبہ، ج ۱، ص ۱۲۸، نیز شاہنامہ (طبع مول) ج ۵، ص ۵۰۶-۵۰۸،

[2] ابن الفقیہ نے "ناووس الظبیہ" (ہرن کی قبر) اور "قصر بہرام جوز" کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس پر دیکھو شوارٹس کی کتاب "ایران در ازمنۂ وسطیٰ" (بزبان جرمن)، حصۂ پنجم، ص ۵۴۷، واضح ہو کہ یہ ہرن کی قبر بہرام کے کسی اور واقعۂ شکار کی یادگار ہے، اس کی تیراندازی کے کمال کے متعلق دیکھو کتاب التاج للجاحظ، ص ۱۷۷ ببعد، [3] مروج الذہب للمسعودی، ج ۲ ص ۱۹۱ ثعالبی ص ۵۵۵،

[4] کتاب التاج للجاحظ ص ۲۸، مروج الذہب ج ۲ ص ۱۵۷،

افسانے کی رُو سے اُس نے ہندوستان سے لُوریوں کو ایران بلوایا تاکہ عام لوگ بھی موسیقی کی لذّت سے بے بہرہ نہ رہیں[1] اپنی سرکش اور تیز طبیعت کی بدولت وہ "گور" کے لقب سے ملقّب تھا، بعد میں لوگوں نے اس لقب کی وجہ اس کے شکار کے ایک واقعہ سے گھڑلی، وہ یہ کہ ایک دفعہ جنگل میں ایک شیر نے ایک گورخر کی پیٹھ پر جست کی، بہرام نے ایک ہی تیر سے دونو کو چھید ڈالا،

یہ صحیح ہے کہ عہد ساسانی کے مؤرّخوں نے بہرام گور کو ملامت اور نکتہ چینی سے معاف نہیں کیا، مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ عیّاش اور فضول خرچ تھا اور سلطنت کے معاملات کی طرف چنداں توجہ نہیں کرتا تھا[2] لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ امور سلطنت کو امراء کے ہاتھوں میں دے دینے کی وجہ سے وہ امراء اور موبدوں کی نظروں میں ایک محبوب بادشاہ بن گیا تھا اور اس کی شہرت زیادہ تر اسی محبوبیّت کی بدولت ہوئی،

بہرام کے زمانے میں حکومت کے برترین عہدہ داروں میں سب سے زیادہ با اقتدار اور ذی قدرت مہر نرسی پسرِ ورازگ[3] تھا جو وزرگ فرمادار کے عہدے پر سرفراز تھا اور "ہزار بندگ" (ہزار غلاموں والا) کے لقب سے ملقّب تھا[4]، وہ خاندان سپندیاد سے تھا جو عہد اشکانی کے سات ممتاز گھرانوں میں سے ایک تھا، عربی اور فارسی مؤرّخ جن کی اطلاعات اس بارے میں عہد

---

[1] شاہنامہ طبع مول، ج ۶، ص ۷۶-۷۸، ثعالبی ص ۵۶۶، [2] کتاب التاج للجاحظ ص ۳۰ و ۱۵۹، طبری ص ۸۶۳، مروج الذہب ج ۲، ص ۱۶۸ ببعد، ثعالبی ص ۵۵۷،
[3] طبری، ص ۸۷۲، [4] مہر نرسی کے متعلق تمام اطلاعات جو ہم یہاں دے رہے ہیں طبری سے ماخوذ ہیں (ص ۸۶۹ ببعد)،

ساسانی کی تاریخِ کبیر سے مأخوذ ہیں اس کو ایک نہایت زیرک اور مہذّب شخص بتلاتے ہیں، دینِ زرتشتی کے لیے اس کی گرمجوشی کو دیکھتے ہوئے ہمیں کوئی تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ عیسائی مصنّف اس سے نفرت رکھتے ہیں اور لازارفرپی نے اس کو بدعہد اور بے رحم بتلایا ہے، اس کی مذہبی گرمجوشی نہ صرف اِس امر سے واضح ہے کہ وہ غیر مذہب والوں سے عداوت رکھتا تھا بلکہ اس بات سے بھی کہ زراعت اور کشتکاری کی ترقی کے لیے (جو دینِ زرتشتی کے مذہبی فرائض ہیں) وہ دل و جان سے کوشاں تھا، فارس میں ضلع اردشیر خورّہ اور ضلع شاپور میں جہاں اُس کی بڑی بڑی جاگیریں تھیں اس نے بہت سے محل بنوائے اور ایک آتشکدہ تعمیر کرایا جس کا نام اس نے مہرنرسیان رکھا، موضع آبرُوان کے نزدیک جو ضلع اردشیر خورّہ میں تھا اور جہاں وہ پیدا ہوُا تھا اُس نے چار گاؤں آباد کرائے اور ان میں آتشکدے بنوائے، ان میں سے ایک گاؤں خود اس کے اپنے لیے تھا اور باقی تین بیٹوں کے لیے جن کے نام زُروان داد، ماہ گشنسپ اور کاردار تھے، اپنے گاؤں کا نام اس نے فراز مرا آور خوذایا(؟) رکھا جس کے معنی ہیں "اے خدا میرے پاس آ"[1] باقی تینوں گاؤں اپنے اپنے مالک کے نام پر زُروان دادانِ، ماہ گشنسپان اور کاردادان کہلائے، ان کے علاوہ بقول طبری اُس نے تین باغ لگوائے ایک کھجور کا ایک زیتون کا اور ایک سرو کا جن میں سے ہر ایک میں بارہ ہزار درخت تھے، طبری

[1] طبری نے اس کا ترجمہ "اقبلی الیَّ سیّدتی" کیا ہے اس لیے کہ خدا سے مراد اس نے "آگ" لی ہے اور آگ عربی میں مؤنّث ہے،

نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تمام گاؤں اور آتشکدے اور باغ "آج بھی اُس کے وارثوں کے پاس موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ بہترین حالت میں ہیں"۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے مراد طبری کا اپنا زمانہ ہے یا کسی زیادہ قدیم مصنّف کا زمانہ جس سے طبری نے یہ اطلاع حاصل کی ہے،

موسیو ہرتسفلٹ کا خیال ہے[۱] کہ قصرِ سروِستان جو شیراز سے دارابجرد اور بندر عبّاس جاتے ہوئے سڑک کے کنارے پر ملتا ہے عہد بہرام پنجم کی یادگار ہے اور ممکن ہے کہ مہر نرسی کے بنوائے ہوئے محلوں میں سے ہو اس لیے کہ لفظ "سروِستان" کے معنیٰ "سرو کا باغ" ہیں، قصر سروستان ایک چھوٹا سا گنبد دار محل ہے اور ہرتسفلٹ کی رائے میں اتنا چھوٹا محل شہنشاہ کی رہائش کے لیے موزوں نہیں سمجھا جا سکتا خصوصاً اس لیے کہ دربار کا کمرہ بہت مختصر ہے، دیواروں میں دروازے بہت ہیں اور محرابدار چھتوں کی ساخت سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ عہد ساسانی میں فنِ معماری خاصی ترقّی کر چکا تھا[۲]۔

مہر نرسی کے تینوں بیٹے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز تھے، زُروان داد ہیربدان ہیربد تھا جو کلیسائی حکومت میں موبدان موبد کے بعد سب سے بڑا عہدہ تھا، ماہ گُشنسپ واستریوشان سالار تھا یعنی وزیر مالیات اور کاردار ارتیشتاران سالار تھا یعنی سلطنت ایران کا کمانڈر انچیف،

بہرام کو اپنے عہد میں سب سے پہلے شمال کے وحشی قبیلوں کے ساتھ

---

[۱] زارہ۔ ہرتسفلٹ: برجستہ حجّاری، ص ۱۳۱، [۲] ایضاً، دیولافوا نے قصر سروستان کو ہخامنشی عمارتوں

میں شمار کیا ہے،



سکهٔ بهرام پنجم



سکهٔ یزدگرد اول



قصر سروستان

جنگ آزمائی کرنی پڑی جن کو عربی اور فارسی تاریخوں میں بلا امتیاز ترک کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ قبیلے غالباً قبائل چیونیت[1] ہیں جو قوم ہون کی نسل سے تھے، ہم ان کو اس سے پہلے شاپور دوم کی امدادی فوجوں میں دیکھ چکے ہیں، ایران کے ساتھ ان کی وفاداری مشکوک سی تھی، یہ لوگ مرو کے شمال میں میدانی علاقوں میں آباد تھے، شاپور کی وفات کے بعد اُنھوں نے بار بار خراسان کو تاراج کیا اور اس نواح میں وہ ایران کے سب سے بڑے دشمن سمجھے جاتے تھے، بہرام نے بذات خود ان وحشیوں پر فوجکشی کی اور فتحیاب ہوا، اس کی غیر حاضری میں اس کے بھائی نرسی نے نائب سلطنت کے فرائض انجام دیئے، مشرقی صوبوں میں امن قائم ہونے کے بعد نرسی کو خراسان کا گورنر بنایا گیا،[2] اس اثناء میں ایران اور دولتِ بازنطینی کے درمیان ازسرِنو مخاصمت کی بنا پڑی، ایران کے عیسائی جب اپنی گستاخیوں کی بدولت یزدگرد کی عنایات سے محروم ہوگئے تو اس کی وفات سے پہلے ان پر جور و تعدی کا ایک نیا دور شروع ہوا جس کا بانی مہانی مہرشاپور موبدان موبد تھا، بہرام پنجم کے تخت نشین ہوتے ہی اس کا آغاز ہوا اور مغربی سرحدی صوبوں کے عیسائی جوق در جوق بازنطینی علاقوں میں بھاگنے لگے، مہرشاپور نے عربی قبائل کو ان کے خلاف بھڑکایا چنانچہ بیشمار عیسائی مارے گئے، ایک ایرانی افسر جس کا نام اسپبد تھا اور جو عیسائیوں کی ایذا رسانی پر مامور تھا اپنے ان فرائض سے اس قدر متنفر ہوا کہ اس نے اُن ہدایات پر عمل کرنے سے انکار کیا جو اُسے دی جاتی تھیں اور عیسائیوں کو نکل

---

[1] یہ قیاس مارکوارٹ کا ہے (ایرانشہر، ص ۵۲)، [2] طبری، ص ۸۶۵،

بھاگنے میں مدد دینے لگا، آخر کار اُسے خود بھی بھاگنا پڑا اور رومی سپہ سالار اناطول[۱] کے پاس جا کر پناہ گزین ہُوا، اناطول نے اُسے اُن عربی قبائل کی سپہ سالاری پر مأمور کر دیا جو دولتِ بازنطینی کے زیر فرمان تھے، شاہِ ایران نے حکومتِ بازنطینی سے مطالبہ کیا کہ مفرورین کو واپس کیا جائے لیکن اُس نے منظور کرنے سے انکار کیا،

یہ وہ واقعات تھے جو سنہ ۴۲۱ع میں ایران اور روم کے درمیان از سرِ نو جنگ چھڑ جانے کا باعث ہوئے، لیکن یہ جنگ کچھ زیادہ عرصہ نہ رہی، ایرانیوں کی طرف لڑائی کا سارا انتظام مہر نرسی کے ہاتھ میں تھا، رومی فی الجملہ غالب رہے، سنہ ۴۲۲ع میں جو صلحنامہ قرار پایا اس کی رو سے ایرانیوں نے اپنے ملک میں عیسائیوں کو مذہبی آزادی دے دی، یہ بات کہ یہی آزادی اُن زرتشتیوں کو بھی دی گئی جو سلطنتِ بازنطینی میں سکونت رکھتے تھے ایران کے سیاسی اقتدار پر دلالت کرتی ہے لیکن عملی طور پر اس کی اہمیّت کچھ نہ تھی، اس کے علاوہ رومیوں نے اس شرط کو منظور کیا کہ قبائل ہون کی روک تھام کی خاطر قفقاز کے پہاڑی دروں کی محافظت کے لیے جو مالی امداد وہ پہلے دیا کرتے تھے اب دوبارہ دینی شروع کرینگے،

اسی زمانے میں ایران کے عیسائی شدّت کے ساتھ آپس میں لڑ رہے تھے، سنہ ۴۲۱ع کے قریب دادیشوع جاثلیق مقرر ہُوا، اس نے شمال کے وحشی قبائل کے خلاف خراسان کی حفاظت کرنے میں شاہِ ایران کی عمدہ خدمات انجام دیں، اُس کے مخالفوں کی ایک جماعت تھی جس کا لیڈر بطائی تھا جو ہرمزد اردشیر

[۱] (Anatole)

کا بشپ تھا، اس نے دادیشوع پر یہ الزام لگایا کہ وہ اشیائے مقدسہ کو فروخت کرتا ہے اور سود لیتا ہے اور مغوں کو عیسائیوں کی ایذا رسانی کی شہ دیتا ہے، یہ الزام نہایت ہوشیاری کے ساتھ لگایا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دادیشوع بہرام کے حکم سے قید کر دیا گیا، بعد میں جب وہ قیصر تھیوڈسیس دوم کی کوشش سے رہا ہوا تو اس کو اپنے عہدے سے اس قدر نفرت ہوئی کہ اُس نے استعفا دینا چاہا لیکن اس کے طرفداروں نے مزاحمت کی اور چھتیس پادریوں کی تحریک سے جو اس کے حامی تھے ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں اس کو مجبور کیا گیا کہ اپنا استعفا واپس لے، یہ جلسہ جو عربی علاقے کے کسی شہر میں منعقد ہوا تھا اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں اس بات کا اعلان کیا گیا کہ کلیسائے ایران آیندہ آزاد ہوگا اور مغربی کلیسا کے ماتحت نہیں سمجھا جائیگا، اس جلسے میں ایسی تجویز منظور کرانے سے دادیشوع کا یقیناً یہ مقصد تھا کہ ایران کے عیسائی خوب سمجھ لیں کہ اب ان کی حالت مذبذب نہیں ہے، اس کے علاوہ ایک فائدہ اس نے یہ بھی سوچا کہ آیندہ ایران کے عیسائیوں پر یہ شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہیگی کہ وہ سلطنت روم کے ساتھ ساز باز رکھتے ہیں،[1]

بہرام پنجم کے بھائی شاپور کی وفات کے بعد جو آرمینیہ کا باجگزار بادشاہ تھا ایک شخص مسمّی ارتشیس (اردشیر) پسرِ ورم شاپوہ کو جو خاندان اشکانی سے تعلق رکھتا تھا وہاں کا بادشاہ بنایا گیا، اس نے دس سال حکومت کی، اس کے بعد بہرام نے اُسے معزول کر دیا اور آرمینیہ کو سلطنتِ ایران کا ایک صوبہ بنا دیا گیا، امرائے ایران میں سے ایک شخص مسمّی ویہ مہر شاپور وہاں کا مرزبان مقرر ہوا،

[1] لابور، ص ۱۱۹-۱۲۵،

بہرام پنجم ۴۳۸ء یا ۴۳۹ء میں فوت ہُوا، بقول فردوسی اس کی موت طبعی تھی، لیکن اکثر عربی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کے شکار کا شوق اس کی موت کا باعث ہُوا یعنی ایک دن ایک گورخر کے پیچھے اُس نے گھوڑا ڈالا راستے میں وہ کسی خندق یا گہرے کوئیں میں گر کر غائب ہو گیا اور باوجود تمام کوششوں کے اس کی لاش نہ مل سکی[1]، ممکن ہے کہ شاہ پیروز کی موت جو ایک گڑھے میں گرنے سے واقع ہوئی تھی اس افسانے کی ایجاد کا باعث ہوئی ہو یا شاید یہ قصہ لفظ "گور" کی تجنیس سے پیدا ہُوا ہو کہ بہرام کا لقب بھی "گور" تھا اور "گور" کے معنی قبر یا گڑھے کے بھی ہیں، چنانچہ عمر خیّام نے اسی تجنیس کو ایک رباعی میں استعمال کیا ہے ؎

آن قصر کہ جمشید درو جام گرفت ۔۔۔ آہو برہ کرد و شیر آرام گرفت
بہرام کہ گور می گرفتی دائم ۔۔۔ دیدی کہ چگونہ گور بہرام گرفت

یزدگرد دوم جو بہرام کا بیٹا اور جانشین تھا اپنے باپ کی سی عمدہ صفات نہیں رکھتا تھا، بقول طبری اپنی تخت نشینی پر جو خطبہ اس نے دیا اس میں اُس نے صاف صاف کہ دیا کہ میں اپنے باپ کی طرح دیر دیر تک بیٹھ کر دربار نہیں کیا کرونگا بلکہ گوشے میں بیٹھ کر سلطنت کی بہبودی کی تدبیریں سوچا کرونگا ایک سریانی کتاب میں بھی اس تغییر حالات کا بیان ملتا ہے جس میں لکھا ہے کہ قدیم زمانے سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ ہر مہینے کے پہلے ہفتے میں حکومت کے ہر عہدہ دار کو اس بات کی اجازت تھی کہ بادشاہ کے حضور میں خود حاضر ہو کر تمام

[1] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۰۳ ح ۳، ثعالبی ص ۵۶۸،

بے قاعدگیوں اور بے اعتدالیوں کو جو واقع ہوئی ہوں عرض کرے اور اُن کا مداوا طلب کرے لیکن یزدگرد دوم نے اس دستور کو موقوف کر دیا[1]،

یزدگرد کے آغازِ عہد میں دولتِ بازنطینی کے ساتھ ایک مختصر سی جنگ سنہ ۴۴۲ء میں واقع ہوئی لیکن اس میں کوئی بڑا واقعہ پیش نہیں آیا، آخر میں جو صلح ہوئی اُس کی رُو سے صورتِ حالات وہی رہی جو پہلے تھی[2]،

اگر وقائع شہداء کے بیانات پر اعتماد کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یزدگرد شروع میں عیسائیوں پر مہربان تھا لیکن اپنے عہد کے آٹھویں سال میں اُس نے اپنا رویّہ بدل دیا، اس سال اُس نے چند اُمراء کو قتل کرایا[3]، وقائع میں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ امراء کون تھے لیکن یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ یہ وہ ہونگے جنھوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا یا کرنے کا میلان رکھتے تھے. یہ ہرگز خیال نہیں کیا جا سکتا کہ اُمراء کا قتل کیا جانا اس وجہ سے تھا کہ بادشاہ عمومی طور پر اُن کی طاقت کو توڑنے کی فکر میں تھا اس لیے کہ عربی اور فارسی کتابیں جن میں ساسانی زمانے کے موبدوں کی رائے کا پرتو پایا جاتا ہے اس کو ایک رحمدل اور مہربان بادشاہ بتلا رہی ہیں[4]، یہودیوں کے ساتھ بھی اُس نے مذہبی تعصّب کا اظہار کیا یعنی سنہ ۴۵۴ء میں اُن کو یوم سبت منانے سے روک دیا[5]، جلوس کے بارھویں سال سے اس نے آرمینیہ کے عیسائیوں پر بھی سختی کرنی شروع کر دی[6]، مؤرّخ ایلیزے نے ایک دلچسپ بات لکھی ہے[7] کہ یزدگرد نے اپنی

---

[1] ہوفمن ص ۵۰، [2] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۱۶ ح ۲، [3] ہوفمن ص ۵۰، لابور ص ۱۲۶
[4] طبری، ص ۸۷۱، [5] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۱۴، ح ۱، [6] ایلیزے طبع لانگلوا، ج ۲، ص ۱۸۴، [7] ایضاً ص ۱۸۷،

سلطنت کے تمام مذہبوں کا مطالعہ کیا اور زرتشتیت کے ساتھ ان کا موازنہ کیا اور عیسائیت کے عقاید کو بھی اچھی طرح سے سمجھا، اس کا قول تھا کہ "تحقیق کرو، آزماؤ اور مشاہدہ کرو، پھر جو مذہب ہم کو سب سے اچھا معلوم ہوگا اُس کو ہم اختیار کرینگے"۔ اس تنگ مزاج ارمنی مؤرخ کے نزدیک یزدگرد کا یہ قول ریاکاری پر مبنی تھا لیکن ہمارا خیال ہے کہ اپنے زمانے کے مذاہب کو سمجھنے کی کوشش کرنے میں اُس نے ایک قابلِ تحسین کام کیا، ساسانیوں کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی چنانچہ پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ شاپور اوّل اور ہرمزد اوّل کو مانویّت کے ساتھ دلچسپی تھی اور آگے چل کر ہم دیکھینگے کہ مزدک کے مذہب نے کواذ اوّل کے دل پر کتنا گہرا اثر کیا تھا، یزدگرد دوم تمام مذہبوں کا موازنہ کرنے کے بعد زرتشتیت پر قائم رہا اور معاملات سلطنت کی باگ مہرنرسی کے ہاتھ میں رہی جو عیسائیوں کا جانی دشمن تھا،

آرمینیہ میں عیسائیت کی ترقی ایک مدت سے حکومت ایران کے لیے تشویش کا باعث ہو رہی تھی، طیسفون میں یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ جب تک اختلافِ مذہب باقی ہے آرمینیہ پر ایران کا قبضہ متزلزل حالت میں رہیگا، مہرنرسی بذاتِ خود سخت گیری کا حامی تھا، شاہِ ایران، مہرنرسی، ارکانِ سلطنت اور رؤسائے مذہبِ زرتشتی کے درمیان جو مشورے اس بارے میں ہوئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہرنرسی نے بادشاہ کی طرف سے ایک فرمان امرائے آرمینیہ کو لکھا، لازارفرپی جو اس زمانے سے تقریباً نصف صدی بعد گزرا ہے فرمان مذکور کو بالفاظ ذیل بیان کرتا ہے[1]۔ "... ہم نے اپنے مذہب کے

[1] لانگلوا، ج ۲، ص ۲۸۱، شروع کے چند جملے ہم نے حذف کر دیئے ہیں۔

اصول و قواعد جو حقیقت پر مبنی اور مضبوط بنیاد پر قائم ہیں لکھوا کر تم کو بھجوائے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ تم جو کہ ملک کے حق میں اس قدر مفید ہو اور ہم کو عزیز ہو ہمارے پاک اور سچّے مذہب کو قبول کرو اور اپنے مذہب کو چھوڑ دو جس کے متعلّق ہم کو بخوبی معلوم ہے کہ وہ باطل اور بے فائدہ ہے، ہمارے اس فرمان پر توجّہ کرو اور بطیب خاطر اور برضا و رغبت اس کی تعمیل کرو اور کسی اور قسم کے خیالات کو دل میں نہ آنے دو، ہم نے از راہ موافقت تم کو اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ اپنے موہوم مذہب کے اصول جو اب تک تمہاری خرابی کا موجب رہے ہیں ہمیں لکھ کر بھیجو، اگر تم ہمارے ہم مذہب ہو جاؤ گے تو اقوامِ آئبیرین اور البان[1] ہرگز ہماری نافرمانی کی جرأت نہیں کرینگی۔"

یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ اس فرمان کے ساتھ ضرور ایک تحریر بھی ہوگی جس میں مذہب مزدائیت کے اصول لکھوائے گئے ہونگے، اس کے پہنچنے پر آرمینیہ کے سربرآوردہ بشپ اور علمائے مذہب جمع ہوئے تاکہ اِس معاملے میں باہم رائے زنی کریں، لازار نے اس جلسے کے تمام حاضرین کے نام لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیشِ نظر عمدہ مآخذ تھے، اُس نے اس فرمان کا وہ جواب بھی نقل کیا ہے جو اس جلسے میں لکھا گیا اور جس کا لہجہ خاصا گستاخانہ تھا، اس کے بعض اہم مطالب حسب ذیل ہیں[2]: "جب ہم شہنشاہ کے حضور میں تھے تو مغوں کے رُو در رُو جو آپ کے مفتی کہلاتے ہیں ان کے اعتراضات کو حقارت کے ساتھ رد کیا کرتے تھے اور ان کی ہنسی اُڑایا

[1] (Albans) (Iberians) [2] لانگلوا، ج ۲، ص ۲۸۲،

کرتے تھے، آج بھی اگر آپ ہمیں مجبور کریں کہ ہم آپ کی ان تحریروں کو پڑھیں جن کے ساتھ ہمیں کوئی دلچسپی نہیں اور جو ہرگز ہماری توجہ کے قابل نہیں تو ہم وہی کرینگے جو پہلے کیا کرتے تھے، ہم نے آپ کے احترام کی خاطر آپ کی تحریر کو کھولا اور دیکھا تک بھی نہیں کہ مبادا وہ موردِ استہزاء ہو، کیونکہ ایک ایسا مذہب جس کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ بے سروپا ہے اور چند بے عقل آدمیوں کے اوہامِ باطلہ کا نتیجہ ہے اور جس کی تفاصیل آپ کے بعض جھوٹے اور مکّار عالموں نے ہمیں پہنچائی ہیں اور جس سے آپ بھی اور ہم بھی واقف ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کے اُصول کو سُنایا پڑھا جائے، آپ کے ان قوانین کو پڑھنے سے ہم ان کا مضحکہ اُڑانے پر مجبور ہونگے اور یہ قوانین اور مقنّن اور وہ لوگ جو ان بیہودگیوں پر عمل کرتے ہیں سب کے سب ہماری نظروں میں استہزاء کے قابل ہونگے، یہی وجہ ہے کہ ہم نے باوجود آپ کے فرمان کے اپنے مذہب کے اُصول آپ کو لکھوا کر نہیں بھجوائے، کیونکہ جب ہم آپ کے باطل اور ناپاک مذہب کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس کے اصول کو پڑھا اور سوچا جائے تو آپ کو چاہیے تھا کہ اپنی دانائی سے کام لے کر تحریر بھجواتے وقت اس معاملے پر غور کرتے اور اپنے مذہب کو موردِ استہزاء بنوا کر دل آزاری نہ کراتے، ہم یہ کیونکر کر سکتے ہیں کہ اپنے پاک اور مقدس مذہب کو آپ لوگوں کی جہالت کے سامنے پیش کر کے اس کی تحقیر کرائیں؟ لیکن ہم اپنے عقاید کے متعلق آپ کو صرف اتنا بتا دیتے ہیں کہ ہم ہرگز آپ لوگوں کی طرح عناصر اور سورج اور چاند اور ہوا اور آگ کی پرستش نہیں کرتے اور زمین اور آسمان پر آپ کے جتنے معبود ہیں ہم ان میں سے کسی کو نہیں مانتے بلکہ مضبوطی کے ساتھ خدائے واحد و برحق کی عبادت کرتے ہیں جو زمین اور آسمان اور

ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے جو اُن کے اندر ہیں . . . . ،،[1]

[1] ایک اور ارمنی مؤرّخ ایلیزے نے مہر نرسی کے فرمان کو بالتفصیل لیکن مختلف شکل میں نقل کیا ہے جس میں مذہب زرتشتی کے اصول بالکل سیدھے سادے طور پر بیان کیے ہیں اور عیسائیت کے عقاید پر نکتہ چینی کی ہے، آخر میں شہنشاہ کا یہ حکم تحریر کیا ہے کہ یا تو تم ان اصولوں کی تردید کرو یا پھر عدالتِ عالیہ کے سامنے پیش ہو، اس کے بعد ایلیزے نے مفصّل طور پر اُس تردید کو نقل کیا ہے جو آرمینیہ کے پادریوں نے اس کے جواب میں لکھی تھی، ہمارے نزدیک لازار فرپی کا بیان فی الجملہ صحیح ہے یعنی یہ کہ آرمینیہ کے پادریوں نے اُس خط سے بالکل تغافل کیا جس میں زرتشتیت کے اصول بیان کیے گئے تھے بلکہ اُسے کھولا بھی نہیں: جب ایسی صورت ہوئی تو پھر ظاہر ہے کہ چونکہ مہر نرسی کا وہ خط ضائع ہوگیا لہذا ایلیزے نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے خط کا مضمون (جس میں زرتشتی عقاید کی شرح ہے) اور اس کی تردید جعلی طور پر خود لکھی، اس کا پہلا حصّہ (یعنی خط کا مضمون) تو اس نے کسی پہلوی کتاب کے یونانی یا ارمنی ترجمے سے لیا اور دوسرا حصّہ (یعنی اس کی تردید) ایسی کتابوں سے اخذ کیا جو عیسائیت کی حمایت میں لکھی گئی تھیں، لیکن با این ہمہ مہر نرسی کا وہ جعلی خط جو ایلیزے نے نقل کیا ہے بڑی اہمیت رکھتا ہے نہ صرف اس لیے کہ اس کے ذریعے سے ہمیں اُن زرتشتی عقاید کا پتہ چلتا ہے جو ساسانیوں کے وقت میں رائج تھے بلکہ اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ عیسائی مذہب کے وہ کون سے اصول تھے جو زرتشتیوں کے نزدیک قابلِ نفرت تھے، یہی وہ اختلافِ عقاید ہے جو ہمیں ان مذہبی مناظروں میں نظر آتا ہے جو وقائع شہدا کی سریانی کتابوں میں کہیں کہیں تحریر ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ عیسائی لوگ اس عقیدے میں غلطی پر ہیں کہ دنیا میں خیر و شر کا ایک ہی خالق ہے، اور یہ کہ خدا غیور و حسود ہے اور اُس نے درخت سے ایک دانہ انجیر کے توڑے جانے کی وجہ سے موت کو پیدا کیا اور بنی نوع انسان کو اس کے پنجے میں گرفتار کیا، "اس قسم کا حسد انسان اور خدا کے درمیان تو درکنار آدمیوں میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں پایا جاتا" عیسائیوں کا ایک اور غلط عقیدہ یہ ہے کہ خدا جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اس دنیا میں آیا اور مریم کے بطن سے پیدا ہُوا، پھر یہ کہ ان کے روحانی پیشوا لوگوں سے تو یہ کہتے ہیں کہ گوشت کھانا گناہ نہیں ہے لیکن خود کھانے سے انکار کرتے ہیں، شادی کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن خود نہیں کرتے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ روپیہ جمع کرنا گناہ ہے اور فقر و افلاس کو بدرجۂ غایت اچھا سمجھتے ہیں، مصائب کو پسند کرتے ہیں اور خوشحالی سے نفرت رکھتے ہیں، مال و دولت کو حقیر اور دنیاوی جاہ و جلال کو ناچیز سمجھتے ہیں، لباسِ فقیری ان کو مرغوب ہے اور معمولی چیزوں کو قیمتی چیزوں پر فوقیت دیتے ہیں، موت کی تعریف اور زندگی کی مذمت کرتے ہیں، بچوں کا پیدا ہونا معیوب سمجھتے ہیں لیکن ساتھ ہی بانجھ پن پر بھی تأسف کرتے ہیں، وغیرہ، (لانگلوا ج ۲ ص ۱۹۱)

یزدگرد کو جب پادریوں کا یہ جواب پہنچا تو اس نے بڑے بڑے ارمنی خاندانوں کے رؤسا کو بلوا کر قید کر دیا، بقول ایلیزے اُنھوں نے دل میں تو خدا سے یہ عہد کیا کہ اپنے مذہب پر قائم رہینگے لیکن ظاہر یہ کیا کہ ہم نے "بادشاہ کے کفر کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔ یزدگرد اُس وقت قبائل کوشان کے خلاف جنگ میں مصروف تھا یعنی وہ قبائل جو قدیم مملکت کوشان کے علاقے پر قابض تھے، اس نے ارمنیوں کی "اس چالاکی پر مطلق کوئی شبہ نہ کیا" اور ان کے منصب اور جاگیریں ان کو واپس کر دیں، صرف چند شاہزادوں کو یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھا، اس کے بعد اس نے سات سو مُغوں کو موبدان موبد کی سرکردگی میں آرمینیہ بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں میں زرتشتیت کی تبلیغ کریں،

اسی زمانے میں یزدگرد نے قبائل چول کے بادشاہ کو جو اقوام ہون سے تعلق رکھتے تھے شکست دی، یہ قبائل گرگان کے شمال میں بود و باش رکھتے تھے، وقائعِ شہداء میں ان کا ذکر آتا ہے[۱]، جو علاقہ اس نے فتح کیا اس میں اس نے ایک نیا شہر آباد کیا جس کا نام شہرستانِ یزدگرد رکھا گیا، یہاں وہ چند سال مقیم رہا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس سرحد کے قریب رہے جہاں وحشی قبائل کی غارتگری کا ہمیشہ خطرہ رہتا تھا[۲]، اس کے بعد قبائل ہون یا چینوئیت میں سے وہ قبیلے جو کِداری کہلاتے تھے[۳] ایران کے مشرق میں علاقۂ طالقان پر حملہ آور ہوئے، یزدگرد کو ان کے ساتھ نبرد آزمائی کرنی پڑی،

---

[۱] ہوفمن، ص ۵۰ و ۲۷۷، مارکوارٹ: ایرانشہر ص ۵۶، قبائل چول کا بادشاہ "خاقان چول" کہلاتا تھا اور بلخان میں سکونت رکھتا تھا، [۲] ہوفمن ص ۵۰،

[۳] اس لیے کہ ان کے بادشاہ کا نام کِدارا تھا،

اس اثناء میں آرمینیہ کے رؤسا نے بغاوت کی اور وہاں کے عیسائی پادریوں نے جہاد کا وعظ کہنا شروع کر دیا، لیکن حسب معمول عالی خاندانوں کی باہمی رقابت کی وجہ سے اُن میں اتحادِ عمل نہ ہو سکا، آرمینیہ کا مرزبان وزگ سیونیکی[1] جو وہاں کے ممتاز ترین شاہزادوں میں سے تھا ایران کا وفادار رہا اور زرتشتی ہو گیا، اس کے بعد کئی سال وہاں خانہ جنگی ہوتی رہی جس کی وجہ سے ملک برباد ہو گیا، باغیوں نے قیصر روم سے مدد مانگی لیکن چونکہ دولتِ بازنطینی اُن دنوں قبائل ہون کے خلاف اپنی سرحد کی حفاظت میں مصروف تھی اس لیے کوئی شنوائی نہ ہوئی لیکن ارمنیوں کی اس حرکت نے حکومتِ ایران کے ساتھ مصالحت کا دروازہ بند کر دیا، ایرانی فوجوں کو شکست ہوئی، وزگ گرفتار ہو گیا اور جبراً دوبارہ عیسائی بنایا گیا، اس کے بعد یزدگرد جس کو کِداریوں کے ساتھ لڑائی میں کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی فوج لے کر آرمینیہ پر چڑھ آیا اور سنہ ۴۵۱ع میں ایک زبردست لڑائی میں باغیوں کو شکست دی اور اُن سرغنوں کو جو لڑائی میں مارے نہیں گئے تھے اور ان کے ساتھ تمام سر برآوردہ پادریوں کو گرفتار کر کے ایران لے آیا، وزگ جس کو بجا طور پر ایرانیوں نے بھی اور ارمنیوں نے بھی غدّار سمجھا اور علاوہ غدّاری کے اس نے بہت کچھ لوٹ مار بھی کی تھی مرزبانی سے معزول کیا گیا اور اس کا تمام مال واسباب ضبط کر لیا گیا، بادشاہ نے ایران انبارگ بد و بہ دین شاپور کو حکم دیا کہ تمام گرفتار شدہ پادریوں کو قتل کرے، اس کے بعد ایرانی مرزبان جو یکے بعد دیگرے آرمینیہ کی حکومت پر مامور ہوتے رہے ملک کی حالت کو

۱؎ (House of Siunik)

بہتر بنانے کی سرگرم کوشش کرتے رہے، بالآخر یزدگرد کے مرنے کے بعد ارمنیوں کو دوبارہ مذہبی آزادی مل گئی،

شام کے عیسائیوں کو بھی اختلافِ مذہب کی بنا پر کافی مصیبتیں اٹھانی پڑیں، لیکن فی الجملہ عیسائیوں پر جور و عقوبت میں وہ ہمہ گیری نہیں تھی جو ہم شاپور دوم کے عہد میں دیکھتے ہیں، بادشاہِ چول کے خلاف جنگ میں یزدگرد کو عیسائی سپاہیوں کے بارے میں بہت برا تجربہ ہوا چنانچہ اس نے ان سب کو لشکر سے نکال دیا اور طیسفون واپس آکر اس نے حکومت کے چند اعلیٰ افسروں کو حکم دیا کہ مغربی صوبوں میں جتنے سربرآوردہ عیسائی ہیں ان کو قید کر کے اس بات پر مجبور کرو کہ اپنا مذہب چھوڑ دیں، ان اعلیٰ افسروں میں ایک تو تہم یزدگرد تھا جو مغان اندرزبد[1] تھا ایک آذر افروز گرد تھا جو صوبہ ارزنین[2] کا سرِ شاذرز داریگ[3] تھا اور ایک سورین تھا جو صوبہ زابِ صغیر[4] میں بیث گرمائی کا دشتور ہمداذ[5] تھا، جو عیسائی قید کیے گئے ان میں سے اکثروں نے اپنا مذہب چھوڑنے سے انکار کیا چنانچہ یہ سب لوگ ۴۴۶ء میں سخت عذاب دے کر مارے گئے، ان مقتولین میں یوحنان اسقف اعظم بھی تھا، اس سے اگلے سال ایک شخص مسمّی پیٹھیون جو عیسائی شہداء میں بہت مشہور و معروف تھا عذاب دے کر مارا گیا اور اس کا سر کاٹ کر ایک چٹان پر رکھا گیا جو طیسفون سے مشرق کو جانے والی شاہی سڑک پر واقع تھی، اس شخص نے

[1] دیکھو اوپر، ص ۱۷۶، [2] آرمینیہ کے جنوب میں جھیل وان اور دریائے دجلہ کے درمیانی علاقے کا نام تھا، (مترجم)، [3] عدالتِ عالیہ کا جج (جسٹس)، دیکھو آگے،
[4] موصل کے مشرق میں (مترجم)، [5] محکمۂ عدالت کا اعلیٰ افسر، دیکھو آگے،



سکۂ یزدگرد دوم



سکۂ شاہ پیروز



ایران انبارگ بذ ویہ دین شاپور کی مہر کا نگینہ

میڈیا اور وادیِ دجلہ کے درمیان پہاڑی علاقوں میں بحیثیت عیسائی مبلّغ بہت بڑی کامیابی حاصل کی تھی[1]

یزدگرد اپنے عہدِ سلطنت کے آخری سالوں میں کِداریوں کے ساتھ جنگ میں مشغول رہا اور ۴۵۷ء میں طبعی موت مرا، اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا ہرمزد سوم جو اس سے پہلے سکستان (سیستان) میں شاہی القاب کے ساتھ حکمران رہا تھا تخت پر بیٹھا، لیکن اس کا چھوٹا بھائی پیروز سلطنت کا دعویدار ہؤا اور مشرقی صوبوں میں فوج جمع کر کے ہرمزد پر حملہ آور ہؤا جو اس وقت رے میں مقیم تھا[2]، دونو بھائیوں کے درمیان جنگ کے دوران میں ان کی ماں جس کا نام دینگ تھا طیسفون میں قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کرتی رہی، ایک مُہر اس وقت موجود ہے جس میں اس کی تصویر اور اس کا نام اور لقب "بامبشنان بامبشن" (رانیوں کی رانی[3]) پہلوی حروف میں کھُدے ہُوئے ہیں تصویر میں ملکہ کے سر پر تاج ہے جس کے اوپر گیند کی شکل کی ایک ٹوپی ہے جو ایک چھوٹے سے فیتے کے ساتھ بندھی ہوئی ہے، کان میں ایک بالی ہے جس میں تین موتی پروئے ہوئے ہیں اور گلے میں موتیوں کا ہار ہے، اس کے بالوں کو بہت سی چھوٹی چھوٹی چوٹیوں میں گوندھا گیا ہے جو اس کی گردن

[1] ہوفمن، ص ۴۳-۶۸، لابورہ ص ۱۲۶ ببعد، [2] بعض عربی کتابوں میں جو لکھا ہے (مثلاً طبری ص ۸۷۲) کہ پیروز نے ہیتالیوں کی مدد حاصل کی وہ محض افسانہ ہے جو غالباً پیروز کے بیٹے کواذ کے حالات کی تقلید سے وجود میں آیا، کواذ نے شاہِ ہیتالیان (ہیاطلہ) کے ساتھ اتحاد کیا تھا جس کا ذکر آگے آئیگا، یزدگرد دوم کی وفات کے وقت تک ہیتالی ایران کی سرحد تک نہیں پہنچے تھے، (مارکوارٹ، ایرانشہر ص ۵۷)، [3] یہ لقب "شاہانشاہ" کی ترکیب کے نمونے پر بنایا گیا ہے اور (بقول ہرتسفلٹ) اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ دینگ اس عرصے میں ہی

اختیارات رکھتی تھی،

کے گرد لٹک رہی ہیں[1]؛

ایرانی روایات میں پیروز کے مذہبی عقاید اور مزدائیت کے متعلق اس کی معلومات کو خوب نمایاں کیا گیا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ علمائے زرتشتی کا وہ چہیتا بادشاہ تھا،[2] اس کے علاوہ ارکانِ سلطنت میں سے ایک نہایت با اقتدار شخص رہام جو خاندان مہران سے تھا اور پہلے اس کا اتالیق بھی رہا تھا اس کی حمایت پر تھا، رہام نے ہرمزد پر لشکر کشی کرکے اس کو شکست دی، ہرمزد گرفتار ہوا اور (بقول ابلیزے) رہام نے اس کو مروا کر پیروز کو تخت نشین کیا،[3]

شاہ پیروز کا عہد سلطنت (۴۵۹ء - ۴۸۴ء) کچھ زیادہ خوشحالی کا زمانہ نہ تھا، شمالی اور مشرقی سرحدوں کی حفاظت کی خاطر جنگ مسلسل جاری رکھنی پڑی اور خشک سالی وجہ سے ایک شدید اور طویل قحط پڑا جس نے جنگ کی مصیبتوں پر اور اضافہ کیا،[4] ایرانی روایات میں اُن تدابیر کی یاد محفوظ ہے جو پیروز نے اس قحط کی روک تھام کے لیے اختیار کیں، ایک تو اُس نے خراج کا بہت سا حصہ معاف کر دیا اور دوسرے قحط زدوں کو غلّہ تقسیم کرنے کا انتظام کیا،[5] ۴۸۵ء میں ایک عیسائی اسقف بارصوما نے جاثلیق اکاس کو ایک خط لکھا جس میں اس قحط کا ذکر موجود ہے اور لکھا ہے کہ دو سال تک شمالی صوبوں کے لوگ اس میں مبتلا رہے،[6]

---

[1] مورٹمن (Z. D. M. G.) ج ۲۸، ص ۲۰۱ بعد، پای گلی، ص ۷۵ و فرہنگ نمبر ۲۶۲ و ۶۲۴،
[2] طبری ص ۸۷۲، [3] ابلیزے طبع لانگلوا، ص ۲۴۸، [4] بقول عربی مؤرخوں کے یہ قحط سات سال تک رہا، [5] طبری ص ۸۷۳، [6] لابور، ص ۱۴۴،

پیروز کے عہد میں یہودیوں پر بہت تعدّی کی گئی، اس کا باعث یہ ہوا کہ ملک میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ اُنھوں نے دو زرتشتی موبدوں کو زندہ کھال کھینچ کر مار ڈالا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ سختی شہر اصفہان کے یہودیوں پر ہوئی جہاں اُس زمانے میں اُن کی کثرت تھی جیسا کہ آج بھی ہے،[1]

عیسائی دنیا اُس زمانے میں ایک اُصولی مسئلے پر سخت جھگڑے میں مبتلا تھی، نسطوری فرقہ اس بات کا قائل تھا کہ مسیح کی دو جُدا جُدا فطرتیں ہیں ایک بشری اور ایک ربانی، برخلاف اس کے دوسرا فرقہ جو یک فطری[2] (یعقوبی) کہلاتا تھا اس بات کو مانتا تھا کہ یہ دونو فطرتیں اُس کی شخصیت میں باہم ممزوج ہیں، یہ دونو فرقے آریوسیوں[3] کے خلاف ایک دوسرے کے حامی تھے لیکن باوجود اس کے آپس میں ایک دوسرے سے سخت کینہ رکھتے تھے، یہ مذہبی جھگڑا بالخصوص الرُّہا[4] کے مکتب میں جہاں ایران کے عیسائی مذہبی تعلیم پاتے تھے نہایت شدید تھا، اس مکتب کا ایک نامور استاد ایبس تھا جو ایک پُرجوش نسطوری تھا، جب وہ ۴۵۷ء میں مرگیا تو یک فطریوں کو غلبہ ہو گیا اور نسطوری علماء الرُّہا سے نکلے گئے، ان میں بعض نوجوان مدرّس تھے جن کے مخالفوں نے ان کے توہین آمیز نام رکھ چھوڑے تھے مثلاً کسی کا نام "دمڑی دبانے والا" (یعنی کنجوس)، کسی کا نام "نالی کا پانی پینے والا"، کسی کا "چھوٹا سوٗر" وغیرہ، ایک کا نام "اس قدر فحش تھا کہ اس کو ہم

---

[1] نولڈکہ، ترجمہ طبری، ص ۱۱۸، ح ۴، حمزہ اصفہانی ص ۵۶، [2] (Monophysites)
[3] یعنی آریوس (Arius) کے پیرو جو چوتھی صدی میں اسکندریہ کا بشپ تھا اور اس فرقے کا بانی، (مترجم)، [4] (Edessa)

لحاظ کے مارے لکھ بھی نہیں سکتے"۔ سب سے زیادہ پُرجوش بارصوما تھا جس کا نام "گھونسلوں میں تیرنے والا" مشہور تھا، ۴۴۹ء میں اُس نے ایک جلسے میں جو تاریخ میں "رہزنیٔ افیس[1]" کے نام سے مشہور ہے نسطوری عقاید کی اس جوش کے ساتھ حمایت کی کہ پادریوں نے اس کے اخراج کا مطالبہ کیا، ان میں سے کئی مدرّس ایران میں اسقف کے عہدے پر مامور ہوئے، اُن کے یک فطری مخالفوں نے اُن پر ہر قسم کی خیانت اور فسق و فجور کے الزام لگائے، بارصوما بظاہر ایک جاہ طلب اور سازشی آدمی تھا لیکن بہرحال وہ ایک ممتاز شخصیت رکھتا تھا اور اس کو ایک حد تک شاہ پیروز کی حمایت حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی۔ یقیناً پیروز کو ان جھگڑالو پادریوں کے ساتھ کوئی اُنس نہ تھا اور نہ اس کے دل میں ان کے مذہب کی کوئی توقیر تھی لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ نسطوری فرقے سے ایک سیاسی فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی وجہ سے ایران کے عیسائیوں کو اپنے اُن ہم مذہبوں کے ساتھ جو مغربی سرحد کے پار رہتے تھے تنافر پیدا ہو سکتا تھا، جب قیصر زینو[2] نے ایک منافقانہ مذہبی پالیسی اختیار کی یعنی بظاہر غیر جانبدار بنا رہا اور دل میں یک فطری عقاید رکھتا تھا تو بارصوما نے جس کو نصیبین کا بشپ اور سرحدی فوجوں کا انسپکٹر بنا دیا گیا تھا چند اور پادریوں کی تائید سے نصیبین میں ایک کونسل منعقد کرائی جس میں یہ قرار پایا کہ جاثلیق بابووائی کو جس کی نالائقی مسلّم ہو چکی تھی معزول کیا جائے، بابووائی نے اس

---

[1] اس لیے کہ یہ جلسہ شہر افیس (Ephesus) میں منعقد ہوا، (مترجم)

[2] (Zeno) (عہدِ سلطنت ۴۷۴ء – ۴۹۱ء – مترجم)

کا بدلہ یوں لیا کہ بارصوما اور اس کے ساتھیوں کی تکفیر کی، یہ جھگڑا بڑھتا گیا یہاں تک کہ بابوِ وائی کو قید کیا گیا اور پھر ایک انگلی سے لٹکا کر اُس کو اتنے کوڑے مارے گئے کہ وہ مرگیا، اس کے بعد بارصوما کا پُرانا رفیق اکاس ("دمڑی دبانے والا") جاثلیق مقرر ہوُا لیکن ان دونوں کے درمیان بھی پُوری موافقت نہ تھی چنانچہ جب اکاس نے سلوکیہ میں ایک کونسل منعقد کرانی چاہی تو بارصوما نے کئی ایک حیلے بہانے کر کے اس میں مدد دینے سے انکار کیا[1]۔

پانچویں صدی میں دولتِ بازنطینی وحشی قبائل کے حملوں کی روک تھام میں مشغول رہی اور اِس لیے اس کی طرف سے ایران کو چنداں خطرہ نہ تھا، لیکن ساتھ ہی (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں) سلطنتِ ساسانی پر بھی یہی حملے ہو رہے تھے[2]۔

پیروز نے اپنے عہد کے آغاز میں اس بات کی کوشش کی کہ کِداریوں کو خراج ادا کرنے پر مجبور کرے لیکن ان کے بادشاہ کِدارا نے انکار کیا لہذا جنگ دوبارہ شروع ہو گئی، لکھا ہے کہ اس کے بعد شاہ ایران نے کِدارا کے بیٹے اور جانشین گنگخاس کے ساتھ صلح کرنی چاہی اور یہ تجویز کی کہ اپنی بہن کی شادی اس کے ساتھ کر دے[3]، بہر کیف جنگ جاری رہی، پیروز نے قیصر روم سے مطالبہ کیا کہ روپے سے اس کی مدد کرے تا کہ وہ

---

[1] لابور، ص ۱۳۱-۱۴۴، [2] دیکھو مارکوارٹ: ایرانشہر، ص ۵۵ بعد، [3] یہ روایت غالباً ایک افسانہ ہے، کہا جاتا ہے کہ پیروز نے اپنی بہن کی بجائے کوئی اور عورت بھجوا کر اس کو دھوکا دیا، ایران میں یہ ایک مقبول قسم کی روایت ہے، چنانچہ یہی قصّہ خسرو اوّل اور خاقان ترک کے درمیان بھی بیان کیا جاتا ہے، (مارکوارٹ، ایرانشہر، ص ۵۷، ح ۱)۔

کداریوں کے ساتھ جنگ کو کامیابی کے ساتھ ختم کر سکے اور ساتھ ہی اُن وحشی قبائل کے حملوں کو روک سکے جو قفقاز کے دروں میں سے آئبیریا اور آرمینیہ میں گھس آئے تھے، لیکن باوجود بار بار مطالبہ کرنے کے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوا، پھر بھی پیروز نے کداریوں کو شکست دی اور وہ کُنگخاس کی رہنمائی میں ہجرت کر کے گندھار میں جا کر مقیم ہو گئے، لیکن اُن کی بجائے ایک اور وحشی قوم یعنی ہپتالیان[1] چین کے صوبہ کانسو سے نکل کر طخارستان کے علاقے میں جس کو کِداریوں نے خالی کیا تھا آن گھسی، ہپتالی جن کو "سفید ہون" بھی کہا جاتا ہے غالباً قبائل ہون میں سے نہ تھے[2]، بقول پروکوپیوس وہ قبائل ہون سے مختلف تھے بلحاظ اس امر کے کہ ایک تو ان کی رنگت سفید تھی اور دوسرے وہ زیادہ متمدّن تھے، پیروز ان نئے حملہ آوروں کے ساتھ جنگ آزما ہوا لیکن شکست کھا کر گرفتار ہو گیا، مجبوراً اس کو شہر طالقان جو کداریوں کے ساتھ جنگ سے پہلے سرحدی شہر تھا اُن کے حوالے کر دینا پڑا اور یہ شرط بھی منظور کرنی پڑی کہ وہ آیندہ کبھی اس حد سے آگے نہیں بڑھیگا، اس کے علاوہ اُس نے بطور فدیہ ایک بھاری رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا اور دو سال کی مدت تک یعنی جب تک کہ یہ رقم ادا نہ ہوئی اس

---

[1] ایرانی بُندہِشن میں ہیفتالاں ہے (طبع انکلساریا ص ۲۱۵)، ارمنی زبان میں "ہیپتحل" فارسی میں "ہیتالی" اور عربی میں "ہیطل"، ہپتالیوں کے بعض سکّے موجود ہیں جن پر کوشانی ہپتالی حروف لکھے ہیں جو یونانی ابجد سے ماخوذ ہیں یا پھر ہندوستان کی ایک زبان جو براہمی کہلاتی ہے ان پر لکھی پائی جاتی ہے (دیکھو روئداد پرشین اکیڈمی سنہ ۱۹۳۰ع ص ۴۱ و مابعد)

[2] بقول مارکوارٹ (ایرانشہر، ص ۵۵، ح ۸) پہلے قبائل چینوئیت "سفید ہون" کے نام سے

کا بیٹا کواذ شاہِ ہپتالی کے دربار میں یرغمال کے طور پر رہا[1]، کچھ عرصہ بعد پیروز نے سپاہ بد بہرام کے سمجھانے بجھانے کے باوجود ہپتالیوں کے بادشاہ کے ساتھ لڑائی شروع کی[2] جس کا نتیجہ اس کے حق میں بہت مضر ہوُا، ۴۸۴ء میں ایرانی فوج جو صحرائی علاقے میں بڑھتی چلی گئی دشمن کے ہاتھوں بالکل تباہ ہوگئی، پیروز خود بھی مارا گیا اور اس کی لاش کا پتا نہ چلا، عربی اور فارسی مؤرّخوں کی روایت کے مطابق اس کی موت اس طرح ہوئی کہ وہ اپنے بہت سے ہمراہیوں سمیت ایک گڑھے میں جا گرا جو ہپتالیوں کے بادشاہ نے کھدوایا تھا، یہ روایت خواہ وہ صحیح ہو یا غلط بہت پرانی ہے اس لیے کہ لازار فرپی نے بھی جو ایک معاصر مصنّف تھا اس کو بیان کیا ہے[3]، پیروز کی ایک بیٹی شاہ ہپتالی کے ہاتھ لگی جس کو اس نے اپنے حرم میں داخل کرلیا، اس کے بعد ہپتالی سلطنتِ ایران

[1] جوشوُا اسٹائی لائٹ کے قول کے مطابق پیروز دو دفعہ شکست کھا کر ہپتالیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوُا لیکن یہ بیان غالباً غلط ہے، [2] عربی اور فارسی تواریخ میں جن کا منبع خوذای نامگ ہے اس بادشاہ کا نام اَخشُنوار، اخشوان یا خُشنُواز ہے اور یہ مختلف شکلیں عربی حروف میں اصل نام کے بگڑ جانے سے پیدا ہوئی ہیں، ایرانی بُندہشن میں (طبع انکلساریا، ص ۲۱۵) بحروف پہلوی اس نام کی شکل خُشنُواز ہے لیکن چونکہ بندہشن میں یہ نام ایک ایسے باب میں آیا ہے جس کے مطالب بیشتر عربی اور فارسی تصانیف پر مبنی ہیں لہذا وہ بھی قابلِ اعتماد نہیں (دیکھو کرسٹن سین کیانیان، ص ۶۱ - ۶۵)، اغلب یہ ہے کہ ان تمام بگڑی ہوئی شکلوں کے پردے میں سغدی لفظ خُشیوَنْ چھُپا ہوُا ہے جس کے معنے "بادشاہ" کے ہیں (دیکھو میولر: متون سغدی ج ۱ ص ۱۰۸، حاشیہ)، پیروز اور ہپتالیوں کے درمیان جنگ کے متعلق بعض مقبول عام افسانے مشہور ہیں مثلاً ایک یہ کہ پیروز نے جب اس بات کا حلف اٹھایا کہ وہ کبھی اُس حد کو عبور نہیں کریگا جو دونو سلطنتوں کے درمیان مقرر کی گئی ہے تو اس کو فسخ کرنے کے لیے اس نے یہ حیلہ کیا کہ پتھر کے مینار کو جو حد بندی کے لیے گاڑا گیا تھا اکھڑوا دیا اور حکم دیا کہ پچاس ہاتھی اور تین سو آدمی اس کو گھسیٹتے ہوئے آگے آگے لے چلیں، اس کے علاوہ اور اور افسانے بھی ہیں جن کے لیے دیکھو

عیون الاخبار لابن قتیبہ ج ۱، ص ۱۱۷ ببعد اور طبری ص ۸۷۸ و ۸۷۵، [3] طبع لانگلوا، ج ۲ ص ۳۵۱،